(فرہنگ کے ساتھ)

باغ و بہار

میر امن دہلوی















مرتبہ

پروفیسر ابن کنول

میر امّن جن کا نام بعض تذکرہ نگاروں نے میر امان بھی لکھا ہے دہلی کے رہنے والے تھے "لطف" تخلص کرتے تھے۔ ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ "باغ و بہار" کا دیباچہ ہی ان کے احوال کو جاننے کا اہم ذریعہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ولادت اٹھارہویں صدی میں محمد شاہ کے عہد میں ہوئی ہوگی۔ بعض محققین نے ۱۷۵۰ء کے آس پاس ان کی ولادت تسلیم کی ہے۔ میر امن نے اپنی دونوں کتابوں یعنی "باغ و بہار" اور "گنج خوبی" میں خود کو "دلّی والا" کہا ہے۔ اس سے یہ بات تو یقینی ہے کہ میر امّن کا تعلق دلّی سے تھا لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ کونسی دلّی ہے؟ شاہ جہانی فصیل کے اندر کی یا فصیل سے باہر کی قدیم آبادی۔ رشید حسن خاں کا قیاس ہے کہ اُن کا تعلق فصیل کے باہر کے ایک محلہ "سیّدواڑہ" سے ہو سکتا ہے جہاں کے میر حسنؔ تھے، اس لئے کہ میر امّن بھی سیّد تھے۔ میر امّن کا خاندان کئی پشتوں سے دلّی میں آباد تھا۔ ان کے بیان کے مطابق ان کے بزرگوں کو جاگیریں اور منصب ملے ہوئے تھے۔ اپنا احوال یوں بیان کرتے ہیں:

"پہلے اپنا احوال یہ عاصی، گنہ گار میر امّن دلّی والا بیان کرتا ہے کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں، پشت بہ پشت جاں فشانی بجا لاتے رہے۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کر مالا مال اور نہال کر دیا اور خانہ زاد موروثی اور منصب دار قدیمی زبان مبارک سے فرمایا،

چنانچہ یہ لقب پادشاہی دفتر میں داخل ہوا"

ہندوستان کی سیاست میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی اس طرح کی صدیاں رہی ہیں جن میں خواص و عوام سب کی زندگی پریشانی میں گزری ہے ممکن ہے میر امّن کے بیان کے مطابق ان کے اجداد کے پاس جاگیریں اور منصب رہے، لیکن اٹھارہویں صدی میں دلّی کی سلطنت کی کمزوری، بدحالی اور بربادی سے ان کا خاندان بھی بہت زیادہ متاثر ہوا۔ میر امّن نے لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے گھر بار تباہ ہوا اور سورج مل جاٹ نے جاگیریں ضبط کر لیں۔ وہ دوسرے افراد کی طرح دلّی سے ہجرت کرنے کیلئے مجبور ہوگئے۔ باغ و بہار کے دیباچے میں لکھتے ہیں

"جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے کہ عیاں راچہ بیان! تب سورج مل جاٹ نے جاگیر ضبط کر لیا اور احمد شاہ درّانی نے گھر بار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر، ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے ارو آنول نال وہیں گڑا ہے) جلاوطن ہوا اور ایسا جہاز (کہ جس کا ناخدا پادشاہ تھا) غارت ہوا، میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا، ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے۔ کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا، کچھ بنی، کچھ بگڑی"

قیاس کیا جاتا ہے کہ میر امّن ۱۷۶۱ء میں یعنی احمد شاہ درّانی کے حملے سے ہونے والی تباہی کے بعد اہل و عیال کے ساتھ عظیم آباد کے لئے روانہ ہوئے ہوں گے کیونکہ اسی زمانے میں اہل دہلی گوشۂ عافیت کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ بقول میر امّن:

"جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے، کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا۔ شہر بے سر ہوگیا۔ سچ ہے۔ پادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ ایک بارگی تباہی پڑی۔ رئیس وہاں کے، میں کہیں تم کہیں ہو کر،

جہاں جس کے سینگ سمائے وہاں نکل گئے۔''

یہی وہ زمانہ ہے جب دہلی سے ہزاروں لوگ نقل مکانی کر کے دوسرے شہروں میں آباد ہوئے۔ میر امّن نے عظیم آباد (پٹنہ) میں سکونت اختیار کی۔ ان کے ساتھ ان کے گھر کے دس افراد موجود تھے۔ میر امّن کافی عرصہ تک عظیم آباد میں رہے۔ ۹۹-۱۷۹۸ء میں روزگار کی تلاش میں تنہا کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے اور نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ دو سال تک وہاں ملازمت کی لیکن جب دل اُکتا گیا تو میر بہادر علی کے ذریعہ جان گل کرسٹ تک پہنچے اور فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کی، لکھتے ہیں:

''عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہو، اشرف البلاد کلکتے میں آب و دانے کے زور سے آپہنچا۔ چندے بے کاری گزری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر، اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا، تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکرسٹ صاحب، بہادر دام اقبالہ، کے رسائی ہوئی''

ڈاکٹر جان گل کرسٹ کا تعلق فورٹ ولیم کالج سے تھا اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں انگریزوں کو ہندوستانی زبانیں سکھانے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس کالج میں اہل زبان کو محض اس لئے ملازم رکھا گیا کہ وہ انگریزوں کے لئے ہندوستان کی مقبول کتابوں کو آسان ہندوستانی زبان میں اس انداز سے لکھیں کہ وہ انگریزوں کے لئے نہ صرف زبان سیکھنے کا ذریعہ بنیں بلکہ یہاں کی تہذیب و معاشرت سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور مکمل ہندوستان پر حکومت کا خواب پورا ہوتا نظر آیا۔ ٹیپو سلطان پر فتح کی یاد میں لارڈ ویلزلی کے ہاتھوں فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا۔ انگریزوں نے اپنے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور دائرہ حکومت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی کہ حکومت اور تجارت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہندوستان کی

مقامی زبانیں سیکھی جائیں تاکہ انگریز افسر یہاں کے لوگوں سے بہتر طور پر رابطہ قائم کر سکیں۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے لارڈ ویلزلی نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی مدد سے کلکتہ میں ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کو فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ گل کرسٹ ہندوستان میں بحیثیت اسسٹنٹ سرجن کے آئے تھے۔ ہندوستان کی زبانوں اور یہاں کے رسم و رواج سے انہیں خاص دلچسپی تھی۔ انہوں نے زبانوں سے متعلق کئی کتابیں بھی تالیف کیں۔ ہندوستانی زبانوں سے دلچسپی محض ان کے ذاتی شوق کی وجہ سے تھی۔ اس دلچسپی کا مظہر اورینٹل سیمینری مدرسہ بھی تھا جو جنوری ۱۷۹۹ء میں لارڈ ویلزلی کی ایما پر کھولا گیا جسے فورٹ ولیم کالج کا پیش رو بھی کہا جاتا ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد ہندوستانی زبانوں کے شعبہ کی ذمہ داری ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے سپرد کی گئی تھی گل کرسٹ نے اپنے تقرر کے بعد ہندوستان کے نامور ادیبوں اور مترجمین کو کالج میں ملازم رکھا تاکہ عربی، فارسی اور سنسکرت میں موجود قصے، کہانیوں اور دیگر علوم کی کتابوں کا سادہ اور سلیس اردو میں ترجمہ ہوسکے۔ انگریزوں کو ہندوستانی تہذیب و تمدن، تاریخ و جغرافیہ اور زبانوں سے واقف کرانے کا یہ سب سے بہتر طریقہ تھا۔ بقول پروفیسر خواجہ احمد فاروقی:

''گل کرسٹ نے زبان کی تعلیم کا سب سے بہتر طریقہ یہ سمجھا کہ عام بول چال کی زبان میں یہاں کی مشہور داستانیں، اخلاقی کہانیاں، تاریخیں اور دوسرے موضوعات سے متعلق کتابیں مرتب کرائی جائیں اور ان کے ذریعہ صاحبانِ نوآموز کو زبان سکھائی جائے اور مزید تحصیل کی ترغیب دی جائے۔ اُس نے اس کام کے لئے ایسے منشیوں کو منتخب کیا جن کی عبارت وانشا بھروسے کے قابل ہو اور جو روزمرّہ اردو میں اپنا مطالب ادا کرسکیں''۔

گل کرسٹ نے کالج میں ایسے اردو داں افراد کا تقرر کیا جنہیں زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی اور جو سادہ، سلیس اور بامحاورہ زبان لکھ سکتے تھے۔ گل کرسٹ کے زمانے

میں جو اردو ادیب کالج سے وابستہ رہے ان میں میرامّن کے علاوہ سید حیدر بخش حیدری، میر شیر علی افسوسؔ، میر بہادر علی حسینی، مرزا کاظم علی جوانؔ، نہال چند لاہوری، مولوی اکرام علی، مظہر علی خاں ولاؔ، حفیظ الدین احمد، للو لال جی، بنی نرائن جہاںؔ، مرزا علی لطفؔ، مولوی امانت اللہ، مولوی خلیل علی خاں اشکؔ، مرزا جان طپش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ کالج سے وابستہ ادیب منشی کہلاتے تھے۔ ان سبھی کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی انہوں نے بہت سادہ، سلیس، اور بامحاورہ زبان میں کتابیں لکھیں۔

میرامّن کا تقرر ۴ مئی ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم کالج میں چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر ہوا۔ اتفاق یہ ہے کہ میر بہادر علی حسینی کا تقرر بھی اسی دن ہوا جن کے واسطہ سے میرامّن گل کرسٹ تک پہنچے تھے۔ دونوں کے تقرر میں فرق یہ تھا کہ بہادر علی چیف منشی کے عہدے پر فائز ہوئے جس کی تنخواہ دو سو روپے ماہوار تھی اور میرامّن کا تقرر ماتحت منشی کے طور پر ہوا۔ فورٹ ولیم کالج سے میرامّن پانچ برس وابستہ رہے۔ ۴ جون ۱۸۰۶ء میں ایک طالب علم کو پڑھانے سے معذوری ظاہر کرنے پر چار مہینے کی پیشگی تنخواہ دے کر میرامّن کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا، میرامّن کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کتنے عرصے تک زندہ رہے، اس کے بارے میں کچھ معلومات فراہم نہیں ہوتیں، البتہ قیاساً یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ عرصہ تک بقید حیات نہیں رہے ہوں گے کیونکہ ملازمت سے سبکدوشی کا سبب ان کی ضیعفی اور جسمانی کمزوری بتایا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی عمر اس وقت ستر (۷۰) سال کے آس پاس رہی ہوگی۔ میرامّن کی وفات کب اور کہاں ہوئی؟ کہاں انہیں دفن کیا گیا؟ کچھ معلوم نہیں۔ جیسا کہ میرامّن نے باغ و بہار کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ان کے اوپر خاندان کے دس افراد کی ذمہ داری ہے لیکن وثوق سے ان کے اہل خاندان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے بیٹے کا ذکر کیا ہے۔ انہی تذکروں کی بنیاد پر بعض محققین نے لکھنؤ کے مشہور ریختی گو ''میر یار علی جان صاحب'' اور میر احسن کو ان کی اولاد کہا ہے۔ لیکن رشید حسن خاں کی تحقیق کے مطابق یہ محض مفروضات ہیں ان میں سچائی کچھ بھی نہیں بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ میرامّن ۱۸۰۶ء

میں کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہے کیونکہ انہوں نے ملازمت کے بعد تصنیف و تالیف کا کوئی کام نہیں کیا۔ یہ بھی محض مفروضہ ہے کیونکہ میرامّن نے کالج کی ملازمت سے پہلے بھی تصنیف و تالیف کا کوئی کام انجام نہیں دیا۔ ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' ان کی ملازمت کی تالیفات ہے جن کے لئے انہیں معاوضہ دیا گیا۔ اگر تصنیف و تالیف سے انکی ذاتی دلچسپی ہوتی تو ملازمت سے قبل بھی کچھ لکھتے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ میرامّن کا نام فورٹ ولیم کالج اور باغ و بہار کے حوالے سے ہی یاد کیا جاتا ہے اور کالج کی ملازمت انہوں نے عمر کے آخری حصہ میں کی۔ بہرحال کالج کی ملازمت سے قبل یا بعد انہوں نے کوئی تصنیفی کام کیا ہو یا نہیں ''باغ و بہار'' ہی ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے انہیں شہرت عام اور بقائے دوام عطا کی۔ میرامّن نے فورٹ ولیم کالج کی پانچ سالہ ملازمت کے دوران باغ و بہار اور گنج خوبی دو کتابیں لکھیں۔ ''باغ و بہار''، قصہ ''چار درویش'' اور ''گنج خوبی''، ''اخلاق محسنی'' کا اردو ترجمہ ہے۔

''باغ و بہار'' سے متعلق مختلف ناقدین رقمطراز ہیں:

''اس کی زبان نہایت شستہ اور بامحاورہ ہے۔ اردو فصیح اور مستند ہے۔ ان کی نثر کو میر تقی میر کے ہم پلہ مانا گیا ہے۔''

(محمد یحییٰ تنہا۔ سیر المصنفین)

''باغ و بہار میں وہ زبان نظر آتی ہے جسے اردوئے معلّیٰ کہتے ہیں۔''

(سید نصیر الدین خیال۔ مغل اور اردو)

''میرامّن کی عبارت میں ایک خاص آہنگ ہے۔ جسے موسیقیت یا وزن سے کوئی سروکار نہیں۔ جملوں کی ساخت ترتیب اور حرکت میں باریکی، تناسب اور جاذبیت ہے گویا یہ ہلکی ہلکی چھوٹی بڑی موجوں کی طرح رواں ہیں ان میں ایک قسم کا بہاؤ ہے۔''

(کلیم الدین احمد۔ اردو زبان اور فن داستان گوئی)

''باغ و بہار کی مقبولیت بنیادی طور پر اس کی فصیح زبان اور بے مثل

اسلوب بیان کی مرہون منت ہے۔ امّن کا صاحب طرز ہونا ہر سطر میں نمایاں ہے''۔ (گیان چند۔ اردو کی نثری داستانیں)

''زندہ نثر کا پہلا قدم میرامّن کا یہ تصنیفی کارنامہ تھا جس کو باغ و بہار کہتے ہیں۔۔ میرامّن نے ہمیں بولتی چالتی جیتی جاگتی نثر سے روشناس کرایا جس میں روزمرّہ کے علاوہ ماحول کی زندگی کا انعکاس بھی موجود ہے''۔(سید عبداللہ۔ میر امّن سے عبدالحق تک)

''باغ و بہار کو جدید اردو نثر کا پہلا صحیفہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا'' (رشید حسن خاں۔۔۔مقدمہ باغ و بہار)

''لفظ کو اس کے صحیح مفہوم میں۔ ٹھیک موقع پر استعمال کرنا اصل انشاء پردازی ہے اور اس میں میرامّن کو بڑا کمال حاصل ہے۔''
(مولوی عبدالحق۔ مقدمہ باغ و بہار)

''ہمارے تمام بڑے ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں نے باغ و بہار کے مطالعہ سے قصہ گوئی کا پہلا سبق سیکھا ہے۔ خواہ وہ نذیر احمد ہوں یا پریم چند، ان سب کے یہاں باغ و بہار کی سادگی، باغ و بہار کا اسلوب ستر پردوں میں چھپنے کے بعد بھی جھلک اٹھتا ہے۔۔۔ باغ و بہار ایک زندہ کتاب ہے۔'' (ابوالخیر کشفی ــــ مقدمہ باغ و بہار)

''میرامّن نے اردو نثر کو نیا آہنگ دیا۔ دلّی کے ٹھیٹھ محاورے میں اپنی جدّت طبع اور خوش مذاقی سے جو گل بوٹے کھلائے ان کی مہک برقرار ہے۔ اس لئے اپنے وقت کی نزاعی داستان آج کی کلاسیک ہے''

(سلیم اختر۔ باغ و بہار، تحقیق و تنقید کے آئینے میں)

میرامّن نے باغ و بہار کو ۱۸۰۱ء میں لکھنا شروع کیا اور ۱۸۰۲ء میں اسے مکمل کیا۔ ''باغ و بہار'' اس کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۱۷ ہجری نکلتا ہے۔ ''باغ و بہار'' پہلی

بار ۱۸۰۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں تیار ہونے والی کتابوں کا مقصد انگریز افسران کو ہندوستانی زبانیں سکھانا تھا تاکہ اہل ہند سے رابطہ میں آسانی ہوجائے اور براہ راست ان سے گفتگو ہوسکے۔ میرامّن کی ''باغ و بہار'' بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ میرامّن نے اس وقت کے مشہور اور مقبول قصہ چہار درویش کے ترجمہ کا کام میرامّن کو دیا۔ ''باغ و بہار'' میں وجہ تالیف یوں بیان کی گئی ہے:

''صاحبان ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو زبان سے واقف ہوکر، ہندوستانیوں سے گفت وشنید کریں اور ملکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں۔ اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال، بموجب فرمائش کے تالیف ہوئیں''

میرامّن آگے لکھتے ہیں:

''اب خداوند نعمت، صاحب مروّت، نجیبوں کے قدردانوں، جان گل کرسٹ صاحب نے کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے۔ جب تک تلک گنگا جمنا ہے۔ لطف سے فرمایا کہ اس قصّے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں۔ ترجمہ کرو، موافق حکم حضور کے میں نے اسی محاورے میں لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے''۔

یہ مسئلہ اکثر محققین کے درمیان زیر بحث رہا ہے کہ ''باغ و بہار'' کس کتاب کا ترجمہ ہے۔ میرامّن نے خود اس قصہ کی اصل کو حضرت امیر خسروؒ سے وابستہ کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں نہ کوئی روایت ہے اور نہ ثبوت، محض ایک خیال ہے، عام طور پر کسی قصّے یا واقعہ کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس کی اہمیت کو دوبالا کرنے کے لئے اسے کسی بڑی شخصیت سے جوڑ دیتے ہیں۔ جس سے سننے یا پڑھنے والے کے دل میں اور عقیدت بڑھ جاتی ہے۔
''باغ و بہار'' کے دیباچہ میں میرامّن لکھتے ہیں:

"یہ قصہ چار درویش کا ابتداء میں امیر خسرو دہلوی نے
اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش، جو اُن
کے پیر تھے، اور درگاہ ان کی دلّی میں قلعے سے تین کوس، لال
دروازے کے باہر، مٹیا دروازے سے آگے، لال بنگلے کے پاس ہے،
ان کی طبیعت ماندی ہوئی، تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے
امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمار داری میں ہمیشہ حاضر رہتے۔ اللہ
نے چند روز میں شفادی۔ تب انہوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا
دی جو کوئی اس قصے کو سنے گا، خدا کے فضل سے تن درست رہے گا،
جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا"

اس روایت کو اکثر محققین نے تسلیم نہیں کیا ہے البتہ "باغ و بہار" کے ماخذ کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ فارسی قصہ چار درویش کا ترجمہ ہے۔ لیکن گل کرسٹ اور بعض دوسرے محققین کے بیان سے صاف ظاہر ہے اس کی تالیف میں تحسین کی "نوطرز مرصع" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، گل کرسٹ نے "باغ و بہار" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے:

"عطا حسین خان نے ابتداً اصل فارسی سے اس کا ترجمہ
کیا مگر چونکہ اس کی زبان کثرت تراکیب، محاورہ فارسی وغیرہ مغلق
اور قابل اعتراض مانی گئی اس لئے اس نقص کو رفع کرنے کی غرض
سے کالج کے ملازمین میں سے میرامّن دہلوی نے مذکورہ بالا ترجمے
سے موجودہ متن تیار کیا ہے"

اس بات کی وضاحت "باغ و بہار" کے پہلے ایڈیشن کے سرورق پر بھی موجود ہے۔ لکھا ہے:

"ماخذ اس کا نوطرز مرصّع وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں
کا ہے فارسی قصہ چاردرویش سے"

لندن سے ۱۸۴۴ء اور ۱۸۶۱ء میں "باغ و بہار" کو ڈنکن فاربس نے شائع کیا

اس ایڈیشن کے سرورق پر بھی درج ہے:

"باغ و بہار" تالیف کیا ہوا میرامّن دلّی والے کا ماخذ
اس کا نوطرز مرصع کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے فارسی حصّہ
چاردرویش سے"

بہرحال "باغ و بہار" کے مطالعے اور قصے کے اجزاء کی ترتیب کو دیکھ کر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ میرامّن نے میر احمد خلف شاہ محمد کے فارسی قصہ چار درویش کو بھی سامنے رکھا ہے اور تحسین کی نوطرز مرصع سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے ماخذات پر گفتگو کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے:

"اصل یہ ہے کہ ترجمہ ان دو میں سے کوئی بھی نہیں،
فارسی قصے کو اپنی اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے لیکن جہاں کہیں نوطرز
مرصّع اور فارسی کتاب میں اختلاف ہے۔ باغ و بہار نے نوطرز مرصّع
کا اتباع کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ و بہار جیسا کہ عام
طور پر مشہور ہے فارسی قصے کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا ماخذ نوطرز مرصّع
ہے۔ بعض مقامات پر تو الفاظ اور جملے ہی لکھ دیئے ہیں جو نوطرز
مرصّع میں ہیں"

غرضکہ "باغ و بہار" کے ماخذات پر اردو محققین نے اچھی بحث کی ہے۔ ہمارا مقصد اس بحث میں الجھنا نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اٹھارہویں صدی میں عوام و خواص کے درمیان قصہ چار درویش اس قدر مقبول تھا کہ اسے سن کر محمد شاہ بادشاہ نے حکیم محمد علی الخاطب بہ معصوم علی خاں کو فارسی زبان میں قلمبند کرنے کا حکم دیا۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ محمد علی نے پہلے بہ زبان ہندی یعنی اردو بھی لکھا تھا اسی طرح محمد غوث زرّیں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں قصہ چار درویش قلمبند کیا ہے۔ اس قصہ کی مقبولیت ہی نے اسے انگریزوں تک پہنچایا اور ڈاکٹر گل کرسٹ نے میرامّن سے آسان زبان میں لکھوایا۔ انگریزوں کے ہندوستانی نصاب میں اسے شامل کیا

گیا۔ بقول ڈنکن فاربس:

''ہندستانی ادب میں اب تک ضبط تحریر میں لائے گئے
تمام ادبی کارناموں میں باغ و بہار کی برتری مسلم اور عالمگیر ہے
تقریباً نصف صدی سے کمپنی کے جونیئر ملازمین کے اس امتحان کے
لئے نصابی کتاب کی حیثیت سے اس کی فوقیت برقرار ہے''۔

''باغ و بہار'' کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کے اردو میں نہ صرف متعدد ایڈیشن شائع ہوئے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ ''باغ و بہار'' کا قصہ اگرچہ پرانا تھا لیکن میرامّن کے سلیس اور بامحاورہ انداز بیان نے اسے نیا رنگ و روپ دے کر تاریخ ادب اردو کا ایک اہم حصہ بنادیا۔

''باغ و بہار'' کی کہانی وہی ہے جو نوطرز مرصّع کی ہے یعنی ملک روم کا ایک بادشاہ ہے کہ نام اس کا آزاد بخت ہے۔ نوشیرواں کی سی عدالت ہے، حاتم کی سی سخاوت اس کے وقت میں رعایا خوشحال ہے۔ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات ہے۔ بہت بڑی سلطنت ہے۔ ہر طرح کا عیش و آرام ہے۔ بادشاہ کی عمر چالیس ہو چکی ہے لیکن اولاد سے محروم ہے جو اس کے نام اور سلطنت کو قائم رکھ سکے۔ مایوسی اور نااُمیدی کی حالت میں بادشاہ آزاد بخت سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجاتا ہے۔ سلطنت میں ابتری پھیل جاتی ہے۔ بغاوت سر اٹھاتی ہے یہ سب دیکھ کر اس کا عاقل وزیر بادشاہ کے پاس جاتا ہے، روتا پیٹتا ہے کہ سلطنت برباد ہورہی ہے۔ باغی سر اُٹھا رہے ہیں۔'' بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہردم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعاء مانگا کریں۔ اس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا، لیکن سلطنت کے کام کاج پر بھی نظریں رکھیں۔ رات عبادت میں گزاریں۔ وزیر کے مشورہ پر بادشاہ آزاد بخت عمل کرتا ہے ایک رات بھیس بدل کر قبرستان کی طرف سکون کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔ اندھیری رات ہے، تیز ہوائیں چل رہی ہیں کہ بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آتا ہے۔ سوچتا ہے کہ یہ کیا طلسم ہے جو آندھی میں چراغ جل رہا ہے۔ قریب جاکر دیکھتا ہے کہ چار فقیر کفنیاں پہنے، زانو پر سر دھرے، عالمِ

حال میں خاموش بیٹھے ہیں۔ بادشاہ خاموشی سے ایک جانب چھپ کر بیٹھ جاتا ہے تاکہ ان کا احوال جان سکے۔ پھر یہ چار درویش رات گزارنے کے لئے اپنی اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں۔ پہلا درویش یمن کے سوداگر ملک التجار کا بیٹا ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کی جمع کی ہوئی دولت سے عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے۔ دولت کی چاہت میں اس کے لُنڈے، پھانکڑے، مفت کھانے پینے والے، جھوٹے، خوشامدی آکر آشنا ہوئے۔ اور مصاحب بنے، ان سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب دمڑی کی ٹھنڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں، دو تین فاقے کڑاکے کے کھینچے۔ تاب بھوک کی نہ لا سکے۔ بالآخر یہ درویش اپنی بہن کے گھر جاتا ہے۔ بہن سماج میں بدنامی کے ڈر سے اُسے کچھ روپے دیکر ایک قافلے کے ساتھ تجارت کے لئے بھیجتی ہے۔ پھر کچھ ایسے حالات بنتے ہیں کہ دمشق کی ایک شہزادی کے عشق میں پھنس جاتا ہے۔ شہزادی پہلے سے ہی کسی بے وفا کے عشق میں مبتلا تھی۔ سوداگرزادے کے ہاتھ یہاں بھی ناکامی آتی ہے۔ ہر طرف سے ناکام ہوکر پہاڑ سے کود کر خودکشی کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ ایک نقاب پوش آتے ہیں اور اُسے اس ارادے سے باز رہنے کے لئے کہتے ہیں اور فرماتے ہیں۔'' کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کے فضل سے ناامید ہونا کفر ہے۔ جب تلک سانس ہے، تب تلک آس ہے۔'' وہ نقاب پوش جو حضرت علیؑ تھے، سوداگرزادے کو مشورہ دیتے ہیں کہ ملک روم جا، جہاں تیرے جیسے تین اور درویش ملیں گے، ان کے ملنے کے بعد ہی تیری مراد پوری ہوگی، اس کے بعد دوسرا درویش اپنا قصہ سناتا ہے۔

دوسرا درویش فارس کا شاہزادہ ہے۔ بڑے ناز ونعم سے اس کی پرورش ہوئی، کئی اتالیق اس کی تربیت کیلئے مقرر ہوئے۔ ایک دن ایک مصاحب دانا نے اسے حاتم کا قصہ سنایا کہ حاتم نام کا بادشاہ اپنی سخاوت کے لئے مشہور تھا ایک بار ایک عرب بادشاہ نوفل حاتم کی شہرت کے سبب اس کا دشمن ہوگیا اور اس نے اس پر حملہ کیا۔ حاتم نے سوچا بلاوجہ خلق خدا کا خون ہوگا، جنگل کی طرف نکل گیا۔ نوفل نے حاتم کی گرفتاری پر پانچ سو اشرفیوں کا انعام رکھا۔ ایک دن ایک بوڑھا لکڑہارا اور اس کی بیوی جنگل میں باتیں کررہے تھے کہ اگر

حاتم ہمیں مل جاتا تو ہمیں پانچ سو اشرفیاں ملتیں اور ہمارے اچھے دن آجاتے۔ حاتم یہ بات سُن کر باہر آیا اور بوڑھے سے کہا کہ میں حاتم ہوں مجھے نوفل کے پاس لے چلو، تمہیں انعام کی رقم مل جائے گی۔ بوڑھا اس بات پر راضی نہ ہوا کہ یہ خلاف انسانیت ہے لیکن حاتم خود نوفل کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس بوڑھے اور بڑھیا نے مجھے پکڑا ہے، انہیں انعام کی رقم دو۔ نوفل اس بات سے بہت متاثر ہوا اور حاتم کی حکومت واپس کردی۔ حاتم کی کہانی سن کر شہزادہ کے اندر بھی سخی بننے کا جذبہ اُبھرا۔ اس نے چالیس دروازوں کا ایک محل بنوایا اور ہر دروازے پر آنے والے کی مدد کی۔ ایک فقیر نے پہلے دروازے پر ایک اشرفی مانگی، پھر دوسرے اور تیسرے دروازے سے، غرض اس نے چالیسوں دروازوں سے چالیس اشرفیاں حاصل کیں۔ فقیر نے پھر پہلے دروازے سے مانگنا شروع کیا۔ شاہزادے نے کہا نہایت لالچی ہو، اس بات پر فقیر سب اشرفیاں پھینک کر چلا گیا اور کہا تم کیا سخاوت کروگے۔ سخاوت تو بصرہ کی شاہزادی پر ختم ہوتی ہے۔ اس بات کو سن کر شاہزادہ شاہزادی سے ملنے کی خواہش لیکر بصرہ پہنچتا ہے۔ شہر میں اس کی بہت خاطر مدارات ہوتی ہے۔ وہ شاہزادی سے ملنے کے لئے ایک رقعہ بھیجتا ہے اور شادی کی پیشکش رکھتا ہے۔ شاہزادی مہر میں ایک شرط رکھتی ہے کہ وہ شہر نیم روز میں اس بیل سوار شاہزادے کی خبر لائے جو ہر چاند کی پہلی تاریخ کو ایک غلام کو قتل کرتا ہے۔ شاہزادہ یعنی دوسرا درویش پہلے تو شاہزادہ کی بے شمار دولت کا راز معلوم کرتا ہے پھر شاہزادے نیم روز کا راز جاننے کے لئے نکلتا ہے، شاہزادہ کی نیم روز سے ملاقات ہوتی ہے۔ اس کی دکھ بھری داستان سنتا ہے، پھر اس کی مدد کیلئے پانچ برس تک ویرانے میں بھٹکتا رہتا ہے، بالآخر ناامید ہوکر پہاڑ سے کود کر خودکشی کا ارادہ کرتا ہے۔ وہی نقاب پوش آکر اسے خودکشی سے روکتے ہیں اور آزاد بخت اور تینوں درویشوں کے پاس جانے کی صلاح دیتے ہیں۔ دوسرے درویش کا یہ قصہ جب پورا ہوتا ہے تو صبح ہوجاتی ہے۔ بادشاہ آزاد بخت واپس محل چلا جاتا ہے اور چاروں درویشوں کو محل میں بلاتا ہے۔ پہلے اپنا احوال بیان کرتا ہے، پھر باقی دو درویشوں کا قصہ سنتا ہے۔

بادشاہ آزاد بخت اپنا قصہ اس طرح سناتا ہے کہ جب میں باپ کے انتقال کے

بعد بادشاہ بنا تو ایک سوداگر نے جو بدخشاں کا رہنے والا تھا پانچ مثقال کا ایک قیمتی لعل نذر کیا میں اتنا خوش ہوا کہ روزانہ اہل دربار کو فخریہ انداز میں دکھاتا تھا ایک دن ایک وزیر نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کی شان کے خلاف ہے کہ ایک پتھر پر اتنا فخر کرتے ہیں۔ نیشاپور کے ایک سوداگر نے سات مثقال کے وزن کے بارہ لعل اپنے کتے کے گلے میں ڈال رکھے ہیں۔ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے وزیر کو قتل کا حکم دے دیا۔ لیکن فرنگ کے سفیر کی سفارش پر اسے قید کردیا۔ ثبوت فراہم کرنے کیلئے ایک سال کی مہلت دی۔

اُس وزیر کی بیٹی بھیس بدل کر تحقیق کے لئے نیشاپور گئی اور اس سوداگر کو جو خواجہ سگ پرست کے نام سے مشہور تھا اپنے ساتھ لے آئی۔ میرے حکم سے خواجہ سگ پرست نے اپنی داستان بیان کی کہ وہ فارس کے ایک سوداگر کا بیٹا ہے۔ جن آدمیوں کو اس نے پنجروں میں قید کیا ہے وہ اس کے بھائی ہیں جب اس کی عمر چودہ برس کی تھی اس وقت اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ بھائیوں نے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرکے اُسے گھر سے نکال دیا۔ اس نے ایک حویلی اور ایک بزازی کی دکان کھولی۔ گھر چھوڑتے وقت یہ کتا میرے ساتھ چلا آیا، ایک دن اُسے معلوم ہوا کہ اس کے بھائیوں نے سب مال واسباب لٹا دیا اور انہیں قرض واپس نہ کرنے کی وجہ سے ایک یہودی مارتا ہے، وہ گیا اور قرض کی رقم ادا کرکے بھائیوں کو آزاد کرایا اور پھر بیس ہزار کا تجارت کا سامان دے کر بخارہ بھیجا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں بھائیوں نے جوئے اور عیاشی میں سب گنوادیا، وہ پھر ان دونوں کو گھر لے آیا اور انہیں ساتھ لے کر تجارت کے لئے کشتی میں سوار ہوا۔ کتا بھی ساتھ گیا۔ دوران سفر اُن دغاباز بھائیوں نے اسے دریا میں پھینک دیا، کتا بھی دریا میں کود گیا۔ وہ اُس کے سہارے آٹھ دن میں دریا کے کنارے پہنچا۔ جب شہر پہنچا تو بھائیوں سے پھر ملاقات ہوگئی اس بار ان بھائیوں نے اسے قتل کے جھوٹے معاملے میں پھنسوا کر پھانسی کی سزا دلوائی۔ لیکن اس ملک کے بیمار بادشاہ نے خیرات کی اور قیدیوں کو آزاد کیا تو وہ چھوٹ گیا۔ بھائیوں نے پھر اسے کنوئیں میں قید کرادیا۔ وہ پھر وہاں سے آزاد ہوا کتا ہر بُرے وقت میں اس کا مددگار رہا۔ جب وہ شادی کرکے ایک جگہ رہنے لگا تو پھر بھائیوں کے ظلم کا

شکار ہوا۔ وہ بار بار بچتا رہا اور بھائی ہر بار اُسے نقصان پہنچاتے رہے۔ بالآخر اس نے دو پنجرے بنوائے اور بھائیوں کو قید کیا۔ کتے کا بچا ہوا کھانا بھائیوں کو کھلاتا۔ خواجہ سگ پرست نے کتے کے گلے میں پڑے ہوئے لعلوں کا بھی قصہ سنایا۔خواجہ سگ پرست کی کہانی ختم ہونے کے بعد وزیرزادی نے بتایا کہ یہ سب کچھ اس نے اپنے والد کی رہائی کے لئے کیا۔ وزیر زادی اور خواجہ سگ پرست کی شادی ہوگئی۔ بادشاہ آزاد بخت کی کہانی کے بعدتیسرے درویش نے اپنا قصہ سنایا۔

تیسرا درویش بادشاہ عجم کا اکلوتا شاہزادہ تھا ایک روز شکار کے واسطے جنگل کی طرف گیا اور ایک ہرن کا پیچھا کیا۔ تیر مارا، ہرن کے پانو میں لگا، وہ زخمی ہرن ایک باغ میں پہنچا وہاں ایک بزرگ ہرن کا تیر نکالنے لگے اور مارنے والے کو کوسنے لگے۔شاہزادے نے معافی چاہی ۔شاہزادہ کھاپی کر وہیں پر سورہا، نیند میں رونے کی آواز سن کر جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ بس ویرانہ ہے اور وہ تنہا پلنگ پر لیٹا ہے۔ اسے ایک پردہ نظر آیا جہاں سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ اٹھا کر دیکھا کہ وہ بوڑھا ایک پری زاد عورت کے پانو پر سر رکھ کر رو رہا ہے بہت ضد کرنے پر اس بوڑھے نے اپنا قصہ سنایا، وہ نعمان سیاح نام کا ایک بڑا سوداگر تھا، دنیا کی سیر کرتے کرتے جزیرۂ فرنگ میں پہنچا۔ وہاں کی شاہزادی مہر نگار نے مجھے طلب کیا۔ میں اسے دیکھ کر اس کا عاشق ہوا ۔ شاہزادی نے ایک رقعہ اور ایک انگوٹھی دے کر دلکش نامی باغ کی طرف وہاں کے داروغہ کیخسرو کے پاس جواب لانے کے لئے بھیجا، میں وہاں پہنچا، باغ کیا تھا بہشت کا منظر تھا۔ باغ میں ایک پنجرے میں ایک جوان قید تھا میں نے وہ رقعہ جوان کو دیا جوان شاہزادی کا احوال پوچھنے لگا۔ اتنے میں بہت سے سپاہیوں نے آکر مجھ پر حملہ کیا اور مجھے بہت مارا، میں نے مارنے کی وجہ معلوم کی تو سپاہیوں نے مجھے بتایا کہ یہ جوان بادشاہ کا بھتیجا ہے، اس کا باپ بادشاہ تھا، مرتے وقت وہ اپنے بیٹے کا ہاتھ بھائی کے ہاتھ میں دے گیا، بھائی شاہزادے کو قید کرکے خود بادشاہ بن گیا ، شاہزادی اور شاہزادہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے موجودہ بادشاہ کو یہ منظور نہیں تھا۔ وہ شاہزادے کو مارنا چاہتا تھا، ایک وزیر نے شاہزادی کو شاہزادے

نے مارنے کے لئے آمادہ کیا۔ شاہزادی بظاہر اسے قتل کرنے آئی لیکن قریب آکر اس کے گلے سے لگ گئی بادشاہ نے جوان شاہزادے کو پھر پنجرے میں بند کردیا۔ شاہزادی مہر نگار نے میرا علاج کرایا اور کچھ روپیہ دے کر رخصت کیا۔ مجھے اس ملکہ سے محبت ہوگئی، کچھ عرصہ ادھر اُدھر بھٹکا آخر میں پھر اس کے شہر میں پہنچ گیا، دیدار کے لئے ترستا رہا۔ ایک دن ایک رستم ایسا پہلوان ایک تابوت کے ساتھ ملا۔ معلوم ہوا کہ شاہزادہ کو کسی وزیر نے دھوکے سے مار دیا اور یہ پہلوان جو شاہزادے کا دودھ شریک بھائی تھا اس تابوت کو لئے پھرتا ہے اور اس کا ماتم کرتا ہے اس جوان کو میں نے اپنا حال بتایا اس نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے شاہزادی سے ملوایا۔ شاہزادی نے میرا احوال سن کر ایک رات مجھ سے کہا کہ یہاں میرا دل گھبراتا ہے مجھے یہاں سے لے چل۔ میں بہت خوش ہوا، اسے لے کر شہر سے باہر نکل گیا۔ لیکن راستہ بھٹک گیا۔ شاہزادی چلتے چلتے تھک گئی۔ ناچار ایک مقفل حویلی دیکھ کر میں نے اس کا تالا توڑا۔ رات کو وہاں آرام کیا۔ صبح کو شہر میں شور مچا کہ شاہزادی غائب ہوگئی۔ ہر طرف اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے گئے۔ عورتیں گھروں میں گھس گھس کر ڈھونڈنے لگیں۔ اتفاق سے ایک دن دروازہ کھلا دیکھ کر ایک بوڑھی عورت حویلی میں گھس آئی۔ شاہزادی کو اپنی دُکھ بھری کہانی سنائی۔ شہزادی نے رحم کھا کر کچھ کھانا اور اپنی انگوٹھی دی، بڑھیا پہچان گئی کہ یہ شہزادی ہے لیکن جب بڑھیا حویلی سے باہر نکلی تو اسی وقت اس حویلی کا اصل مالک ایک گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ گیا۔ بڑھیا کو حویلی سے نکلتا دیکھ اسے غصہ آگیا اور اس نے بڑھیا کو رسّی سے باندھ کر ایک درخت پر لٹکا دیا۔ جہاں وہ مرگئی، حویلی کے مالک بہزاد خاں کو دیکھ کر مجھے بھی ڈر لگا لیکن جب اُسے اپنا حال بتایا تو اس نے تسلّی دی اور ہمارے رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا، وہاں چھ مہینے گزر گئے۔ مجھے اپنے ملک اور ماں باپ کی یاد آئی میں نے بہزاد خان سے اجازت مانگی، بہزاد نے کہا کہ میں بحفاظت تمہیں تمہارے وطن پہنچاؤں گا، بہزاد خاں بہادر جوان تھا بادشاہ کی فوج کو شکست دے کر ہمیں شہر سے باہر نکالا۔ تھوڑے عرصہ بعد میں اپنے ملک کی سرحد پر پہنچا۔ اپنے والد یعنی بادشاہ کو آنے کی اطلاع دی وہ خوش ہوکر میرے استقبال کے لیے دریا کے کنارے آگئے۔ میں نے

قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے ہی کو دریا میں ڈال دیا اور والد سے جاملا۔ میرے گھوڑے کو دریا میں جاتا دیکھ کر شاہزادی کا گھوڑا بھی دریا میں کود گیا۔ شاہزادی گھبرائی اور گھبراہٹ میں پانی میں کود گئی اور ڈوبنے لگی۔ بہزاد خاں اس کی مدد کے لئے گیا لیکن بھنور میں پھنس کر ڈوب گیا۔ میرے والد نے غوطہ خوروں کو دریا میں بھیج کر شاہزادی اور بہزاد کو تلاش کروایا لیکن کچھ نہ ملا، ایک رات میں بھی ناامیدی اور مایوسی کی حالت میں دریا میں جان دینے کے لئے پانی میں اُترا کہ ایک نقاب پوش نے آکر روک لیا اور کہا کہ شاہزادی اور بہزاد خاں زندہ ہیں تو روم کی طرف جا، وہاں اور درویش بھی ملیں گے تو بھی اپنی مراد کو پہنچے گا۔

تیسرے درویش کا قصہ جب ختم ہوا تو چوتھے درویش نے اپنا قصہ سنانا شروع کیا کہ میں چین کے بادشاہ کا بیٹا ہوں میرے باپ نے مرتے وقت اپنے بھائی کو وصیت کی کہ تم شاہزادے کے جوان ہونے پر اپنی بیٹی سے اس کی شادی کرنا اور تخت سلطنت اس کے حوالے کرنا۔ میری پرورش مبارک نامی ایک غلام نے کی جب میں چودہ برس کا ہوا تو مبارک مجھے چچا کے پاس لے گیا کہ اب اس کی شادی کردیجئے۔ چچا نے نجومیوں کو بلایا لیکن نجومیوں نے کہا کہ ایک سال تک کوئی مبارک ساعت شادی کے لئے نہیں ہے میرے چچا کی نیت بدلی اور انہوں نے مجھے ختم کروانے کا ارادہ کیا۔ مبارک مجھے بچانے کے لئے میرے والد کے ایک خفیہ تہہ خانے میں لے گیا جہاں بے شمار جواہرات کے علاوہ اُنتالیس زمرّد کے بندر تھے۔ مبارک نے بتایا کہ یہ بندر جنوں کے بادشاہ ملک صادق نے جہاں پناہ کو دیئے تھے۔ دونوں میں بہت دوستی تھی ہر بندر کے تابع ہزار دیو ہیں لیکن جب تک یہ چالیس پورے نہیں ہوتے، بیکار ہیں اس لئے ہم ملک صادق سے چالیسواں بندر حاصل کرنے چلتے ہیں۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے مبارک نے میرے چچا سے بہانا کیا کہ اگر آپ نے اسے یونہی قتل کیا تو بدنامی ہوگی بہتر ہوگا کہ میں اسے دور جنگل میں لے جا کر قتل کروں اور وہیں کہیں زمین میں دفن کردوں۔ میرے چچا کو یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے مجھے مبارک کے ساتھ کردیا۔ ہم لوگ جنوں کے بادشاہ ملک صادق کے پاس مدد کے لئے پہنچے۔ ملک صادق نے ایک لڑکی کی تصویر مجھے دی اور کہا اگر تم اس لڑکی کو تلاش

کرکے لے آؤ تو تمہیں چالیسواں بندر بھی دے دوں گا۔ مبارک اور میں اس لڑکی کی تلاش میں نکل پڑے، سات برس تک اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے پھر ایک شہر میں پہنچے جہاں سب عبادت میں مصروف تھے۔ ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگ رہا تھا لیکن اُسے کسی نے کچھ نہ دیا۔ میں نے ایک اشرفی جیب سے نکال کر اُسے دی اس نے دعائیں دیں، پھر ہم اس کے پیچھے ہولئے۔ وہ ایک کھنڈر محل میں داخل ہوا۔ وہاں فقیر کی بیٹی بھی تھی۔ فقیر نے بیٹی کو کھانا اور کپڑے دیئے۔ میں نے دیکھا کہ ملک صادق نے جو تصویر دی تھی وہ اس کی بیٹی کی ہے۔ پھر میرے کہنے پر فقیر نے اپنا حال سنایا کہ وہ بھی اس شہر کا رئیس تھا۔ اس کی بیٹی کی شادی ایک شہزادے سے ہوئی تھی لیکن شادی کی رات [illegible] جنوں کے ایک بادشاہ نے کردیا۔ وہ اس پر عاشق ہوگیا تھا۔ مقتول شاہزادے [illegible] نے فقیر اور اس کی بیٹی کو مروانے کے لئے فوج بھیجی لیکن ایک غیبی آواز نے ان سپاہیوں کو ڈرا دیا کہ اگر تم نے ان باپ اور بیٹی کو نقصان پہنچایا تو تمہیں تباہ کردیں گے۔ بادشاہ ڈر گیا۔ بادشاہ کے حکم سے ان کی جان تو بچ گئی لیکن حویلی ہی میں بند پڑے رہے۔ کسی نے ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ میں نے بوڑھے سے لڑکی کا ہاتھ مانگا۔ وہ راضی نہ ہوا۔ کچھ عرصہ ہم وہیں رہے، فقیر کی موت کے بعد ہم اس لڑکی کو ملک صادق کے پاس لے جانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے۔ مجھے لڑکی سے عشق ہوگیا تھا۔ مبارک کے کہنے پر باز رہا۔ لیکن اس نازنین سے اظہار کردیا وہ بھی میری طرف مائل ہوگئی تھی۔ مبارک نے جب ہم دونوں کا یہ حال دیکھا تو اس نے ایک ایسی تدبیر کی کہ ملک صادق نازنین سے بددل ہوجائے۔ اس نے لڑکی کے بدن پر ایک ایسا روغن ملا کہ جس کی بدبو سے دماغ پراگندہ ہوا، ملک صادق ہمارے آنے سے خوش ہوا، بہت خاطر مدارات کی لیکن روغن کی بدبو سے بے حال ہوا اور ہماری سازش کو بھانپ کر غصہ ہوا تو میں نے طیش میں آکر مبارک کی کمر سے خنجر نکال کر اس کی توند پر مارا۔ پہلے تو وہ چکرایا لیکن اس نے اس زور سے میرے لات ماری کہ میں بے ہوش ہوگیا جب آنکھ کھلی تو خود کو جنگل ویران میں پایا۔ آخر بھٹکتا ہوا ایک روز پہاڑ پر جا پہنچا خود کو گرانے کا ارادہ کیا کہ برقعہ پوش آپہنچا اور کہا کہ روم چلا جا۔ وہاں تیرے جیسے تین شخص اور

وہاں کے سلطان سے ملاقات ہوگی۔ پانچوں کا مطلب ایک جگہ پورا ہوگا۔

جب چوتھے درویش کا قصہ پورا ہوا کہ تو آزاد بخت کے محل سے فرزند کی ولادت کی خوشخبری ملی۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تمہارے قدموں کی برکت ہے۔ آزاد بخت نے جشن کی تیاریاں کیں۔ خزانے کا منہ کھول دیا۔ لیکن ایک سانحہ ہوا کہ کمسن شاہزادے کو اَبر کا ٹکڑا اٹھا کر لے گیا۔ دو دن بعد واپس پہنچادیا یہ سلسلہ سات برس تک چلتا رہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ پرستان ملک شہبال کو شاہزادہ اتنا پیارا لگا کہ وہ اسے دیکھنے کے لئے منگا لیتا تھا بالآخر آزاد بخت اور ملک شہبال کی ملاقات ہوئی۔ ملک شہبال کی مدد سے چاروں درویشوں کی مرادیں پوری ہوئیں۔ جہاں جو چاہتا تھا اس کی شادی ہوئی۔ اس طرح آخر میں چاروں درویش اور بادشاہ آزاد بخت اپنی اپنی مرادوں کو پہنچے۔ اور قصہ ختم ہوا۔ ''باغ و بہار'' کا اختتام اس طرح کیا ہے جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے اسی طرح ہر ایک نامراد کو مقصد دلی اپنے کرم وفضل سے بَرلا۔ بہ طفیل پنجتن پاک، دوازدہ امام، چہاردہ معصوم علیہم الصلوۃ و السلام کے آمین یا الٰہ العلمین۔

یہ ہے ایک مختصر خاکہ ''باغ و بہار'' کے پلاٹ کا۔ اس میں چاروں درویشوں کے علاوہ بادشاہ آزاد بخت کا قصہ ہے اور اس قصہ میں خواجہ سگ پرست کی کہانی ہے۔ داستان ایک خاص انداز سے بیان کی جاتی ہے۔ کسی بھی داستان کی کامیابی کا انحصار اس کے انداز بیان اور فضا سازی پر ہوتا ہے۔ داستان کیونکہ مختلف قصوں کی شمولیت سے بنتی ہے اس لئے طوالت یا اختصار کوئی معنی نہیں رکھتا، داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال کی طوالت کی وجہ متعدد واقعات اور قصوں کی شمولیت ہے۔ باغ و بہار یا فسانہ عجائب کم واقعات کے اختصار کی وجہ سے مختصر ہیں لیکن فنی اعتبار سے مکمل اور جامع ہیں اور تمام واقعات ایک کہانی کا حصہ معلوم ہوتے ہیں قصہ گو نے چار درویش کو ایک داستان میں باندھنے کے لئے بادشاہ آزاد بخت کو مرکزی کردار بنا کر ان کے ہر قصہ کو داستان کا حصہ بنادیا ہے۔ بظاہر ہر قصہ اپنی علاحدہ کہانی رکھتا ہے اور چاروں میں ایک دوسرے سے کسی کا کوئی واقعہ یا کردار میل نہیں کھاتا لیکن آغاز، درمیان و اختتام پر آزاد بخت کا قصہ شامل کر کے ہر قصہ کو ایک

دوسرے سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ہر داستان اسی طرح شروع اور اسی طرح انجام پاتی ہے۔ داستان کے پلاٹ کی بنت کا انداز یہی ہے، ہر قصہ ایک دوسرے میں پیوستہ معلوم ہوتا ہے۔ داستانوں میں حیرت و استعجاب کی فضا تیار کرنے کے لئے فوق الفطرت عناصر کو شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن باغ و بہار میں فوق الفطرت عناصر بہت کم ہیں۔ یہاں غیر ضروری طور پر فوق الفطرت عناصر کو شامل کر کے نہ تو داستان کو طول دیا گیا ہے اور نہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے یوں بھی باغ و بہار کے پلاٹ میں میرامّن کا کوئی خاص دخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قصہ ان کا طبع زاد نہیں۔ انہوں نے تو فارسی کے قصہ چار درویش یا تحسین کی نوطرز مرصع سے استفادہ کیا ہے۔ میرامّن کے جوہر تو ان کے اسلوب میں پوشیدہ ہیں۔

میرامّن سے اردو نثر کا ایک نیا اسلوب شروع ہوتا ہے۔ ان سے قبل ''نوطرز مرصع'' کو نثری بیان کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ ''باغ وبہار'' کی اشاعت کے بعد اردو نثر عوام سے قریب آئی یا عوامی لگنے لگی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ''باغ و بہار'' کی نثر کو زندہ نثر کہتے ہیں اور اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں:

> ''باغ و بہار کی نثر کو زندہ کہنے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے آئینے میں ہمیں مصنف کی ذات اور اس کے زمانے کا عکس اتنا صاف صاف دکھائی دیتا ہے اور اس دور کی زندگی اس طرح واضح طور پر دکھائی دیتا ہے اور اس کے دور کی زندگی اس طرح واضح طور پر نقش پذیر ہوگئی ہے کہ داستان ہونے کے باوجود اس میں دلّی کے در و دیوار اور اس کے اشخاص و افراد کی چلتی پھرتی بلکہ بولتی چالتی تصویریں نظر آنے لگتی ہیں۔ ''باغ و بہار'' کو اس لئے بھی زندہ نثر کی کتاب کہا گیا ہے کہ اس میں باتیں کرنے یا کہنے کا انداز بالکل فطری اوز قدرتی ہے۔ اس کی زبان اس زمانے کی عام لوگوں کی زبان ہے اور اس لحاظ سے اجتماعی زندگی کی سچی ترجمان ہے''۔

خود میرامّن ''باغ و بہار'' کی زبان کو ٹھیٹھ ہندستانی گفتگو کی۔ ہندو، مسلمان، مرد،

عورت اور آپس میں بولی جانے والی زبان بتاتے ہیں۔ داستان کے فن کا ایک عنصر یہ بھی ہے کہ داستان لکھنے کا نہیں، سنانے کا فن ہے۔ اس لئے داستان گو کو قوت بیان پر اس قدر مہارت ہونی چاہئے کہ وہ سامعین کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرا سکے۔ سامعین کی توجہ اور ہمہ تن گوشی ہی میں داستان کی کامیابی مضمر ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب داستان گو اس لہجہ اور زبان میں داستان سنائے جو سامعین کا ہے۔ میرامّن کو یہ فن اور یہ راز معلوم تھا کہ اسی لئے ان کی زبان و بیان کی وجہ سے قصہ چاردرویش کو قبول عام اور شہرت دوام حاصل ہوگئی۔ بصورت دیگر یہ قصہ بھی اور داستانوں کی طرح محض ادب کی تاریخ بن کر رہ جاتا۔ ''نوطرز مرصع'' کی زبان اس طرح کی زبان ہے جسے قاری بہت دیر تک نہیں پڑھ سکتا اس کے برعکس ''باغ و بہار'' کی زبان عام بول چال کی زبان ہے جو قاری کے ذہن میں اُتر جاتی ہے اور پڑھنے والا اس قصے کو اپنے اطراف کا قصہ سمجھنے لگتا ہے۔ غالب کے خطوط اور سرسید کی نثر بلاشبہ ''باغ و بہار'' کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ''باغ و بہار'' پڑھتے وقت ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی قصہ سنا رہا ہے اس کے لہجہ میں بات چیت کا اندازہ ہے مثلاً:

> ''اب آغاز قصہ کا کرتا ہوں ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو، سیر میں چاردرویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اس کی ذات میں تھی، نام اس کا آزاد بخت۔''
>
> مجھے جو کم بختی لگی، دروازہ بند نہ کیا۔ ایک بڑھیا شیطان کی خالا، اس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے۔ برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پاکر بدھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی، تیری نتھ، جوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں''

بول چال اور تحریر کی زبان الگ الگ ہوتی ہے، بول چال میں عام فہم اور چھوٹے چھوٹے فی البدیہہ جملے استعمال کئے جاتے ہیں اور تحریر میں الفاظ کی نشست و

خاست کو ذہن میں ترتیب دیکر قلمبند کیا جاتا ہے۔ ''باغ و بہار'' کی زبان تحریر کی زبان معلوم ہی نہیں ہوتی۔ اس میں منہ سے نکلے ہوئے بے ترتیب الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں قصہ بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے میرامّن مجمع کے روبرو قصہ سنا رہے ہیں اور کوئی کاتب اُسے لکھتا جارہا ہے۔ میرامّن کی نثر کی یہی خوبی اسے زندہ جاوید کردیتی ہے---ڈاکٹر گیان چند نے ان کی نثر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''انہوں نے اپنی کتاب آسان اور بامحاورہ زبان میں اس وقت لکھی جب کے فارسی اور عربی الفاظ کی شدت، قافیہ پیمائی، رنگین بیانی کو ہی قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ سلیس نگار کو کم علم جان کر کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا، میرامّن نے روزمرّہ اور محاورے کی نظر فریب کیاریوں کے سامنے عربیت کی سنگلاخ زمین کو بیچ جانا۔--باغ و بہار کے باغ پر ہمیشہ بہار رہی اور رہے گی۔''

یہ سچ ہے کہ میرامّن نے اردو کو ایک نیا اسلوب نثر دیا۔ انہوں نے تقریر کی زبان کو تحریر کی شکل عطا کی۔ ان کے پاس عوام و خواص میں بولی جانے والی زبان کے الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ انہوں نے بہت سے ایسے الفاظ ''باغ و بہار'' میں استعمال کئے ہیں جو دلی اور اس کے آس پاس بولے جاتے رہے ہوں گے۔ لیکن کسی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ آج بھی بہت سے لوگ بول چال میں بعض ایسے لفظ استعمال کرتے ہیں جن کی کوئی کتابی سند نہیں ملتی، میرامّن کی پوری کوشش رہی ہے کہ عوام کے بیچ مستعمل زبان اور محاورے ہی ''باغ و بہار'' کے بیان میں شامل کئے جائیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے بھی ان محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔ میرامّن کا یہی انداز بیان ان کی ...میت بن گیا۔ یہ اسلوب ان کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ ہر تذکرہ نگار اور ناقد نے ''باغ و بہار'' کا ذکر کرتے وقت کے اس کے طرز بیان کی سادگی، دلکشی، فصاحت، اور بلاغت پر ہی پر گفتگو کی۔ میرامن کے اسلوب میں زمینی رنگ نظر آتا ہے۔ ان کے محاوروں میں فارسی نہیں اور اردو کا مقامی انداز دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً:

"اے بیرن تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی
مٹی کی نشانی ہے تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا جب تجھے دیکھتی
ہوں باغ باغ ہوتی ہوں تو نے مجھے نہال کیا۔لیکن مردوں کو خدا نے
کمانے کے لئے بنایا ہے۔گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں۔جو مرد
نکھٹو گھر سیتا ہے اس کو دنیا کے لوگ طعنہ دیتے ہیں۔خصوصی اس شہر
کے آدمی، چھوٹے بڑے، سب تمہارے رہنے پر یہ کہیں گے۔اپنے
باپ کی دولتِ دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا۔ یہ نہایت بے
غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سب لاج لگنے
کا ہے،نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے
میں ڈال رکھوں۔"

انتہائی درجہ کی سادگی اور عوامیت کبھی کبھی عامیانہ پن بن جاتی ہے اور اُس فن پارے کی ادبیت پر اثر انداز ہوتی ہے لیکن میرامّن سادگی، سلاست اور روزمرہ کے استعمال کے ساتھ ساتھ "باغ و بہار" کی ادبیت کو بھی قائم رکھتے ہیں۔وہ فارسی الفاظ، تراکیب، تشبیہات، اور استعارات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ان کے یہاں مرصّع، مسجّع، اور مقفّٰی نثر کی بھی مثالیں ہیں لیکن اس انداز سے کہ وہ ان کے مخصوص اسلوب کو زیر بار نہ کرے۔ ان کا اسلوب کہیں بھی 'نو طرز مرصّع' یا فسانۂ عجائب کے اسلوب سے میل کھاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ یہی میرامّن کی انفرادیت ہے وہ اپنی انفرادیت کو ابتدا تا آخر برقرار رکھتے ہیں۔
میرامّن کے جملوں میں قوافی کی جھنکار لاشعوری طور پر شامل ہوگئی ہے۔مثلاً

"ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو"

"وزیر حضور میں آیا۔ آداب بجالایا"

"اس کو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا لے جائیو"

"دن کو زیبائش اور رات کو یہ آرائش"

"رات کو ساتھ سوتا، دن کو یونہی اٹھ کھڑا ہوتا"

"ایک بڑھیا شیطان کی خالا، اس کا خدا کرے منہ کالا"

قوافی کی تکرار کی بے شمار مثالیں "باغ و بہار" میں موجود ہیں کہیں کہیں تو عبارت میں تین تین قوافی یا مسلسل قوافی بھی نظر آتے ہیں۔لیکن وہ عبارت کے تسلسل میں رکاوٹ نہیں بنتے۔روزمرّہ اور محاروں کا بھی میرامّن نے برجستہ استعمال کیا ہے۔مثلاً

"تم نے آستین میں سانپ پالے ہیں"

"سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی"

"خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا"

"اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا"

"تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا"

"ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات تھی"

"ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے"۔

"ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے"

"مینڈکی کو بھی زکام ہوا"

"باغ و بہار" میں مترادف الفاظ کا استعمال بہت زیادہ کیا گیا ہے۔ ایک ہی معنی کے کئی لفظوں کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ شاید اس لئے کہ فورٹ ولیم کالج کے طالب علموں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو۔ میرامّن ایک ہی جملے میں کئی ہم معنی الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ مثلاً

"یہاں بھی تیری آرزو ہے، وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔

"ایک باپ مرگیا، تم دونوں میرے پدر کی جگہ میرے سر پر قائم ہو"

"جواب لے کر جلدی پھر آ، میں شتاب باغ میں گھسا"

"اس حالت میں تین سال گزرے، چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہوا آیا"

"باغ و بہار" میں شروع سے آخر تک اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ اس

طرح کی نثر زبان سکھانے کے لئے اہم ذریعہ ہوسکتی ہے۔لیکن میرامَن نے اس طرح کی نثر کو اس فنکاری سے لکھا ہے کہ تحریر میں بناوٹ یا تصنّع کا شائبہ نہیں ہوتا۔اسلوب کی سلاست، سادگی اور روانی ہاتھ سے نہیں جاتی۔ زبان کی لطافت اور حلاوت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ میرامَن کے بیان میں اس قدر روانی ہے کہ کہیں رکاوٹ کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ قصہ خود بخود آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، میرامَن کو ہر طبقہ کی زبان اور لہجہ سے اچھی واقفیت تھی وہ کردار کے لحاظ سے زبان کا استعمال کرتے تھے،''باغ و بہار'' میں عورتوں اور مردوں کی گفتگو کا انداز ہر جگہ مختلف نظر آتا ہے مثلاً

''سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ماں کے پانو پر جا گری اور روئی اور بولی کہ میں تمہاری جائی ہوں۔ سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تتری! تو بڑی شتا ہو نکلی۔ اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر، صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے، جا دفع ہو۔''

''اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئے۔ تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں، اس درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فرماویں، تو بندے خدا کے، دامن دولت کے سایے میں امن و امان خوش گزراں رہیں''

''میں کنیا زیرباد کے دیس کے راجا کی ہوں—ایک روز مہاراج نے آ گیادی جتنے راجا اور کنور ہیں۔ میدان میں زیر جھروکھے نکل کر تیر اندازی اور چوگان بازی کریں۔تو گھڑ چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں نے رانی کے نیڑے جو میری ماتا تھیں اٹاری پر اوجھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں۔ تماشا دیکھتی تھی یہ دیوان کا پوت سب سے سندر تھا اور گھوڑے کو کاوے

دے کر کسب کرتا تھا۔ مجھ کو بھایا اور دل سے اس پر ریجھی، مدت تلک یہ بات گپت رکھی۔ آخر جب بہت بیاکل ہوئی، تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا''۔

مذکورہ اقتباس میں ہندو کردار ہونے کی وجہ سے میرامَن نے ہندی کے الفاظ [illegible]ش کر کے وہی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح اور مقامات پر بھی میرامَن نے کردار کے لحاظ سے زبان کا استعمال کیا ہے اور یہ وہی کر سکتا ہے جس کا مطالعہ اور مشاہدہ [illegible]ع ہو، انہوں نے عوام کے بیچ زندگی گزاری ہے۔ اسی لئے انہیں مختلف طبقات کے لب و لہجہ سے واقفیت ہے۔ میرامَن اس کو جوں کا توں لکھ دیتے ہیں۔ اپنے بیان کو پُرشکوہ اور [illegible]کلف نہیں کرتے۔ ہر جگہ عام زبان اور روزمرّہ کا استعمال کرتے ہیں۔یہی چیز ان کی [illegible]لی بن گئی ہے۔ میرامَن ''باغ و بہار'' میں کہیں مصنوعی اور دقیق یا نافہم نثر نہیں لکھتے۔ ان کی زبان بہت آسان اور عام فہم ہے۔ پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں:

''یہ زبان آسان اور سریع الفہم ہے لیکن خشک، عاری، روکھی، پھیکی، اُبالی، کھچڑی نہیں، اس میں قدم قدم پر محاورہ و روزمرّہ کی ملاحت ہے۔امن کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہوتی، جس میں جملوں کی در و بست، محاوروں کی بندش اعلیٰ سے اعلیٰ نہ ہو۔ اس میں ایک پختہ نہر کی روانی ہوتی ہے''۔

بلاشبہ ''باغ و بہار'' کی نثر میں پختہ نہر کی سی روانی ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں لکھی جانے والے نثری کتابوں میں ''باغ و بہار'' کا اسلوب کی وجہ سے ایک منفرد مقام ہے۔ دو سو سال گزر جانے کے باوجود بھی اپنے اسلوب کی وجہ سے ''باغ و بہار'' آج بھی باغ و بہار ہے۔ بقول پروفیسر خواجہ احمد فاروقی:

''بلاشبہ میرامَن نے وہ نئی نثر ایجاد کی ہے جس کے جملے آج مصری کی ڈلیاں اور شربت کے گھونٹ ہیں''

طویل داستانوں میں کرداروں کی بہتات ہوتی ہے اور عموماً ان میں یکسانیت بھی

پائی جاتی ہے۔ ''باغ و بہار'' میں بھی مختصر ہونے کے باوجود کافی کردار نظر آتے ہیں اور میرامّن نے زبان و بیان کے لحاظ سے کوشش کی ہے کہ ان میں یکسانیت پیدا نہ ہو۔ بنیادی طور پر یہ چار درویشوں کا قصہ ہے اور ان چاروں کو یکجا کرنے کے لئے بادشاہ آزاد بخت کا کردار معاون کے طور پر سامنے آتا ہے۔ پوری داستان میں سب سے کم واقعات آزاد بخت سے متعلق ہیں۔ آزاد بخت کی سرگزشت میں خواجہ سگ پرست کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ چاروں درویش ہی ''باغ و بہار'' کے مرکزی کردار ہے۔ ان میں ایک سوداگر ہے اور تین مختلف ملکوں کے شاہزادے ہیں۔ چاروں داستان کے کرداروں کی طرح عشق کے ستائے ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ کچھ ضمنی کردار اور بھی ہیں جو داستان کو آگے بڑھانے میں معاون ہوتے ہیں۔ جیسے خردمند وزیر، یوسف سوداگر، فرنگ کا ایلچی، خواجہ سگ پرست کے بھائی، بہزاد خاں، مبارک وغیرہ، ان کے علاوہ ملک صادق اور ملک شہبال غیر انسانی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔

''باغ و بہار'' کی شاہزادیاں بھی داستانوں کی شاہزادیوں کی طرح کی صفات رکھتی ہیں۔ داستانوں میں شاہزادیوں کی موجودگی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ شاہزادے ان کی خوبصورتی پر عاشق ہوں اور طلسمات و محاورات میں گرفتار ہوکر قصّے کو آگے بڑھائیں۔ پہلا درویش دمشق کی شاہزادی پر عاشق ہوتا ہے، دوسرے درویش کی پسند بصرے کی شاہزادی ہے تیسرا درویش مہرنگار کے عشق میں مبتلا ہے چوتھا درویش ایک تباہ حال رئیس کی بیٹی کو پسند کرتا ہے۔ ''باغ و بہار'' کے نسوانی کرداروں میں وزیرزادی، زیرباد کے راجا کی کنیا، سراندیپ کی شہزادی، پہلے درویش کی بہن، یوسف سوداگر کی معشوقہ کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے کردار شامل ہیں۔ ان میں وزیرزادی کا کردار ہی سب سے زیادہ متحرک اور فعال نظر آتا ہے بقیہ کردار قصّے کی ضرورت کے لحاظ سے شامل کئے گئے ہیں۔ یہ وہی وزیرزادی ہے جو خواجہ سگ پرست کی کہانی میں اپنے باپ کے مصیبت میں گرفتار ہوجانے اور ماں کے یہ طعنہ دینے پر کہ اگر آج اندھا بیٹا بھی ہوتا تو باپ کی مصیبت کے وقت میں کام آتا، بھیس بدل کر وہ کام کرتی ہے جو بیٹے کرتے ہیں۔

''باغ و بہار'' کی ایک اہم خصوصیت اس میں اپنے عہد کی معاشرت کا بیان ہے۔ داستان کیا ہے گویا اٹھارہویں صدی عیسوی کی دلّی کی تہذیب کی عکاس ہے۔ پورے قصّے میں ہندستان کی زندگی کی مختلف جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اردو کا داستان گو اپنی داستانوں میں عام طور پر عرب ممالک کا ذکر کرتا ہے کیونکہ اس کے کردار مسلمان ہوتے ہیں اس کے یہاں دمشق، بصرہ، یمن، ایران، مصر، قسطنطنیہ، آذربائیجان، کے علاوہ روم اور چین کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ یہ نام صرف مکانی فاصلہ ظاہر کرنے کے لئے شامل کئے جاتے ہیں۔ داستان گو داستان میں جن کرداروں اور رسم و رواج کو بیان کرتا ہے وہ خالص ہندستانی ہیں۔ دراصل ہر فنکار کے تخیل کی بنیاد اس کے مطالعہ اور مشاہدے پر ہی ہوتی ہے اس کا مشاہدہ اس کے لاشعور میں محفوظ رہتا ہے۔ جو خود بخود اس کی تخلیق میں در آتا ہے۔ میرامّن کی زندگی عوام و خواص دونوں کے بیچ گزری، وہ زندگی کے تمام نشیب و فراز سے آشنا تھے۔ انہوں نے خود کو ''دلّی کا روڑا'' کہا ہے۔ روڑے کی وابستگی زمین سے ہوتی ہے۔ زمین سے وابستگی کا مطلب ہے اس کی جڑیں وہاں پیوست ہیں۔ میرامّن کی وابستگی دلّی کی زمین سے تھی۔ وہ عظیم آباد اور کلکتہ میں بھی اپنی زمین سے وابستہ رہے ان کے بیان میں دلّی کا لال قلعہ، شاہزادیوں کے باغات اور یہاں کے بازار موجود ہیں۔ نوطرز مرصّع کی طرح ''باغ و بہار'' میں بھی چیزوں اور کھانوں کے نام کی ایک طویل فہرست ہے۔ میرامّن کسی منظر کے بیان کے وقت ہر چیز پر نظر رکھتے ہیں ان کے بیان میں دلّی کے وزراء اور امراء کی حویلیوں کی آرائش و زیبائش نظر آتی ہے۔ مثلاً

> ''اس حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہورہی ہے۔ گلہارے میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے، یساول عصا بردار کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلّف، لائق ہر مکان کے جابجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پاندان، گلاب پاش، عطردان، پیک دان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے

دھرے ہیں۔ طاقوں پر انگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں، رنگ
بہ رنگ کی چنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں
چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سروکنول کے روشن ہیں۔
اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں
چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔"

غرض کہ میرامّن ہر چیز کا بیان کرتے ہیں، آب دار خانے میں کوری کوری ٹھلیاں گھڑونچیوں پر رکھی ہیں۔ صافیوں اور بجھروں سے انہیں ڈھک کر رکھا ہے۔ چوکی پر کٹورے، ڈونگے، تھالیاں، برف کے آبخورے رکھے ہیں۔ میرامّن کی نظر سے کوئی چیز بچتی نہیں داستان گوئی کی کامیابی ہی اس کی قوت بیان پر ہے۔ جس سے وہ جزئیات نگاری میں کامیاب ہوتا ہے۔ جزئیات نگاری داستان گوئی کے فن کا ایک حصہ ہے جو داستان کو نہ صرف طول دیتا ہے بلکہ معلومات بھی فراہم کرتا ہے "باغ و بہار" یوں تو ایک مختصر داستان ہے لیکن اس اختصار میں بھی میرامّن نے جزئیات کے بیان کا لحاظ رکھا ہے، ایک عورت کا بیان کرتے ہوئے میرامّن لکھتے ہیں:

"اور دسترخوان بچھواکر، مجھ تن تنہا کے روبہ رو بکاول نے
ایک تورے کا تورا چن دیا۔ چار مشقاب، ایک میں یخنی پلاؤ،
دوسرے میں قورما پلاؤ، اور تیسری میں متنجن، چوتھی میں کوکو پلاؤ اور
ایک قاب زردے کی اور کئی طرح کے قلیے، دوپیازہ، نرگسی، بادامی،
روغن جوش اور روٹیاں کئی قسم کی: باقر خانی، تنکی، شیرمال، گاؤدیدہ، گاؤ
زبان، نان نعمت، پراٹھے اور کباب کوفتے کے، تکّے کے مرغ کے،
خاگینہ، ملغوبہ، شب دیگ، دم پخت، حلیم، ہریسا، سموسے ورقی، قبولی،
فرنی، شیر برنج، ملائی، حلوا، فالودہ، پن بھتا، نمش، آب شورہ، ساق
عروس، لوزیات، مربّہ، اچاردان، دہی کی قلفیاں یہ نعمتیں دیکھ کر روح
بھر گئی"۔

جس طرح دسترخوان پر اتنی اقسام کے کھانے دیکھ کر کھانے والے کی روح بھر جاتی ہے اسی طرح پڑھنے والے کی بھوک بڑھ جاتی ہے۔ کھانے کے بعد تکلفات کا منظر ملاحظہ کیجئے:

"جب دستراخوان اٹھا، زیرانداز کا ثانی، مخمل، کا مقیشی
بچھاکر، چلمچی، آفتابہ طلائی لاکر، بیسن دان میں خوش بو بیسن دے کر،
گرم پانی سے میرے ہاتھ دھلائے۔ پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں
سونے کے پکھروٹوں میں بندھی ہوئی اور چوگھڑوں میں کھلوزیاں اور
چکنی سپاریاں اور لونگ الاچیاں، روپے کے ورقوں پر مڑھی ہوئیں،
لاکر رکھیں۔"

ان شاہی تکلفاتی تہذیب کا علم صرف اور صرف داستانوں ہی سے ہوسکتا ہے۔ کسی تاریخ کی کتاب میں اتنی تفصیل سے ذکر نہیں ملے گا۔ داستان گو اپنی واقفیت کے اظہار اور داستان کو طویل کرنے کی وجہ سے ہر منظر کو مفصل بیان کرتا ہے۔ "باغ و بہار" کا شمار تو مختصر داستان میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود یہاں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ معاشرت کی یہی تفصیل "باغ و بہار" کی اہمیت میں اضافہ کرتی ہے۔ دیگر داستانوں کی طرح "باغ و بہار" میں بھی ولادت سے وفات تک کی رسومات کا ذکر مل جاتا ہے۔ بچے کی ولادت پر خوشیاں منائی جاتی ہیں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں، صدقات دیئے جاتے ہیں، زائچے تیار ہوتے ہیں:

"ایک محلی بادشاہ کے محل میں سے دوڑا ہوا آیا اور مبارکباد
کی تسلیمیں بادشاہ کے حضور بجالایا، اور عرض کی کہ اس وقت شاہ زادہ
پیدا ہوا کہ آفتاب و مہتاب اس کے حسن کے روبرو شرمندہ ہیں۔۔۔
بادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادیٔ مرگ ہو جائے۔۔۔
بادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ شہزادے کو گود میں لیا اور شکر
پروردگار کی جناب میں کیا، کلیجا ٹھنڈا ہوا، دونہیں چھاتی سے لگائے

ہوئے لاکر فقیروں کے قدموں پر ڈالا۔ درویشوں نے دعائیں پڑھ
کر جھاڑ پھونک دیا۔۔۔ بادشاہ نے جشن کی تیاری کی، دوہری نوبتیں
جھڑنے لگیں۔ خزانے کا منہ کھل دیا۔ داد و دہش سے ایک کوڑی کے
محتاج کو لکھ پتی کردیا ارکان دولت جتنے تھے۔ سب کو دو چند جاگیر و
منصب کے فرمان ہوگئے۔۔۔ تمام شہر میں ہزاری بزاری کے گھروں
میں جہاں دیکھو وہاں تھئی تھئی ناچ ہورہا ہے۔ مارے خوشی کے ہر
ایک ادنا اعلا بادشاہ وقت بن بیٹھا۔''

''باغ و بہار'' میں دوسری داستانوں کے مقابلے میں ہندستانی معاشرت کی عام زندگی کی جھلکیاں زیادہ نظر آتی ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود میر امّن کی زندگی عام آدمی کی طرح گزری، عوامی زندگی سے وابستہ اشیاء کا بیان وہ بڑی روانی سے کرتے ہیں۔ پہلے درویش کے قصے میں اس کی بہن کا واقعہ خاص ہندستانی تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے۔ آج بھی ہندستانی تہذیب میں شادی شدہ بہن یا بیٹی کے گھر جا کر کھانے پینے کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میر امّن اس بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''وہ ماجائی، میرا یہ حال دیکھ کر، بلائیں لے اور گلے مل کر
بہت روئی، تیل ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کیے۔۔۔
اے بیرن، تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی
نشانی ہے تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا...... لیکن مردوں کو خدا
نے کمانے کے لیے بنایا ہے ۔۔۔ دنیا کے لوگ طعنہ دیتے ہیں
۔۔۔ اپنے باپ کی دولت دنیا کھو کھا کر، بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا،
یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو
سب لاج لگنے کا ہے۔''

میر امّن دلّی والے تھے ان کا بچپن جوانی سب دلّی کے گلی کوچوں میں گزرا، انہیں اپنے دلّی والے ہونے پر فخر تھا، دلّی کی معاشرت ان کے دل و دماغ میں رچی بسی

ہوئی تھی فارسی یا تحسین کا قصہ چار درویش بھی اگرچہ تہذیبی مرقعوں کے نمونے پیش کرتے ہیں لیکن میر امّن نے اپنے مشاہدے کی بنیاد پر بھی اس میں آزادانہ اضافے کیے ہیں میر امّن کے لاشعور میں بسی دلّی کی معاشرت '' باغ و بہار'' میں خود بخود شامل ہوگئی ہے۔ روم، چین، دمشق یا بصرے کا نام لے کر میر امّن نے دلّی کی تہذیب کو پیش کیا ہے۔ داستانوں کے شہر تخیلی شہر ضرور ہوتے ہیں لیکن پس پردہ اس میں داستان گو کا اپنا شہر اور اپنی تہذیب نظر آتی ہے۔ کسی بھی ایک داستان سے اس کے عہد کی تہذیب و تمدن کی واضح تصویر بنائی جاسکتی ہے بقول پروفیسر محمد حسن:

''یہ ہمارے تمدن کی ابتدائی تصویریں ہیں اور انہی کے بل
بوتے پر ہم اس دور کے تمدنی خاکے مرتّب کرسکتے ہیں اس دور کی تاریخ
اور کوئی تذکرہ اس سے زیادہ سچی اور واضح تصویر پیش نہیں کرسکتا۔''

میر امّن نے بادشاہ آزاد اور بخت اور چاروں درویشوں کے قصوں میں اپنے عہد کی تہذیب کو پیش کرکے فورٹ ولیم کالج کے طالب علموں کو ہندوستانی تہذیب سے روشناس کرایا، میر امّن کیونکہ ایک ایسی کتاب تیار کررہے تھے، جس کی مدد سے انگریزوں کو ہندوستانی زبان کے ساتھ ساتھ یہاں کی معاشرت سے بھی واقف کرایا جائے انہوں نے کوشش کی ہے کہ ان کے عہد میں مروّج الفاظ کا بیشتر ذخیرہ ''باغ وبہار'' میں شامل ہوجائے۔ اسی لئے ''باغ وبہار'' میں مختلف رسومات کی ادائیگی کے موقع پر استعمال ہونے والے الفاظ کے علاوہ زیادہ سے زیادہ ایسے الفاظ استعمال کئے جو اس عہد میں مختلف طبقوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے مستعمل تھے، شاہی محلات اور دربار سے وابستہ افراد کے علاوہ عام زندگی سے جڑے ہوئے الفاظ کی بھی بہتات ہے۔ مثال کے طور پر یہ مختصر عبارت ملاحظہ کیجئے:

''کسی گاؤں کے کنارے ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی،
ٹھلیا اور بندھنا پانی سے بھرا ہوا دھرا تھا، وہ پیرزن چرخہ کاتتی تھی،
کتا کوزے کے نزدیک گیا، چاہا کہ لوٹے کو اٹھاوے، عورت نے

ڈانٹا، لوٹا اس کے منہ سے چھوٹا، گھڑے پر گرا، گھڑا پھوٹا، باقی باسن
لڑھ گئے، پانی بہہ چلا۔ بڑھیا لکڑی لے کر مارنے کو اٹھی ۔ یہ سگ
اس کے دامن میں لپٹ گیا۔ اس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دُم ہلانے
لگا اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا، پھر اس کے پاس آکر کبھو رسّی اٹھاتا،
کبھو ڈولی منہ میں پکڑ کر دکھاتا اور منہ اس کے قدموں پر رگڑتا اور
آنچل چادر کا پکڑ کر کھینچتا۔"

مذکورہ اقتباس میں بڑھیا، جھونپڑی، ٹھلیا، بندھنا، چرخہ، کاتنا، کوزے، لوٹا، گھڑا، باسن، لکڑی، رسّی، ڈول، آنچل، چادر ہندوستان کی عوامی زندگی سے وابستہ ہیں۔ میر امّن نے عوام و خواص کے مختلف طبقوں سے متعلق سینکڑوں الفاظ کو "باغ و بہار" میں شامل کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے "باغ و بہار" ایک تہذیبی فرہنگ بن گئی ہے۔ دربار کی زندگی اس عہد کی تہذیب کی خاص نمائندہ ہے جس کی وجہ سے دربار سے تعلق رکھنے والے بے شمار الفاظ رائج ہوئے، ہندوستان میں مسلمانوں کے دربار کا انداز کیونکہ ایران کے انداز پر رہا اس لیے وہ تمام الفاظ جو ایرانی دربار سے متعلق تھے ہندوستان کے دربار میں آئے اور پھر اردو کی ملکیت بن گئے، مثلاً بادشاہ اور دربار سے وابستہ الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ "باغ و بہار" میں موجود ہے جیسے وزیر، امرا، میر منشی، میر بخشی، قاضی، مفتی، عالم، کوتوال، قلعدار، دیوان خانہ، یساول، گرز بردار، دربان، لونڈی، کنیز، غلام، خواصیں، اُردا بیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں، ازبکنیاں، خواجہ سرا وغیرہ۔ غرضیکہ اگر اس طرح کی الفاظ شماری کی جائے تو اس عہد کی مخصوص تہذیب سے متعلق الفاظ کی ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی۔ میر امّن نے دوسرے درویش کے قصے میں مکان کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جتنا اسباب اس مکان میں تھا، شطرنجی، چاندنی، قالینیں،
سیتل، پاٹی، منگل کوٹی، دیوار گیری، چھت، پردے، چلونیں، سائبان،
نم گیرے، چھپر کھٹ، مع غلاف، ادوچہ، توشک، بالاپوش، سیج بند،
چادر، تکیے، تکینی، گل تکیے، مسند، گاؤ تکیے، دیگ، دیگچے، پتیلے، طباق،

رکابی، بادیے، طشتری، چمچے، بکاؤلی، کفگیر، طعام بخش، سرپوش، سینی،
خوان پوش، توراہ پوش، آب خورے، بجھرے، صراحی، لگن، پان دان،
چوگھرے، چنگیر، گلاب پاش، عودسوز، آفتابہ، چلپچی، سب میرے
حوالے کیے کہ یہ تمہارا مال ہے۔"

کسی عہد کی تہذیب کو سمجھنے میں اس عہد کی طبقاتی گفتگو بھی معاون و مددگار ہوتی ہے۔ "باغ و بہار" کے قصوں میں مختلف طبقات کا انداز گفتگو اس عہد کی اخلاقی قدروں کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے، اس مختصر سی داستان میں خواص و عوام دونوں ہی کا انداز نظر آتا ہے۔ جب کوئی وزیر بادشاہ کے روبرو بات کرتا ہے تو اس کا انداز اس طرح ہوتا ہے:

"اگر منصفی فرمائیے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے تو
بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہردم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی
طرف لگا کر، دعا مانگا کریں، اس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا،
دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فرماویں،
تو بندے خدا کے دامن دولت کے سائے میں امن و امان خوش
گزراں رہیں۔"

جیوتشی جب بادشاہ سے بات کرتا ہے تو یوں گویا ہوتا ہے:

"قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی۔"

جب شاہزادیاں گفتگو کرتی ہیں تو ان کا انداز اس طرح ہوتا ہے:

"ملکہ نے آداب بجالا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہ
گار ہے، جو غضب سلطانی کے باعث اس جنگل میں پہنچی۔"

کٹنی کو میر امّن نے یہ زبان دی ہے:

"الٰہی! تیری نتھ، چوڑی سہاگ کی سلامت رہے، اور کماؤ
کی پگڑی قائم رہے! میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے
کہ وہ دوجی سے پورے دنوں دردِ زہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی

وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں ۔ اگر مرگئی تو گوروکفن کیوں کر کروں گی؟ اور جنی تو دائی جنائی کو کیا کروں گی؟ اور جچا کو ستھوارا، اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی؟''

حاتم کو نوفل کے دربار میں لے جانے والے لکڑہارے کی زبان کچھ اور ہے:

''کیا ٹرٹر کرتی ہے ۔ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں، تب لون روٹی میسّر آوے یا ایک جنگل سے باگھ لے جاوے، لے اپنا کام کر۔''

''باغ و بہار'' کے کرداروں کو زبانی ادا ہونے والے الفاظ طبقاتی تقسیم کو بھی ظاہر کرتے ہیں بادشاہ، وزرا و امرا کی گفتگو کا لہجہ اور لفظیات مختلف ہے۔ خواتین اور مردوں کا انداز علاحدہ ہے۔ مختلف طبقوں کی گفتگو کا انداز بھی اس عہد کی تہذیب کو نمایاں کرتا ہے، اس بات کو بھی تقریباً اردو ادب کے سبھی ناقدین تسلیم کرتے ہیں کہ ''باغ و بہار'' کی جہاں ایک خوبی زبان کی سادگی اور سلاست ہے تو دوسری اہم خوبی اس میں موجود اپنے عہد کی تہذیب ۔ پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں:

''معاشرت کی مرقع نگاری باغ وبہار کا طرۂ امتیاز ہے۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ فرماتے ہیں:

''باغ و بہار میں دلّی کی تہذیب بول رہی ہے اس کی تصویریں گردش کررہی ہیں اس کے امرا اس کے میلے ٹھیلے اس کے سیر وتماشے، اس کی ضیافتیں اس کی تقریبات، اس کے رسوم وقواعد، اس کے آداب ومراسم، غرض اس میں سب کچھ وہ ہے جو اس زمانے کی دلّی میں تھا یا ہوسکتا تھا گویا یہ ایک زندگی کا نقشہ ہے۔''

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ تاریخ ادب اردو میں لکھتے ہیں:

''یہ قصہ نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ اس میں زمانے کے رسم ورواج اور طرز معاشرت کے مرقعے نہایت وضاحت سے کھینچے گئے۔''

گارساں دی تاسی کا کہنا ہے:

''ان قصوں میں ہر صفحے پر آپ کو قومی خصوصیات ملیں گی جو ہمیں اصلی ہندوستان خاص کر اسلامی ہندوستان کے سمجھنے میں بہت کارآمد ہوں گی۔''

افسانوی ادب کے ممتاز ناقد وقار عظیم لکھتے ہیں:

''باغ و بہار میں زندگی کی ایسی تفصیلات تو نہیں ہیں جنہیں ہم آج کل حقیقت نگاری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس میں مجموعی حیثیت سے زندگی کی ایک لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے، میرامّن اپنے تخیل اور تصور کی مدد سے جہاں تہاں جو نئے جہان آباد کرتے ہیں ان میں ہر جگہ ایک خاص معاشرت، ایک خاص تمدن اور اس خاص معاشرت اور تمدن کی رسم و روایات کا رنگ چھپایا ہوا ہے۔''

اسی طرح دیگر ناقدین، محققین اور مورخین نے ''باغ و بہار'' کی ایک اہم خوبی اس میں موجود دہلوی معاشرت بھی بتایا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ ''باغ و بہار'' میں واقعات کا بیان ہو یا اس بیان میں لفظیات کا۔ ہر قدم پر میرامّن کی ذہانت اور سبب تالیف کا اظہار ہوتا ہے ۔ واقعات کی تفصیلات ذہانت کو ظاہر کرتی ہیں اور عوام وخواص میں مستعمل سینکڑوں الفاظ کو یکجا کرکے فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ یعنی کتاب پڑھنے والے کو زیادہ سے زیادہ عام بول چال کے الفاظ کا علم ہوتا ہے، گل کرسٹ کی خواہش بھی یہی تھی کہ بول چال کی زبان میں کتاب لکھی جائے ۔ میرامّن نے گل کرسٹ کی ہدایت پر پورا عمل کیا۔ یہی بات ''باغ و بہار'' کی مقبولیت کا سبب بن گئی، دو سو سال گزر جانے کے بعد بھی ''باغ و بہار'' کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔ گذشتہ دو سو سال سے ''باغ و بہار'' اردو زبان و ادب کے طالب علموں کے نصاب کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ یہ قدر و منزلت فورٹ ولیم کالج میں تیار ہونے والی کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔

ماخذات

۱۔ باغ و بہار میر امن، مرتبہ رشید حسن خاں مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دہلی ۱۹۷۷

۲۔ باغ و بہار میر امن، مرتبہ رشید حسن خاں انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی ۱۹۹۲

۳۔ باغ و بہار سلیم اختر اعجاز پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج ۱۹۸۴

۴۔ باغ و بہار سہیل عباس خاں بیکن بکس، اردو، لاہور ۲۰۰۶

۵۔ داستان سے افسانے تک۔ وقار عظیم طاہر بک ایجنسی، گلی قاسم جان، دہلی ۱۹۷۲

۶۔ ہماری داستانیں وقار عظیم اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۸۰

۷۔ اردو کی نثری داستانیں گیان چند انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۶۹

۸۔ گنج خوبی میر امّن، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی ۱۹۶۶

۹۔ داستان اور ناول سلیم اختر سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱

۱۰۔ داستان سے ناول تک ابن کنول دہلی ۲۰۰۳

۱۱۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم سیدہ جعفر ہاشم نگر، حیدر آباد ۲۰۰۲

۱۲۔ اردو کی زندہ داستانیں مظفر عباس لاہور ۱۹۹۹

۱۳۔ اردو فکشن کی تنقید ارتضیٰ کریم تخلیق کار پبلیشرز، دہلی ۱۹۹۶

۱۴۔ رسالہ ''جامعہ'' جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۰۰۵

☆☆☆

باغ و بہار

میر امّن

دیباچہ

سبحان اللہ ! کیا صانع ہے، کہ جس نے ایک مٹھی خاک سے ، کیا کیا صورتیں اور مٹی کی مورتیں پیدا کیں! باوجود دو رنگ کے ، ایک گورا، ایک کالا، اور یہی ناک ، کان ، ہاتھ ، پاؤں سب کو دیے ہیں، تس پر رنگ بہ رنگ کی شکلیں جُدی جُدی بنائیں ، کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں، کروڑوں خلقت میں جس کو چاہیے، پہچان لیجیے۔ آسمان: اُس کے دریائے وحدت کا ایک بُلبُلا ہے، اور زمین، پانی کا بتاشا، لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے، پر اُس کا بال بیکا نہیں کرسکتا، جس کی یہ قدرت اور سکت ہو، اُس کی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے، کہے تو کیا کہے ! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مار سکے، چپکا ہو رہے۔

عرش سے لے فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے
حمد اُس کی گر لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے
جب پیمبر نے کہا ہو" میں نے پہچانا نہیں"
پھر جو کوئی دعوا کرے اس کا، بڑا نادان ہے
رات دن یہ مہر و مہ پھرتے ہیں صنعت دیکھتے
پر ہر اک واحد کی صورت دیدۂ حیران ہے
جس کا ثانی اور مقابل ہے، نہ ہووے گا کبھو

ایسے یکتا کو، خدائی سب طرح شایان ہے
لیکن اتنا جانتا ہوں، خالق و رازق ہے وہ
ہر طرح سے مجھ پر اُس کا لطف اور احسان ہے

اور درود اُس کے دوست پر ، جس کی خاطر زمین اور آسمان کو پیدا کیا، اور درجہ رسالت کا دیا
جسم پاکِ مصطفیٰ اللہ کا اک نور ہے اس لیے پرچھائیں اُس قد کی نہ تھی، مشہور ہے
حوصلہ میرا کہاں، اتنا جو نعت اس کی کہوں! پر سخن گویوں کا یہ بھی قاعدہ دستور ہے
اور اس کی آل پر صلوٰۃ و سلام، جو ہیں بارہ امام۔

حمد حق اور نعتِ احمدؐ کو یہاں کر انصرام
اب میں آغاز اس کو کرتا ہوں جو ہے منظور کام
یا الٰہی! واسطے اپنے نبیؐ کی آل کے
کر یہ میری گفتگو، مقبولِ طبع خاص و عام

منشا اس تالیف کا یہ ہے کہ سنہ ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی، مطابق ایک ہزار دو سو سات سنہ فصلی کے، عہد میں اشرف الاشراف مارکوئس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگردان ہے۔ جتنے وصف سرداروں کو چاہئیں، ان کی ذات میں خدا نے جمع کیے ہیں۔ غرض قسمت کی خوبی اس مُلک کی تھی، جو ایسا حاکم تشریف لایا، جس کے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا۔ مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کرسکے، شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں، سارے غریب وغربا دعا دیتے ہیں اور جیتے ہیں) چرچا علم کا پھیلا۔ صاحبانِ ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو کی زبان سے واقف ہوکر ہندوستانیوں سے گفت و شنود کریں، اور مُلکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں، اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال ، بہ موجب فرمائش کے تالیف ہوئیں۔

جو صاحب ، دانا اور ہندوستان کی زبان بولنے والے ہیں ان کی خدمت میں

گزارش کرتا ہوں کہ یہ قصہ چاردرویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش، جو ان کے پیر تھے، اور درگاہ ان کی دلّی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر متیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے، ان کی طبیعت ماندی ہوئی تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے، امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی۔ تب انہوں نے غسلِ صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا۔ خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا۔

اب خداوندِ نعمت، صاحب مروت، نجیبوں کے قدردان جان گلکرسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے، بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے، میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا، جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنہگار میر امن دلّی والا بیان کرتا ہے کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک پادشاہ کی رکاب میں، پُشت بہ پُشت جاں فشانی بجا لاتے رہے اور وہ بھی پرورش کی نظر سے، قدردانی جتنی چاہیے، فرماتے رہے۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کرکر، مالا مال اور نہال کر دیا اور ''خانہ زاد موروثی'' اور ''منصب دار قدیمی'' زبان مبارک سے فرمایا، چنانچہ یہ لقب پادشاہی دفتر میں داخل ہوا۔

جب ایسے گھر کی (سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے۔ عیاں را چہ بیاں! تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا، اور احمد شاہ درّانی نے گھربار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر، ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھُم میرا ہے، اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلا وطن اور ایسا جہاز (کہ جس کا ناخدا پادشاہ تھا) غارت ہوا۔ میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا، ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے، کتنے برس

بلدہ عظیم آباد میں دم لیا۔ کچھ بنی کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اُکھڑے، روزگار نے موافقت نہ کی، عیال و اطفال کو چھوڑ کر، تن تنہا کشتی پر سوار ہو، اشرف البلاد کلکتے میں آب و دانے کے زور سے آ پہنچا۔ چندے بے کاری گزری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے، حضور تک جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جوان مرد کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہیے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں، اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدر ان کو کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے۔

حقیقت اردو کی زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے کہ دلّی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے انہیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے۔ اس آمد و رفت کے باعث۔ کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا۔ پھر ہمایوں بادشاہ، پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہوکر ولایت گئے۔ آخر وہاں سے آن کر پس ماندوں کو گوش مالی دی، کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم، قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آ کر جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی، اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال و جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔

جب حضرت شاہ جہاں صاحب قِران نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ

تعمیر کروایا اور تخت طاؤس میں جواہر جڑوایا اور دَل بادل سا خیمہ چوبوں پر استاد کر، طنابوں سے کھنچوایا اور نواب علی مردان خاں نہر کو لے کر آیا، تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارُالخلافت بنایا۔ تب سے شاہ جہاں آباد مشہور ہوا (اگرچہ دلّی جُدی ہے، وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اردوئے معلّٰی خطاب دیا۔

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت، بلکہ احمد شاہ اور عالم گیر ثانی کے وقت تک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی، ندان زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی لیکن قدردان منصف چاہیے جو تجویز کرے۔ سو اب خدا نے بعد مدت کے جان گلکرسٹ صاحب سا دانا، نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور اُگت سے اور تلاش و محنت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سبب سے ہندوستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا اور نئے سر سے رونق زیادہ ہوئی۔ نہیں تو اپنی دستار و گفتار کو کوئی برا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھیے تو شہر والے کو نام رکھتا ہے۔ اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر عاقلاں خود می دانند۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے، پادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی، ایک بارگی تباہی پڑی، رئیس وہاں کے، میں کہیں تم کہیں ہو کر جہاں جس کے سینگ سمائے وہاں نکل گئے۔ جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کی ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا۔ اور بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلّی میں گئے اور رہے، وہ بھی کہاں تلک بول سکیں گے کہیں نہ کہیں چوک ہی جائیں گے اور جو شخص سب آفتیں سہ کر دلّی کا روڑ ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عروس، چھڑیاں، سیر تماشا، اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی، اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا، اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا، یہاں تلک پہنچا ہے۔

شروع قصّے کا

اب آغاز قصّے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کو سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے، کہ آگے، روم کے مُلک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت، اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت، اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اس کا پائے تخت تھا۔ اس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مُرفّہ، غریب غربا آسودہ؛ ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید، اور رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے اٹھائی گیرے، دغاباز تھے، سب کو نیست و نابود کر کر، نام و نشان ان کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی، مسافر، جنگل میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے، کوئی نہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں، اور کہاں جاتے ہو؟

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے اور کئی سلطان نعل بندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہیے سب موجود تھا لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے۔ اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اس خاطر اکثر فکر مند رہتا اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا کہ ''اے اللہ! مجھ عاجز کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا

دیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں، اور تیرے خزانۂ غیب میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے۔''

اسی اُمید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر، وظیفہ پڑھ رہے تھے ایک بارگی آئینے کی طرف خیال جو کرتے ہیں تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا، کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آب دیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری پھر دل میں اپنے سوچ لیا کہ افسوس! تو نے اتنی عمر ناحق برباد کی اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ملک جو لیا، اب تیرے کس کام آوے گا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اُڑاوے گا۔ تجھے تو پیغام موت کا آچکا اگر کوئی دن جیے بھی تو بدن کی طاقت کم ہوگی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے اس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جا کر، سب مجرائیوں کو جواب دے کر، فرمایا کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے، سب دیوان عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں یہ کہہ کر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلاّ بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے، شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھوہارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے اور تمام دن رات جانماز پر پڑے رہتے۔ اس بات کا باہر چرچا پھیلا، رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر، گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا، ملک دبا لیا اور سرانجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے۔ ان کے حکم میں خللِ عظیم واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی۔ درباری اُمرا جتنے تھے، جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

آخر یہ تجویز ٹھہری، کہ نواب وزیر، عاقل اور دانا ہے اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد ہے، اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے، اس کی خدمت میں چلیں، دیکھیں، وہ کیا مناسب جان کر کہتا ہے۔ سب عمدہ، امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا: بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت، اگر چندے اور تغافل ہوا تو اس محنت کا ملک لیا ہوا مفت میں جاتا رہے گا۔ پھر ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ وزیر پرانا قدیم نمک حلال اور عقل مند، نام بھی خردمند، اسم بامسمّٰی تھا۔ بولا: اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے لیکن تم چلو، میں بھی چلتا ہوں خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے، جو رو برو بلاوے۔ یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ دیوانِ عام تلک لایا، ان کو وہاں چھوڑ کر آپ دیوانِ خاص میں آیا اور بادشاہ کی خدمت میں محلی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ پیر غلام حاضر ہے، کئی دنوں سے جمالِ جہاں آرا نہیں دیکھا امیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی کروں، تو خاطر جمع ہو۔ یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی، از بس کہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جاں نثاری اس کی جانتے تھے اور اکثر اس کی بات مانتے تھے، بعد تامل کے فرمایا: خردمند کو بلا لو۔ بارے جب پروانگی ہوئی، وزیر حضور میں آیا، آداب بجا لایا، اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجب صورت بن رہی ہے کہ زار بہ زار رونے اور دبلاپے سے، آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

خردمند کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اس کا اٹھایا اور فرمایا: لو، مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ تم سلطنت کرو۔ خردمند سن کر ڈاڑھ مار کر رویا اور عرض کی: غلام کو آپ کے تصدق اور سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسّر ہے لیکن جہاں پناہ کی یک بہ یک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے اور انجام اس کا اچھا نہیں یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجیے تو بہتر ہے، جو کچھ عقل ناقص میں آوے، التماس کرے غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اسی دن کے واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں اور نمک پروردے تدبیر میں ملک کی رہیں۔ خدا نہ خواستہ، جب فکر مزاج عالی

کے لاحق ہوئی، تو بندہائے پادشاہی کس دن کام آویں گے؟ بادشاہ نے کہا: سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سو تدبیر سے باہر ہے۔

سُن اے خردمند! میری ساری عمر اسی ملک گیری کے دردسر میں کٹی، اب یہ سن و سال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اس کا بھی پیغام آیا کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مثل ہے: ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں؟ اب تلک ایک بیٹا پیدا نہ ہوا جو میری خاطر جمع ہوتی، اس لیے دل سخت اُداس ہوا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا، جس کا جی چاہے ملک لے یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں۔ بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ سب چھوڑ چھاڑ کر، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منہ اپنا کسو کو نہ دکھاؤں، اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا تو وہاں بیٹھ کر، بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤں گا۔ شاید عاقبت بہ خیر ہو۔ اور دنیا کو تو خوب سیکھا، کچھ مزہ نہ پایا۔ اتنی بات بول کر اور ایک آہ بھر کر، بادشاہ چُپ ہوئے۔

خردمند ان کے باپ کا وزیر تھا۔ جب یہ شہزادے تھے تب سے محبت رکھتا تھا۔ علاوہ، دانا اور نیک اندیش تھا کہنے لگا: خدا کی جناب سے ناامید ہونا ہرگز مناسب نہیں جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا، تمہیں اولاد دینی اس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے؟ قبلۂ عالم! اس تصور باطل کو دل سے دور کرو، نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جاوے گا، اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقت سے تمہارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے؟ ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور بے خبری سے ملک ویران ہو جائے گا۔ خدانخواستہ بدنامی حاصل ہوگی۔ اس پر بھی بازپرس روزِ قیامت کی ہوا چاہے، کہ تجھے بادشاہ بنا کر اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا، تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا اور رعیت کو حیران پریشان کیا، اس سوال کا کیا جواب دوگے؟ پس عبادت بھی اس روز کام نہ آوے گی۔ اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے۔ اور پادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو۔ گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا، کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے۔ نہ کہ بادشاہوں کا۔ تم اپنے جوگا کام کرو، خدا کی یاد اور بندگی، جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ

نے یہ بیت سنی ہوگی۔

خدا اس پاس، یہ ڈھونڈھے جنگل میں
ڈھنڈھورا شہر میں، لڑکا بغل میں

اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر، دعا مانگا کریں۔ اس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غربا کی فرماویں تو بندے خدا کے دامن دولت کے سائے میں امن و امان خوش گزراں رہیں۔ اور رات کو عبادت کیجیے اور درود پیمبر کی روح پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین، متوکلوں سے مدد لیجیے۔ اور روز راتب، یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کر دیجیے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے خدا چاہے تو امید قوی ہے کہ تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں اور جس واسطے مزاجِ عالی مُکدّر ہو رہا ہے، وہ آرزو بر آوے اور خوشی خاطر شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے بارے خردمند وزیر کے ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی۔ فرمایا: اچّھا تو جو کہتا ہے بھلا یہ بھی کر دیکھیں۔ آگے جو اللہ کی مرضی ہے، سو ہوگا۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر و دبیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اس نے عرض کی کہ سب ارکان دولت، قبلۂ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں، آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں، جمال مبارک اپنا دکھایئے تو سب کی خاطر جمع ہووے، چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں۔ یہ سُن کر بادشاہ نے حُکم کیا انشاء اللہ تعالیٰ کل دربار کروں گا۔ سب کو کہہ دو، حاضر رہیں۔ خردمند یہ وعدہ سن کر خوش ہوا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں تمہارا تاج و تخت قائم رہے۔ اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا اور یہ خوش خبری امراؤں سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے۔ سارے شہر میں آنند ہوگئی۔ رعیت پر جا مگن ہوئی کہ

کل بادشاہ دربار عام کرے گا۔ صبح کو سب خانہ زاد اعلیٰ ادنیٰ اور ارکان دولت چھوٹے بڑے اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آکر کھڑے ہوئے اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے۔

جب پہر دن چڑھا، ایک بارگی پردہ اُٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہوکر، تختِ مبارک پر جلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں نے نذریں مبارک بادی کی گزرانیں، اور مجرے گاہ میں تعلیمات و کورنشات بجا لائے۔ موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی۔ سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دوپہر ہوئی، برخاست ہوکر اندرونِ محل داخل ہوئے، خاصہ نوشِ جان فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا۔ اس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا، اور تیسرے پہر کتاب کو شغل یا درود وظیفہ پڑھنا، اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کرکر، اپنے مطلب کی دعا مانگنی۔

ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا، کہ کسو شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو کہ اس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے تو چاہیے کہ تقدیر کے حوالے کرے اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے، درود طفیل پیغمبر کی روح کے، ان کو بخشے اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر دل کو اس غفلتِ دنیاوی سے ہشیار رکھے اور عبرت سے رو دے۔ اور خدا کی قدرت کو دیکھے کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحب ملک و خزانہ اس زمین پر پیدا ہوئے؟ لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لاکر خاک میں ملا دیا۔ یہ کہاوت ہے ؎

چلتی چکی دیکھ کر، دیا کبیرا رو
دو پاٹن کے بیچ آ، ثابت گیا نہ کو

اب جو دیکھیے، سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے ان کا کچھ نشان باقی نہیں رہا۔ اور سب دولت دنیا گھر بار آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب ان کے کچھ کام نہ آیا بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھے اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ کیڑے مکوڑے چیونٹے سانپ ان کو کھا گئے یا ان پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی۔ یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر ساری دنیا کو پیکھنے کا کھیل جانے، تب اس کے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رہے گا۔ کسو حالت میں پژمردہ نہ ہوگا۔ یہ نصیحت جب کتاب

مطالعہ کی، بادشاہ کو خردمند وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اس پر عمل کروں، لیکن سوار ہوکر اور بھیڑ بھاڑ لے کر پادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی مردِ خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں اور شب بیدار ہوں، شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسّر ہو۔

یہ بات دل میں مقرر کرکر ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر کچھ روپے اشرفی لے کر، چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی، جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے، نہایت صدق دل سے دُرود پڑھ رہے تھے اور اس وقت بادِ تند چل رہی تھی بلکہ آندھی کہا چاہیے۔ ایک بارگی بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتّی کے آس پاس چھڑک دیجیے، تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گُل نہ ہوگا۔ یا کسو ولی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے۔ جو کچھ ہو سو ہو، چل کر دیکھا چاہیے۔ شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو اور دل کی مراد ملے۔ یہ نیت کرکے اس طرف کو چلے۔ جب نزدیک پہنچے دیکھا تو چار فقیر بےنوا، کفنیاں گلے میں ڈالے اور سر زانو پر دھرے، عالم بےہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں۔ اور ان کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر بےکسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہوکر حیران رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سے یہ چاروں نقشِ دیوار ہو رہے ہیں اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے ہرگز ہوا اس کو نہیں لگتی گویا فانوس اس کی آسمان بنا ہے کہ بےخطرے جلتا ہے۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مقرر تیری آرزو ان مردانِ خدا کے قدم کی برکت سے بر آوے گی، اور تیری اُمید کا سوکھا درخت ان کی توجہ سے ہرا ہوکر پھلے گا۔ ان کی خدمت میں چل کر اپنا احوال کہہ اور مجلس کا شریک ہو، شاید تجھ پر رحم کھا کر دعا کریں، جو بےنیاز کے یہاں قبول ہو۔ یہ ارادہ کرکر، چاہا کہ قدم آگے دھرے، وہیں عقل

نے سمجھایا کہ اے بے وقوف! جلدی نہ کر، ذرا دیکھ لے، تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کیدھر جاتے ہیں؟ کیا جانیں یہ دیو ہیں یا غولِ بیابانی ہیں کہ آدمی کی صورت بن کر باہم مل بیٹھے ہیں بہ ہر صورت جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے میں چھپ کر حقیقت ان درویشوں کی جانا چاہیے آخر بادشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں اس مکان کے چپکا جا بیٹھا کہ کسو کو اس کے آنے کی آہٹ کی خبر نہ ہوئی، اپنا دھیان ان کی طرف لگایا کہ دیکھیے آپس میں کیا بات چیت کرتے ہیں۔

اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی، شکر خدا کا کیا۔ وہ تینوں قلندر اس کی آواز سے چونک پڑے، چراغ کو اُکسایا، بھبپ تو روشن تھا، اپنے اپنے بستروں پر حقے بھر کر پینے لگے۔ ایک اُن آزادوں میں سے بولا" اے یارانِ ہمدرد و رفیقانِ جہاں گرد! ہم چار صورتیں، آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے در بہ در خاک بہ سر ایک مدت پھریں۔ الحمدللہ! کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یاوری سے آج اس مقام پر باہم ملاقات ہوئی، اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے، ایک گُمت رہیں یا جدا جُدا ہوجاویں۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے، ابھی سے پڑ پڑ رہنا خوب نہیں، اس سے یہ بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگذشت جو اس دنیا میں جس پر بیتی ہو (بشرطیکہ جھوٹ اس میں کوڑی بھر نہ ہو) بیان کرے، تو باتوں میں رات کٹ چلے۔ جب تھوڑی شب باقی رہے، تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔" سبھوں نے کہا یا ہادی! جو کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہم نے قبول کیا، پہلے آپ اپنا احوال (جو دیکھا ہے) شروع کیجیے۔ تو ہم مُستفید ہوں۔

☆☆☆

سیر پہلے درویش کی

پہلا درویش دو زانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا:

یا معبود اللہ! ذرا اِدھر متوجہ ہو اور ماجرا اس بے سر و پا کا سنو!

یہ سرگذشت میری ذرا کان دھر سنو! مجھ کو فلک نے کردیا زیر و زبر سنو!
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدّت مرے تئیں اس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بہ سر سنو!

اے یاراں! میری پیدایش اور وطن بزرگوں کا ملک یمن ہے والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام، بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری ان کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک تو یہی فقیر، جو کفنی سیلی پہنے ہوئے مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے، دوسری ایک بہن جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کردی تھی وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا سپاہ گری کا کسب و فن، سوداگری کا بہی کھاتا، روزنامہ، سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بے فکری میں گزرے کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے الٰہی سے مرے گئے۔

عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ ایک بارگی یتیم ہوگیا۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کر کٹے، چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی، اور سمجھایا: دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں، اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو۔ اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلی دے کر وہ رخصت ہوئے۔ گماشتے، کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے، آن کر حاضر ہوئے نذریں دیں اور بولے: کوٹھے نقد و جنس کے، اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے۔ ایک بارگی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی، آنکھیں کُھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا۔ فراشوں نے فرش وفروش بچھا کر، چھت، پردے، چلونیں تکلف کی لگادیں۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدار و نوکر رکھے، سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے، پھانکڑے، مفت پر کھانے پینے والے، جھوٹھے خوشامدی، آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے ان سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں اور زٹلیں، واہی تباہی اِدھر اُدھر کی کرتے اور کہتے: اس جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب یا گُل گلاب کھنچوائیے، نازنین معشوقوں کو بلوا کر ان کے ساتھ پیجیے اور عیش کیجیے۔

غرض، آدمی کا شیطان آدمی ہے، ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب، ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول کر تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جس کے ہاتھ پڑا، الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی، کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے، کہاں سے آیا اور کیدھر جاتا ہے؟ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ اس زرخرچی کے آگے، اگر گنج قارون کا ہوتا، تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایک بارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ وہ آشنا، (جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے) کافور ہوگئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی،

آنکھیں چُرا کر منہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہلیے، ڈھلیت، خاص بردار ت خانی، سب چھوڑ کر کنارے لگے، کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا، جو کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے، کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔

اب دمڑی کی ٹھڈّیاں میسر نہیں، جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لاسکا۔ لاچار، بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر، یہ قصد کیا، بہن کے اس چلیے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد، نہ بہن سے کچھ سلوک ا۔ نہ خالی خط لکھا بلکہ اس دو ایک خط خطوط ماتم پُرسی اور اشتیاق کے جو لکھے ان کا بھی اب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا۔ اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے اُس گھر ے، اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں توں پاپیادہ، خالی ہاتھ گرتا پڑتا، ہزار محنت سے وہ ئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جاکر، اس کے مکان پر پہنچا۔

وہ ماجائی، میرا یہ حال دیکھ کر، بلائیں لے اور گلے مل کر، بہت روئی۔ تیل ماش اور لے ٹکے مجھ پر سے صدقے کیے، کہنے لگی: اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا۔ لیکن ا! تیری یہ کیا صورت بنی؟ اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر پ ہورہا۔ بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر، حمام میں بھیجا۔ نہا دھوکر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لوزیات، حلوا سوہن، پستہ مغزی ناشتے کو۔ اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری اور رات دن وں وقت پلاؤ، نان، قلیے، کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر، اپنے روبرو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطرداری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا، خدا کی درگاہ میں ہزار ار شکر بجا لایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن (جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی) کہنے لگی: اے ن! تو میری آنکھوں کی پُتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں، تو نے مجھے نہال کیا، لیکن مردوں دا نے کمانے کے لیے بنایا ہے، گھر میں بیٹھے رہنا، ان کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر

گھر سیتا ہے، اس کو دنیا کے لوگ طعنہ دیتے ہیں، خصوص اس شہر کے آدمی۔ چھوٹے بڑے بے سبب تمہارے رہنے پر کہیں گے۔" اپنے باپ کی دولت دنیا کھوکھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے، نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں، اب یہ صلاح ہے کہ سفر کا قصد کرو۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی اور مُفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔

یہ بات سُن کر مجھے بھی غیرت آئی اس کی نصیحت پسند کی، جواب دیا: اچھا، اب تم ماں کی جگہ ہو، جو کہو سو کروں۔ یہ میری مرضی پا کر گھر میں جا کر پچاس توڑے اشرفی کے اصیل اور لونڈیوں کے ہاتھوں میں لِوا کر، میرے آگے لا رکھے اور بولی: ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے تم ان روپیوں سے جنس تجارت کی خرید کرو، ایک تاجر ایمان دار کے حوالے کر کے، دست آویز پکی لکھوالو، اور آپ قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو، یا آپ بیچو۔ میں وہ نقد لے کر بازار میں گیا، اسباب سوداگری کا خرید کر کر، ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا۔ نوشت خواند سے خاطر جمع کر لی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا۔ بہن نے ایک سرے پاؤ بھاری اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا، اور مٹھائی پکوان ایک خاصدان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا، اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوا دی، امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا، دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر، آنسو پی کر بولی سدھارو! تمہیں خدا کو سونپا، پیٹھ دکھائے جاتے ہو، اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔ میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا۔ تمہارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا۔ وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسہ کر کے، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا، بہت رات جا چکی تھی۔ دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی کہ مسافر ہوں دور سے دھاوا مارے آتا ہوں،

اُلر لواڑ کھول دو، شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں، اندر سے گھڑک کر بولے۔ اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں، کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟ جب میں نے جواب صاف ان سے سنا شہر پناہ کی دیوار کے تلے، گھوڑے پر سے اُتر زین پاش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا، جس وقت آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہوئی، سنسان ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے، یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر، خزانہ غیب سے عنایت کیا۔ جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا، ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا، دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اُسے کھولا، ایک معشوق، خوب صورت کامنی سی عورت، جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے، گھائل، لہو میں تربتر، آنکھیں بند کیے پڑی کلبلاتی ہے، آہستہ آہستہ ہونٹھ ہلتے ہیں اور یہ آواز مُنہ سے نکلتی ہے۔ اے کم بخت بے وفا! اے ظالم پُر جفا! بدلا اس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تو نے کیا؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا، میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا۔ یہ کہہ کر اسی بے ہوشی کے عالم میں دوپٹے کا آنچل مُنہ پر لے لیا۔ میری طرف دھیان نہ کیا۔

فقیر اس کو دیکھ کر اور یہ بات سن کر سُن ہوا۔ جی میں آیا، کس بے حیا، ظالم نے کیوں ایسے نازنین صنم کو زخمی کیا، کیا اس کے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اس پر کیوں کر چلایا؟ اس کے دل میں تو محبت اب تلک باقی ہے، جو اس جاں کندنی کی حالت میں اس کو یاد کرتی ہے۔ میں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا، آواز اس کے کان میں گئی ایک مرتبہ کپڑا منہ سے سرکا مجھ کو دیکھا جس وقت اس کی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں مجھے غش آنے اور جی سنسنانے لگا۔ بہ زور اپنے تئیں تھانبا، جرأت کر کے پوچھا: سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے؟ اگر بیان کرو تو میرے دل کو تسلی ہو۔ یہ سن کر، اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی آہستے سے کہا: شکر ہے میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے۔ کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں، جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے جواں مردی کر کے، مجھ بد بخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو، تو میں بھلے برے کی زبان سے نجات پاؤں اور تو داخل ثواب

کے ہو۔ اتنا بول کر چپ ہوئی۔

رات کو مجھ سے کچھ تدبیر نہ ہوسکی۔ وہ صندوق اپنے پاس اٹھالایا اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب اتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جاکر جو کچھ علاج اس کا ہوسکے، بہ مقدور اپنے کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہوگئی کہ دل گھبرا گیا۔ بارے خدا خدا کر، صبح جب نزدیک ہوئی، مرغ بولا آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے فجر کی نماز پڑھ کر صندوق کو خورجی میں کسا۔ جونہیں دروازہ شہر کا کھلا، میں شہر میں داخل ہوا۔ ہر ایک آدمی اور دکان دار سے حویلی کرایے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈتے ایک مکان خوش قطع نیا فراغت کا بھاڑے لے کر جا اترا۔ پہلے اس معشوق کو صندوق سے نکال کر، روئی کے پہلوؤں پر ملائم بچھونا کرکے ایک گوشے میں لٹایا۔ اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑ کر، فقیر، جراح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاری گر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: ایک حجام جراحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں یکتہ ہے، اور اس کام میں نپٹ پکا ہے۔ اگر مردے کو اُس پاس لے جاؤ خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اٹھے۔ وہ اس محلّے میں رہتا ہے اور عیسیٰ نام ہے۔

میں یہ مژدہ سُن کر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے پتے سے اس کے دروازے پر پہنچا۔ ایک مرد سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا، اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لیے کچھ پیس پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا: میں تمہارا نام اور خوبیاں سُن کر آیا ہوں۔ ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے تجارت کے لیے چلا، قبیلے کو بہ سبب محبت کے ساتھ لیا۔ جب نزدیک اس شہر کے آیا، تھوڑی سی دور رہا تھا۔ جو شام پڑگئی، ان دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا میدان میں ایک درخت کے تلے اُتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا۔ جو کچھ مال اسباب پایا، لوٹ لیا، گہنے کے لالچ سے اس بی بی کو بھی گھائل کیا، مجھ سے کچھ نہ ہوسکا۔ رات جو باقی تھی، جوں توں کر کاٹی، فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرایہ پر لیا۔ ان کو وہاں رکھ کر میں تمہارے پاس دوڑا آیا ہوں۔ خدا

نے تمہیں یہ کمال دیا ہے، اس مسافر پر مہربانی کرو، غریب خانے تشریف لے چلو، اس کو دیکھو، اگر اس کی زندگی ہوئی تو تمہیں بڑا جس ہوگا، اور میں ساری عمر غلامی کروں گا۔ عیسیٰ جراح بہت رحم دل اور خدا پرست تھا، میری غریبی کی باتوں پر ترس کھا کر میرے ساتھ اس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلّی کی، بولا کہ خدا کے کرم سے اس بی بی کے زخم چالیس دن میں بھر آویں گے۔ غسل شفا کا کروا دوں گا۔

غرض اس مردِ خدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف کیا۔ جو لائق ٹانکوں کے پائے، انہیں سیا۔ باقی گھاؤں پر اپنے کھیسے سے ایک ڈبیا نکال کر، کتنوں میں بتی رکھی، اور کتنوں پر پھاہے چڑھا کر، پٹی سے باندھ دیا اور نہایت شفقت سے کہا: میں دونوں وقت آیا کروں گا، تو خبردار رہیو، ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ مرغ کا شوربا بجائے غذا اس کے حلق میں چوائیو، اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجو، جو قوت رہے۔ یہ کہہ کر رخصت چاہی، میں نے بہت منت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا: تمہارے تشفی دینے سے میری بھی زندگی ہوئی، نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا۔ خدا تمہیں سلامت رکھے۔ عطر پان دے کر رخصت کیا۔ میں رات دن خدمت میں اس پری کی حاضر رہتا، آرام اپنے اوپر حرام کیا۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اس کے چنگے ہونے کی دعا مانگتا۔

اتفاقاً وہ سوداگر بھی آپہنچا اور میرا مالِ امانت میرے حوالے کیا۔ میں نے اسے اونے پونے بیچ ڈالا، اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا۔ وہ مرد جراح ہمیشہ آتا جاتا، تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے غسل شفا کا کیا۔ عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عیسیٰ حجام کے آگے دھریں اور اس پری کو مکلّف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا فقیر، غریبوں کو بہت سی خیر خیرات کی۔ اس دن گویا بادشاہت ہفت اقلیم کی اس فقیر کے ہاتھ لگی۔ اور اس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اُس کے جمال پر ٹھہرے۔ فقیر

بہ سروچشم اس کے حکم میں حاضر رہتا۔ جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے حسن کے غرور اور
سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی: خبردار! اگر تجھے ہماری خاطر
منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دم نہ ماریو، جو ہم کہیں سو بلا عذر کیے جائیو، اپنا کسی بات
میں دخل نہ کریو، نہیں تو پچتاوے گا۔ اس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق میری خدمت
گزاری اور فرماں برداری کا اسے البتہ منظور ہے۔ فقیر بھی اس کی بے مرضی ایک کام نہ کرتا
اس کا فرمانا بہ سروچشم بجا لاتا۔

ایک مدت اسی راز و نیاز میں کٹی، جو اس نے فرمایش کی وہیں میں نے لا کر حاضر
کی۔ اس فقیر پاس جو کچھ جنس اور نقد اصل و نفع کا تھا۔ سب صَرف ہوا۔ اُس بیگانے ملک
میں کون اعتبار کرے جو قرض دام سے کام چلے؟ آخر تکلیف روزمرے کے خرچ کی ہونے
لگی اس سے دل بہت گھبرایا، فکر سے دبلا ہوتا چلا، چہرے کا رنگ کلجھواں ہوگیا، لیکن کس
سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گزرے سو گزرے قہر درویش برجانِ درویش۔ ایک دن اُس پری
نے اپنے شعور سے دریافت کر کے کہا، اے فلانے! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں
ش کالحجر ہے، پر اس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہوسکتا۔ اگر واسطے خرچ ضروری کے کچھ
درکار ہو، تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر۔ میں نے تب
معلوم کیا، کسی ملک کی پادشاہ زادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے۔ فی الفور قلم
دان آگے رکھ دیا۔ اس نازنین نے ایک شقہ دستخطِ خاص سے لکھ کر میرے حوالے کیا اور کہا:
قلعے کے پاس ترپولیا ہے، وہاں اس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ہے اس مکان کے مالک
کا نام سیدی بہار ہے۔ تو جا کر اس رقعے کو اس تلک پہنچا دے۔

فقیر موافق فرمانے اس کے اسی نام و نشان پر منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔ دربان کی زبانی
کیفیت خط کی کہلا بھیجی۔ وہیں سنتے ہی ایک حبشی جوان خوب صورت، ایک پھینٹا طرح دار
بجے ہوئے، باہر نکل آیا۔ اگرچہ رنگ سانولا تھا۔ پر، گویا، تمام نمک بھرا ہوا۔ میرے ہاتھ
سے خط لے لیا، نہ بولا، نہ کچھ پوچھا۔ انہیں قدموں پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں گیارہ

اں سر بہ مہر زربفت کے تورہ پوش پڑے ہوئے، غلاموں کے سر پر دھرے باہر آیا۔
ا اس جوان کے ساتھ جا کر، چوگوشے پہنچا دو۔ میں بھی سلام کر، رخصت ہوا۔ اپنے
ں میں لایا۔ آدمیوں کو دروازے کے باہر سے رخصت کیا۔ دو کشتیاں امانت حضور میں
ی کے گزرانیاں۔ دیکھ کر فرمایا: یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کے لے اور خرچ میں لا، خدا
ال ہے۔ فقیر اس نقد کو لے کر، ضروریات میں خرچ کرنے لگا۔ اگرچہ خاطر جمع ہوئی، پر
ں یہ خلش رہی، یا الٰہی! یہ کیا صورت ہے؟ بغیر پوچھے گچھے، اتنا مال، ناآشنا صورت
ں نے ایک پُرزے کاغذ پر میرے حوالے کیا۔ اگر اس پری سے یہ بھید پوچھوں، تو اس
پہلے ہی منع کر رکھا تھا۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو انسانیت
جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو۔ اگرچہ پُرانے کپڑے سے اس کی آدمیت میں
ل نہیں آتا، پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا۔ دو توڑے اشرفی کے
اتھ لے کر، چوک کے چوراہے پر یوسف سوداگر کی دکان میں جا، اور کچھ رقم جواہر کی بیش
ت، اور دو خلعتیں زرق و برق کی مول لے آ۔ فقیر وونہیں سوار ہوکر اس کی دکان پر گیا،
یکھا تو ایک جوان شکیل، زعفرانی جوڑا پہنے گدی پر بیٹھا ہے اور اک یہ عالم ہے کہ ایک
عالم دیکھنے کے لیے دکان سے بازار تک کھڑا ہے۔ فقیر کمالِ شوق سے نزدیک جا کر، سلام
علیک کر کر بیٹھا، اور جو جو چیز مطلوب تھی، طلب کی۔ میری بات چیت اس شہر کے باشندوں
ی ی نہ تھی۔ اس جوان نے گرم جوشی سے کہا: جو صاحب کو چاہیے موجود ہے، لیکن یہ
مایئے کس ملک سے آنا ہوا؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اس حقیقت
مطلع کیجیے تو مہربانی سے بعید نہیں۔ میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ کچھ
ات بنا کر اور جواہر پوشاک لے کر اور قیمت اس کی دے کر رخصت چاہی، اس جوان نے
لے پھیکے ہوکر کہا! اے صاحب! اگر تم کو ایسی ہی ناآشنائی کرنی تھی تو پہلے دوستی اتنی گرمی
کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اس
ے اور انداز سے کہی، بے اختیار دل کو بھائی اور بے مروت ہوکر وہاں سے اٹھا انسانیت

نے مناسب نہ جانا۔ اس کی خاطر پھر بیٹھا اور بولا: تمہارا فرمانا سر آنکھوں پر، میں حاضر ہوں۔

اتنے کہنے سے بہت خوش ہوا۔ ہنس کر کہنے لگا: اگر آج کے دن غریب خانے پر کرم کیجیے، تو تمہاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر، دو چار گھڑی دل بہلاویں، اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں۔ فقیر نے اس پری کو کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا۔ اس کی تنہائی یاد کرکر، چند در چند عذر کیے، پر اس جوان نے ہرگز نہ مانا، آخر وعدہ ان چیزوں کو پہنچا کر، میرے پھر آنے کا لے کر اور قسم کھلا کر رخصت دی۔ میں دکان سے اُٹھ کر، جواہر اور خلعتیں اس پری کی خدمت میں لایا۔ اس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ میں نے سارا احوال مول تول کا اور مہمانی کے بجِد ہونے کا کہہ سنایا۔ فرمانے لگی: آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے۔ ہمیں خدا کی نگہبانی میں چھوڑ کر، اپنے وعدے کو وفا کر، ضیافت قبول کرنی، سنت رسولؐ کی ہے۔ تب میں نے کہا: میرا دل چاہتا نہیں کہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں اور حکم یوں ہوتا ہے، لاچار جاتا ہوں جب تلک آؤں گا، دل یہیں لگا رہے گا۔ یہ کہہ کر پھر اس جوہری کی دکان پر گیا۔ وہ مونڈھے پر بیٹھا میرا انتظار کھینچ رہا تھا۔ دیکھتے ہی بولا: آؤ مہربان! بڑی راہ دکھائی۔

وُہیں اُٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا، جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا۔ وہ بڑی بہار کا باغ تھا، حوض اور نہروں میں فوارے چھوٹتے تھے، میوے طرح بہ طرح کے پھل رہے تھے، ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا، رنگ بہ رنگ کے جانور ان پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے، اور ہر مکان عالی شان میں فرش ستھرا بچھا تھا۔ وہاں لبِ نہر ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد آپ اُٹھ کر چلا گیا، پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا۔ میں نے دیکھ کر کہا: سبحان اللہ، چشم بد دور! سن کر مسکرایا اور بولا: مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں۔ اُس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے۔ اُس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی۔ اور سامان خوشی کا جیسا چاہیے موجود کیا، اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صراحی و پیالہ بلور کا لے کر حاضر ہوا، اور گزک [illegible] قسم کی لا رکھی۔ نمک دان چُن دیے، دور شراب کا شروع ہوا۔

جب دو جام کی نوبت پہنچی، چار لڑکے امرد، صاحبِ جمال، زلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے، گانے بجانے لگے۔ یہ عالم ہوا اور ایسا سماں بندھا، اگر تان سین اس گھڑی ہوتا تو اپنی تان بھول جاتا اور بیجو باورا سُن کر باولا ہو جاتا۔ اس مزے میں ایک بارگی وہ جوان آنسو بھر لایا، دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے، اور فقیر سے بولا: اب ہمارے تمہارے دوستی جانی ہوئی، پس دل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسو مذہب میں درست نہیں۔ ایک بات بے تکلف آشنائی کے بھروسے کہتا ہوں، اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بلوا کر اس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں۔ اس کی جدائی سے جی نہیں لگتا۔

یہ بات ایسے اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دل بھی مشتاق ہوا۔ میں نے کہا: مجھے تمہاری خوشی درکار ہے، اس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجیے، سچ ہے معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اس جوان نے چلوَن کی طرف اشارت کی، وُہیں ایک عورت کالی کلوٹی بھتنی سی، جس کے دیکھنے سے انسان بے اَجَل مر جاوے، جوان کے پاس آ بیٹھی۔ فقیر اس کے دیکھنے سے ڈر گیا۔ دل میں کہا: یہی بلا محبوبہ ایسے جوان پری زاد کی ہے۔ جس کی اتنی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا! میں لاحول پڑھ کر چپ ہو رہا۔ اسی عالم میں تین دن رات مجلس شراب اور راگ رنگ کی جمی رہی۔ چوتھی شب کو غلبہ نشے اور نیند کا ہوا۔ میں خواب غفلت میں بے اختیار سو گیا۔ جب صبح ہوئی، اس جوان نے جگایا، کئی پیالے خمار شکنی کے پلا کر، اپنی معشوقہ سے کہا اب زیادہ تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں۔

دونوں ہاتھ پکڑ کے اُٹھے، میں نے رخصت مانگی، خوشی بہ خوشی اجازت دی۔ تب میں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لیے۔ اپنے گھر کی راہ لی اور اُس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اتفاق کبھو نہ ہوا تھا کہ اُسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہو کر عذر کیا۔ اور قصہ ضیافت کا اور اس کے نہ رخصت کرنے کا سارا عرض کیا۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی، تبسم کر کے بولی: کیا مضایقہ۔ اگر ایک دوست کی خاطر رہنا ہوا؟ ہم نے معاف کیا، تیری کیا تقصیر ہے؟ جب آدمی کسو کے گھر جاتا ہے، تب اس کی مرضی سے پھر آتا ہے۔ لیکن یہ مفت کی مہمانیاں کھا پی کر، چپکے

ہو رہو گے یا اس کا بدلا بھی اُتار دو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اس سوداگر بچّے کو اپنے
ساتھ لے آؤ، اور اس سے دو چند ضیافت کرو اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں۔ خدا کے کرم
سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جاوے گا اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پاوے گی۔
فقیر موافق حُکم کے جوہری پاس گیا اور کہا: تمہارا فرمانا میں نے تو سر آنکھوں سے بجالایا، اب تم
بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو۔ اس نے کہا: جان و دل سے حاضر ہوں۔

تب میں نے کہا: اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو، عین غریب نوازی ہے۔

اس جوان نے بہت عذر اور حیلے کیے، پر میں نے پنڈ نہ چھوڑا، جب تلک وہ راضی ہوا۔
ساتھ ہی ساتھ اس کو اپنے مکان پر لے چلا۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا آتا تھا کہ اگر آج
اپنے تئیں مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا۔ اب میں اسے لیے جاتا ہوں،
دیکھیے کیا اتفاق ہوتا ہے۔ اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا، تو دیکھتا ہوں کہ دروازے
پر دھوم دھام ہو رہی ہے، گلیارے میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے۔ یساؤل اور عصٰی بردار
کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا۔ دیکھا تو تمام حویلی میں
فرشِ مکلّف لائق ہر مکان کے جابجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پان دان گلاب پاش، عطر
دان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھریں ہیں۔ طاقوں پر رنگترے، کنولے، نارنگیاں
اور گلابیاں، رنگ بہ رنگ کی چُنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹیٹوں میں چراغاں
کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں
طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔ سب آدمی
اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں۔ باورچی خانے میں دیگیں ٹھنٹھنا رہی ہیں۔ آب دار خانے
کی ویسی ہی تیاری ہے۔ کوری کوری ٹھلیاں، روپے کی گھڑونچیوں پر، صافیوں سے بندھی
اور بجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں۔ آگے چوکی پر ڈونگے، کٹورے، بہ مع تھالی، سر پوش دھرے
۔ برف کے آب خورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔

غرض سب اسباب پادشاہانہ موجود ہے اور کنچنیاں، بھانڈ، بھگتیے، کلاونت، قوّال
اچھی پوشاک پہنے، ساز کے سُر ملائے حاضر ہیں۔ فقیر نے اس جوان کو لے جا کر مسند پر

بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الٰہی! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیوں کر ہوئی؟ ہر
طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اُس پری کا نشان کہیں نہ پایا۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی
خانے کی طرف جا نکلا، دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کُرتی، پانو میں تہ
پوشی، سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے، سادی خوزادی، بن گہنے پاتے بنی ہوئی۔

نہیں محتاج زیور کا، جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند، بن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کی لگ رہی ہے اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے کہ
خبردار! بامزہ ہو اور آب و نمک بو باس درست رہے، اس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا
پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

میں پاس جا کر تصدق ہوا اور اس شعور و لیاقت کو سراہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ
خوشامد سن کر تیوری چڑھا کر بولی: آدمی سے ایسے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال
نہیں، میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانیں مجھے خوش
نہیں آتیں۔ بھلا کہہ تو یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھلا کر، ادھر اُدھر پڑے پھرے؟
وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا۔ مجلس میں بیٹھ کر مہمان کی خاطرداری کر، اور اس کی
معشوقہ کو بھی بُلوا کر اس کے پاس بٹھلا۔ فقیر وونہیں اس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی
کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحب جمال صراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لیے، رُو بہ رُو
آئے، شراب پلانے لگے۔ اس میں میں نے اس جوان سے کہا: میں سب طرح مخلص اور
خادم ہوں، بہتر یہ ہے کہ وہ صاحب جمال کہ جس کی طرف دل صاحب کا مائل ہے،
تشریف لاوے تو بڑی بات ہے۔ اگر فرماؤ تو آدمی بلانے کی خاطر جاوے۔ یہ سُنتے ہی
خوش ہو کر بولا: بہت اچھا اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی۔ میں نے ایک خوجے کو
بھیجا۔ جب آدھی رات گئی۔ وہ چڑیل خاصے چوڈول پر سوار ہو کر، بلائے ناگہانی سی آ پہنچی۔

فقیر نے لاچار خاطر سے مہمان کی استقبال کر کر، نہایت تپاک سے برابر اس
جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی۔ وہ بھتنی بھی

اس جوان پری زاد کے گلے لپٹ گئی۔ سچ مچ یہ تماشا ہوا، جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے؟ اپنی اپنی انگلیاں دانتوں میں دابنے لگے کہ کیا کوئی بلا اس جوان پر مسلّط ہوئی؟ سب کی نگاہ اسی طرف تھی، تماشا مجلس کا بُھول کر اُس کا تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص کنارے سے بولا: یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے جو کچھ عقل میں نہ آوے، یہ کافر عشق کر دکھاوے، لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو۔ سبھوں نے کہا: آمنّا یہی بات ہے۔

یہ فقیر بہ موجب حکم کے، مہمان داری میں حاضر تھا۔ ہر چند جوان ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو مجوّز ہوتا تھا، پر میں ہرگز اس پری کے خوف کے مارے اپنا دل کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا، اور عذر مہمان داری کا کرکے اس کے شامل نہ ہوتا۔ اسی کیفیت سے تین شبانہ روز گزرے۔ چوتھی رات وہ جوان نہایت جوشش سے مجھے بلا کر کہنے لگا: اب ہم بھی رخصت ہوں گے، تمہاری خاطر اپنا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر تین دن سے تمہاری خدمت میں حاضر ہیں، تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر، ہمارا دل خوش کرو۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا، اگر اس وقت کہنا اس کا نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا! پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضرور ہے، تب یہ کہا: صاحب کا حکم بجا لانا منظور کہ الامر فوق الادب۔ سنتے ہی اس کو، جوان نے پیالہ تواضع کیا، اور میں نے پی لیا۔ پھر تو ایسا پیہم دور چلا کہ تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے کیفی ہوکر، بے خبر ہوگئے اور میں بھی بے ہوش ہوگیا۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے، بلند ہوا تب میری آنکھ کھلی تو دیکھا میں نے، نہ وہ تیاری ہے، نہ وہ مجلس، نہ وہ پری فقط خالی حویلی پڑی ہے۔ مگر ایک کونے میں کمبل لپٹا ہوا دھرا ہے۔ جو اس کو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اور اس کی رنڈی، دونوں سر کٹے پڑے ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے، عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا۔ اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا۔ فقیر کو اس کے دیکھنے سے کچھ تسلّی ہوئی احوال اس واردات کا پوچھا۔

ں نے جواب دیا: تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل، جو تو پوچھتا ہے؟ میں نے ی اپنے دل میں غور کی کہ سچ تو کہتا ہے۔ پھر ایک ذرا تامّل کرکے میں بولا: خیر نہ کہو، ھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟ تب اس نے کہا: البتہ جو میں جانتا ہوں، سو کہہ وں گا، لیکن تجھ سا آدمی عقل مند، بے مرضی حضور کے، دو دن کی دوستی پر بے محابا تکلّف ہوکر حبت مے نوشی کی باہم گرم کرے، یہ کیا معنی رکھتا ہے؟

فقیر اپنی حرکت اور اس کی نصیحت سے بہت نادم ہوا۔ سوائے اس بات کے بان سے کچھ نہ نکلا۔ فی الحقیقت اب تو تقصیر ہوئی، معاف کیجیے۔ بارے محلّی نے مہربان ہوکر اس پری کے مکان کا نشان بتایا اور مجھے رخصت کیا آپ ان دونوں زخمیوں کے گاڑنے ابنے کی فکر میں رہا۔ میں تہمت سے اس فساد کی الگ ہوا اور اشتیاق میں اس پری کے ملنے کے لیے گھبرایا ہوا، گرتا پڑتا ڈھونڈھتا، شام کے وقت اس کوچے میں اسی پتے پر جا پہنچا، اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات تلپھتے کٹی، کسو کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی، اور کوئی پرساں میرا نہ ہوا۔ اسی بے کسی کی حالت میں صبح ہوگئی۔ جب سورج نکلا، اس مکان کے بالا خانے کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رو میری طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت عالم خوشی کا جو مجھ پر گذرا، دل ہی جانتا ہے، شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آکر کہا: اس مسجد میں تو جا کر بیٹھ، شاید تیرا مطلب اس جگہ برآوے اور اپنے دل کی مراد پاوے۔ فقیر فرمانے سے اُس کے وہاں سے اٹھ کر اسی مسجد میں جا رہا، لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہیں تھیں کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ تمام دن جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے، میں نے بھی وہ روز ویسی ہی بے قراری میں کاٹا۔ بارے جس تس طرح سے شام ہوئی اور دن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا۔ ایک بارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اس پری کے مکان کا پتا دیا تھا) مسجد میں آیا۔ بعد فراغت نماز مغرب کے، میرے پاس آکر اس شفیق نے (کہ سب راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلّی دے کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بیٹھا کر کہا: یہاں رہو، جب تک تمہاری آرزو برآوے۔ اور آپ رخصت

ہوکر شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا۔ میں اس باغ کے پھولوں کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض نہروں میں فوارے ساون بھادوں کے اچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔لیکن جب پھولوں کو دیکھتا، تب اس گل بدن کا خیال آتا، جب چاند پر نظر پڑتی، تب اس مہ رُو کا مُکھڑا یاد کرتا۔ یہ سب بہار اس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے، خدا نے اس کے دل کو مہربان کیا۔ ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے، جیسے چودھویں رات کا چاند، بناؤ کیے، گلے میں پشواز بادلے کی، سنجاف کی، موتیوں کا در دامن ٹکا ہوا، اور سر پر اوڑھنی جس میں آنچل پلّو، لہر، گوکھرو لگا ہوا۔ سر سے پانو تک موتیوں میں جڑی، روش پر آکر کھڑی ہوئی، اس کے آنے سے تر و تازگی نئے سر سے اس باغ کو اور فقیر کے دل کو ہوگئی۔ ایک دم اِدھر اُدھر سیر کرکر، شہ نشین میں مغرّق مسند پر تکیہ لگا بیٹھی۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح (جیسے شمع کے گرد پھرتا ہے) تصدّق ہوا اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اس میں وہ خُوجہ میری خاطر بہ طور سفارش کے عرض کرنے لگا۔ میں نے اس محلّی سے کہا: بندہ گنہگار تقصیروار ہے، جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے، سو ہو، وہ پری از بس کہ ناخوش تھی، بددماغی سے بولی کہ اب اس کے حق میں یہی بھلا ہے کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے، اپنا اسباب درست کرکے، وطن کو سدھارے۔

میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہوگیا اور سوکھ گیا، کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے، اور تمام دنیا آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی، اور ایک آہ نامرادی کی بے اختیار جگر سے نکلی، آنسو بھی ٹپکنے لگے، سوائے خدا کے اس وقت کسو کی توقع نہ رہی، مایوسِ محض ہوکر اتنا بولا: بھلا ٹک اپنے دل میں غور فرمائیے، اگر مجھ کم نصیب کو دنیا کا لالچ ہوتا، تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا۔ کیا ایک بارگی حق خدمت گزاری اور جاں نثاری کا عالم سے اٹھ گیا، مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی؟ خیر اب میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں، معشوقوں کی بے وفائی سے بے چارے عاشق نیم جاں کا نباہ نہیں ہوتا۔

یہ سن کر تیکھی ہو، تیوری چڑھا کر، خفگی سے بولی: چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔ اے بے وقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانیں خیالِ

خام ہے، چھوٹا منہ بڑی بات، بس چُپ رہ یہ نکمّی بات چیت مت کر، اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی، پروردگار کی سوں اس کی بوٹیاں کٹوا، چیلوں کی بانٹتی۔ پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے۔ اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے، تیری قسمت کا دانا پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا۔ پھر میں نے روتے بسورتے کہا: اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں۔اس بات سے بھی دق ہو کہنے لگی: میرے تئیں یے پھسا ہندے چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں، اس اشارے کی گفتگو کے جو لائق ہو۔اس سے جاکر کر۔ پھر اسی خفگی کے عالم میں اٹھ کر اپنے دولت خانے کو چلی۔ میں نے بہتیرا سر پٹکا، متوجہ نہ ہوئی۔لاچار میں بھی اس مکان سے اُداس اور نااُمید ہوکر نکلا۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اکتاتا، جنگل میں نکل جاتا۔ جب وہاں سے گھبراتا، پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا۔ نہ دن کو کھاتا، نہ رات کو سوتا، جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ زندگی انسان کی کھانے پینے سے ہے، آدمی اناج کا کیڑا ہے، طاقت بدن میں مطلق نہ رہی اپاہج ہوکر اسی مسجد کی دیوار کے تلے جا پڑا، کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا، میرے پاس سے ہوکر چلا میں یہ شعر آہستہ ناطاقتی سے پڑھ رہا تھا۔

اس دردِ دل سے موت ہو، یا دل کو تاب ہو قسمت میں جو لکھا ہو، الٰہی! شتاب ہو

اگرچہ ظاہر میں صورت میری بالکل تبدیل ہوگئی تھی۔ چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا، وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ آدمی ہے۔لیکن وہ محلّی، آواز درد کی سن کر متوجہ ہوا، میرے تئیں بہ غور دیکھ کر افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ہوا کہ آخر یہ حالت پہنچائی۔ میں نے کہا: اب تو جو ہوا سو ہوا، مال سے بھی حاضر تھا، جان بھی تصدق کی، اس کی خوشی یوں ہی ہوئی، تو کیا کروں، یہ سن کر ایک خدمت گار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا، نماز اور خطبے سے فراغت کرکر، جب باہر نکلا، فقیر کو ایک میانے میں ڈال کر اپنے ساتھ خدمت میں اس پری بے پروا کی لے جاکر، چق کے باہر بٹھایا۔ اگر

میری روہت کچھ باقی نہ رہی تھی، پر مدت تلک شب و روز اس پری کے پاس اتفاق رہنے کا
ہوا تھا۔ جان بوجھ کر بے گانی ہوکر، خوجے سے پوچھنے لگی: یہ کون ہے؟ اس مرد آدمی نے کہا:
یہ وہی کم بخت بدنصیب ہے، جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا، اسی سبب سے اس کی یہ
صورت بنی ہے، عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے۔ ہر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ہے، پر
وہ دونی بھڑکتی ہے، کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ علاوہ اپنی تقصیر کی خجالت سے ہوا جاتا ہے۔ پری
نے ٹھٹھولی سے فرمایا: کیوں جھوٹھ بکتا ہے؟ بہت دن ہوئے اس کی خبر وطن پہنچنے کی مجھے
خبرداروں نے دی ہے۔ واللہ اعلم یہ کون ہے اور تو کس کا ذکر کرتا ہے؟ اس دم خواجہ سرا نے
ہاتھ جوڑ کر التماس کیا۔ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ فرمایا کہ تیری جان تجھے بخشی۔
خوجا بولا: آپ کی ذات قدر دان ہے؛ واسطے خدا کے چلوَن کو درمیان سے اٹھوا کر پہنچانیے
اور اس کی بے کسی کی حالت پر رحم کیجیے، ناحق شناسی خوب نہیں۔ اب اس کے احوال پر جو
کچھ ترس کھائیے بجا ہے اور جائے ثواب ہے۔ آگے خدِ ادب جو مزاجِ مبارک میں آوے
، سو ہی بہتر ہے۔ اتنے کہنے پر مسکرا کر فرمایا: بھلا کوئی ہو، اسے دارالشفا میں رکھو، جب بھلا
چنگا ہوگا۔ تب اس کے احوال کی پُرسش کی جائے گی۔ خوجے نے کہا: اگر اپنے دستِ خاص
سے گلاب اس پر چھڑکیے اور زبان سے کچھ فرمایئے، تو اس کو اپنے جینے کا بھروسہ بندھے؛
ناامیدی بری چیز ہے، دنیا بہ امید قائم ہے۔ اس پر بھی اس پری نے کچھ نہ کہا۔ یہ سوال
جواب سن کر میں بھی اپنے جی سے اکتا رہا تھا۔ ندھڑک بول اٹھا کہ اب اس طور کی زندگی
کو دل نہیں چاہتا، پاؤں تو گور میں لٹکا چکا ہوں، ایک روز مرنا ہے اور علاج میرا پادشاہ زادی
کے ہاتھ میں ہے۔ کریں یا کریں۔ وہ جانیں بارے مقلب القلوب نے اس سنگ دل کے
دل کو نرم کیا۔ مہربان ہوکر فرمایا: جلد پادشاہی حکیموں کو حاضر کرو۔ وونہیں طبیب آ کر جمع
ہوئے۔ نبض، قارورہ دیکھ کر بہت نمو کی۔ آخرش تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا
ہے؛ سوائے وصل معشوق کے اس کا کچھ علاج نہیں۔ جس وقت وہ ملے یہ صحت پاوے،
جب حکیموں کی بھی زبانی یہی مرض میرا ثابت ہوا۔ حکم کیا: اس جوان کو گرمابے میں لے

جاؤ، نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر، حضور میں لے آؤ۔ وونہیں مجھے باہر لے گئے۔ حمام کروا
اچھے کپڑے پہنا، خدمت میں پری کی حاضر کیا۔ تب وہ نازنین تپاک سے بولی: تو نے مجھے
بیٹھے بٹھائے ناحق بدنام اور رسوا کیا، اب اور کیا کیا چاہتا ہے؟ جو تیرے دل میں ہے،
صاف صاف بیان کر۔

یا فقرا! اس وقت یہ عالم ہوا کہ شادی مرگ ہو جاؤں، خوشی کے مارے ایسا پھولا
کہ جامے میں نہ سماتا تھا، اور صورت شکل بدل گئی۔ شکر خدا کا کیا اور اس سے کہا اس دم
ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مردے کو ایک بات میں زندہ کیا۔ دیکھو تو اس وقت
سے اس وقت تک میرے احوال میں کیا فرق ہوگیا؟ یہ کہہ کر تین بار گرد پھرا اور سامنے آ کر
کھڑا ہوا اور کہا: حضور سے یوں حکم ہوتا ہے کہ جو تیرے جی میں ہو سو کہہ؛ بندے کو ہفت
اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے کہ غریب نوازی کر کر، اس عاجز کو قبول کیجیے، اور اپنی قدم
بوسی سے سرفرازی دیجیے۔ ایک لحظہ تو سن کر غوطے میں گئی پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا: بیٹھو
تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے، جو کچھ کہو سو پھبے ہے اور اپنے بھی دل پر نقش
ہے، خیر ہم نے قبول کیا۔

اسی دن اچھی ساعت سُبھ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔ بعد اتنی
محنت اور آفت کے، خدا نے یہ دن دکھایا کہ میں نے اپنے دل کا مدعا پایا۔ لیکن جیسی دل
میں آرزو اس پری سے ہم بستر ہونے کی تھی ویسی ہی جی میں بے کلی اس واردات عجیب
کے معلوم کرنے کی تھی، کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی
سانولا سجیلا (جس نے ایک پرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدلے میرے حوالے کیے
تھے) کون تھا؟ اور تیاری ضیافت کی پادشاہوں کے لائق ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟ اور وہ
دونوں بے گناہ اس مجلس میں کس لیے مارے گئے؟ اور سبب خفگی اور بے مروتی کا (باوجود
خدمت گزاری اور ناز برداری کے) مجھ پر کیا ہوا؟ اور پھر ایک بارگی اس عاجز کو یوں سربلند
کیا؟ غرض اسی واسطے، بعد رسم و رسوماتِ عقد کے، آٹھ دن تلک، باوصف اس اشتیاق کے

قصد مباشرت کا نہ کیا رات کو ساتھ سوتا، دن کو یونہیں اٹھ کھڑا ہوتا۔

ایک دن غسل کرنے کے لیے، میں نے خواص کو کہا کہ تھوڑا پانی گرم کر دے تو نہاؤں ۔ ملکہ مسکرانے کر بولی کس برتے پر تتا پانی ؟ میں خاموش ہو رہا ۔ لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی۔ بلکہ چہرے پر آثار خفگی کے نمود ہوئے، یہاں تلک کہ ایک روز بولی: تم بھی عجب آدمی ہو یا اتنے گرم یا ایسے ٹھنڈے ! اس کو کیا کہتے ہیں؟ اگر تم میں قوت نہ تھی تو کیوں ایسی کچی ہو اس پکائی ؟ اس وقت میں نے بے دھڑک ہوکر کہا اے جانی ! منصفی شرط ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ انصاف سے نہ چوکے۔ بولی: اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔ فقیر نے کہا: واقعی بڑی آرزو اور مراد میری یہی تھی، سو مجھے ملی ، لیکن دل میرا دبدھے میں ہے، اور دودلے آدمی کی خاطر پریشان رہتی ہے اس سے کچھ ہو نہیں سکتا، انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے، میں نے اپنے میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے)بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں)حضور میں پوچھوں گا کہ زبان مبارک سے اس کا بیان سنوں تو جی کو تسکین ہو۔ اس پری نے چیں بہ جبیں ہوکر کہا: کیا خوب ! ابھی سے بھول گئے۔ یاد کرو، بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجو، اور کسی بات کے متعرض نہ ہو۔ جو خلافِ معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟ فقیر نے ہنس کر کہا: جیسی اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے، ایک یہ بھی سہی۔ وہ پری نظریں بدل کر تیہے میں آکر آگ کا بگولا بن گئی اور بولی: اب تو بہت سر چڑھا ! جا اپنا کام کر ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے کہا: دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے، پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے؟

میری اس رمز کو وہ پری وقوف سے دریافت کر کر، کہنے لگی یہ بات سچ ہے، پر جی میں یہ سوچ آتا ہے کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو، تو بڑی قیامت مچے۔ میں بولا: یہ کیا مذکور ہے؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ، اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی

ہے، فرماؤ، ہرگز ہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤں گا، کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے؟

جب اس نے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے، اس عزیز سے چھٹکارا نہیں لاچار ہوکر بولی : ان باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں، تو خواہ نہ خواہ در پے ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے، اس لیے اپنی سرگذشت بیان کرتی ہوں تجھے بھی اس کا پوشیدہ رکھنا ضرور ہے، خبر شرط۔ غرض بہت سی تاکید کر کر کہنے لگی: کہ میں بد بخت ملک دمشق کے سلطان کی بیٹی ہوں اور وہ سلاطینوں سے بڑا پادشاہ ہے۔ سوائے میرے کوئی لڑکا بالا اس کے یہاں نہیں ہوا۔ جس دن سے میں پیدا ہوئی۔ ماں باپ کے سائے میں ناز و نعمت اور خوشی خرمی سے پلی۔ جب ہوش آیا، تب اپنے دل کو خوب صورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چناں چہ ستھری ستھری پری زاد ہم جولی امرا شادیاں مصاحبت میں اور اچھی اچھی قبول صورت ہم عمر خواصیں سہیلیاں ، خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ دیکھا کرتی ۔ دنیا کے بھلے برے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی بےفکری کے عالم کو دیکھ کر سوائے خدا کے شکر کے، کچھ منہ سے نہ نکلتا تھا۔

اتفاقاً طبیعت خود بہ خود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسو کی بھائے نہ مجلس خوشی کی خوش آوے ۔ سودائی سا مزاج ہوگیا۔ دل اداس اور حیران، نہ کسو کی صورت اچھی لگے، نہ بات کہنے سننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھ کر دائی ، ددا، چھو چھو، انگا، سب کی سب متفکر ہوئیں اور قدم پر گرنے لگیں۔ یہی خواجہ سرا نمک حلال قدیم سے میرا محرم اور ہم راز ہے اس سے کوئی بات مخفی نہیں! میری وحشت دیکھ کر بولا کہ اگر پادشاہ زادی تھوڑا شربت ورق الخیال کا نوش جان فرمادیں، تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج میں آوے ۔ اس کے اس طرح کے کہنے سے ، مجھے بھی شوق ہوا تب میں نے فرمایا: جلد حاضر کر۔

محلی باہر گیا اور ایک صراحی اسی شربت کی تکلف سے بنا کر برف سے لگا کر، لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا۔ میں نے پیا، جو کچھ اس کا فائدہ بیان کیا تھا، ویسا ہی دیکھا ۔ اسی

خدمت کے انعام میں ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی اور حکم کیا کہ ایک صراحی ہمیشہ بلاناغہ اسی وقت حاضر کیا کر۔ اس دن سے یہ مقرر ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اُسی چھوکرے کے ساتھ لوالاوے اور بندی پی جاوے، جب اس کا نشہ طلوع ہوتا، تو اس کی لہر میں، اس لڑکے سے ٹھٹھا، مزاخ کرکر، دل بہلاتی تھی۔ وہ بھی جب ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا، اور اچنبھے کی نقلیں لانے، بلکہ آہ اُوہی بھی بھرنے اور سسکیاں لینے۔ صورت تو اس کی طرح دار، لائق دیکھنے کے تھی، بے اختیار جی چاہنے لگا۔ میں دل کے شوق سے اور اٹھکھیلیوں کے ذوق سے ہر روز انعام بخشش دینے لگی۔ پر وہ کم بخت ویسے کپڑوں سے (جیسے ہمیشہ پہنے رہتا تھا) حضور میں آتا، بلکہ وہ لباس بھی میلا کچیلا ہو جاتا۔

ایک دن پوچھا: تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا۔ پر تو نے اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی، کیا سبب ہے، وے روپے کہاں خرچ کیے یا جمع کر رکھے؟ لڑکے نے یہ خاطر داری کی باتیں جو سنیں اور مجھے احوال پُرساں پایا، آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا: جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت کیا، سب استاد نے لے لیا، مجھے ایک پیسا نہیں دیا۔ کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں، جو پہن کر حضور میں آؤں؟ اس میں میری تقصیر نہیں، میں لاچار ہوں۔ اس غریبی کے کہنے پر اس کے ترس آیا وونہیں خواجہ سرا کو فرمایا کہ آج سے اس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر اور اچھا لباس تیار کروا کر پہنا، اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے، بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب، لائق حضور کی خدمت کے سیکھنے اور حاضر رہے۔ خواجہ سرا موافق فرمانے کے بجا لایا، اور میری مرضی جو ادھر دیکھی، نہایت اس کی خبر گیری کرنے لگا۔ تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے اس کا رنگ روغن کچھ کا کچھ ہو گیا اور کینچلی سی ڈال دی۔ میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی، پر اس کافر کی صورت جی میں ایسی کھُب گئی تھی یہی جی چاہتا کہ مارے پیار کے اسے کلیجے میں ڈال رکھوں، اور اپنی آنکھوں سے ایک پَل جدا نہ کروں۔

آخر اس کو مصاحبت میں داخل کیا اور خلعتیں طرح بہ طرح کی اور جواہر رنگ بہ

رنگ کے پہنا کر دیکھا کرتی۔ بارے اس کے نزدیک رہنے سے آنکھوں کو سکھ، کلیجے کو ٹھنڈھک ہوئی، ہر دم اس کی خاطر داری کرتی۔ آخر کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم کچھ ضروری کام کو میرے سامنے سے جاتا تو چین نہ آتا۔ بعد کئی برس کے وہ بالغ ہوا۔ مسیں بھیگنے لگیں۔ چھب تختی درست ہوئی؟ تب اس کا چرچا باہر درباریوں میں ہونے لگا۔ دربان اور رونے، میوڑے، باری دار، اور یساول، چوب دار اس کو محل کے اندر آنے جانے سے منع کرنے لگے، آخر اس کا آنا موقوف ہوا۔ مجھے تو اس بغیر کل نہ پڑتی تھی، ایک دم پہاڑ تھا۔ جب یہ احوال نا امیدی کا سنا، ایسی بدحواس ہو گئی، گویا مجھ پر قیامت ٹوٹی۔ اور یہ حالت ہوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ہوں، نہ اس بن رہ سکتی ہوں، کچھ بس نہیں چل سکتا، الٰہی کیا کروں! تب اس طرح کا قلق ہوا، مارے بے قرای کے اسی محلی کو (جو میرا بھیدہ تھا) بُلا کر کہا کہ مجھے غور اور پرداخت اس لڑکے کی منظور ہے، بالفعل صالحِ وقت یہ ہے کہ ہزار اشرفی پونجی دے کر چوک کے چوراہے میں دکان جوہری کی کروا دو، تو تجارت کرکے، اس کے نفع سے اپنی گزران فراغت سے کیا کرے۔ اور میرے محل کے قریب ایک حویلی اچھے نقشے کی رہنے کے لیے بنوادو۔ لونڈی غلام نوکر چاکر جو ضرور ہوں۔ مال لے کر اور درماہا مقرر کرکر، اس پاس رکھوا دو کہ کسو طرح بے آرام نہ ہو۔ خواجہ سرا نے اس کی بود و باش کی، اور جوہری پنے اور تجارت کی سب تیاری کردی۔ تھوڑے عرصے میں اس کی دکان ایسی چمکی اور نمود ہوئی کہ جو خلعتیں فاخرہ اور جواہر بیش قیمت سرکار میں پادشاہ کی اور امیروں کی، درکار و مطلوب ہوتے اسی کے یہاں بہم پہنچتے۔ آہستہ آہستہ یہ دکان جمی، کہ جو تحفہ ہر ایک ملک کا چاہیے، وہیں ملے۔ سب جوہریوں کا روزگار اس کے آگے مندا ہو گیا۔ غرض اس شہر میں کوئی برابری اس کی نہ کر سکتا، بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا۔

اسی کاروبار میں اس نے تو لاکھوں روپے کمائے، پر جدائی اس کی روز بہ روز نقصان میرے تن بدن کا کرنے لگی۔ کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اس کو دیکھ کر اپنے دل کی تسلی کروں۔ ندان صلاح کی خاطر اسی واقف کا محلی کو بلایا اور کہا کہ کوئی ایسی صورت بن نہیں

آتی کہ ذرا اس کی صورت میں دیکھوں اور اپنی جان کو صبر دوں مگر یہ طرح ہے کہ ایک سرنگ اس کی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملادو۔ حکم کرتے ہی کئی دنوں میں ایسی نقب تیار ہوئی کہ جب سے سانجھ ہوتی، چپکے ہی وہ خواجہ سرا اس جوان کو اسی راہ سے لے آتا۔ تمام شب شراب، کباب، عیش وعشرت میں کٹتی۔ میں اس کے ملنے سے آرام پاتی، وہ میرے دیکھنے سے خوش ہوتا۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور مؤذن اذان دیتا۔ محلی اسی راہ سے اس جوان کو اسکے گھر پہنچا دیتا۔ ان باتوں سے سوائے خوجے کے اور دو دائیوں کے (جنہوں نے مجھے دودھ پلایا اور پالا تھا) چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا۔

ایک مدت اس طرح سے گزری۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ موافق معمول کے خوجہ جو اس کو بلانے گیا، دیکھے تو وہ جوان فکر مند سا چپکا بیٹھا ہے محلی نے پوچھا: آج خیر ہے، کیوں ایسے دل گیر ہو رہے ہو؟ چلو حضور میں یاد فرمایا ہے۔ اس نے ہرگز کچھ جواب نہ دیا، زبان نہ ہلائی۔ خواجہ سرا اپنا سا منہ لے کر اکیلا پھر آیا، اور احوال اس کا عرض کیا۔ میرے تئیں شیطان جو خراب کرے، اس پر بھی محبت اس کی دل سے نہ بھولی۔ اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ایسے نمک حرام بے وفا کی، آخر کو بدنام اور رسوا کرے گی اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا۔ تو اسی دم اس کام سے باز آتی۔ اور توبہ کرتی پھر اس کا نام نہ لیتی، نہ اپنا دل اس بے حیا کو دیتی۔ پر، ہونا تو یوں تھا، اس لیے حرکت بے جا اس کی خاطر میں نہ لائی، اور اس کے نہ آنے کو، معشوقوں کا چوچلا اور ناز سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ اس سرگذشت سے بغیر دیکھے بھالے تو بھی واقف ہوا، نہیں تو میں کہاں اور تو کہاں؟ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اس خردماغی پر اس گدھے کی خیال نہ کر، دوبارہ خوجے کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر تو اس وقت نہیں آوے گا، میں کسو نہ کسو ڈھب سے وہیں آتی ہوں۔ لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے، اگر یہ راز فاش ہوا۔ تو تیرے حق میں بہت برا ہے۔ ایسا کام نہ کر جس میں سوائے رسوائی کے اور کچھ پھل نہ ملے بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ، نہیں تو مجھے پہنچا جان۔ جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا نپٹ دیکھا، بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے، ناز نخرے

ے آیا۔

جب میرے پاس بیٹھا، تب میں نے اس سے پوچھا کہ آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے؟ اتنی شوخی اور گستاخی تو نے کبھو نہ کی تھی، ہمیشہ بلاعذر حاضر ہوتا تھا۔ تب اس نے کہا کہ میں گم نام غریب حضور کی توجہ سے اور دامن دولت کے باعث، اس مقدور کو پہنچا بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے، آپ کے جان و مال کو دعا کرتا ہوں، یہ تقصیر پادشاہ زادی کے معاف کرنے کے بھروسے، اس گنہ گار سے سرزد ہوئی امیدوار عفو کا ہوں۔ میں تو جان و دل سے اسے چاہتی تھی۔ اس کی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا اور شرارت پر نظر نہ کی بلکہ پھر دل داری سے پوچھا: کیا تجھ کو ایسی مشکل کٹھن پیش آئی۔ جو ایسا متفکر ہو رہا ہے؟ اس کو عرض کر اس کی بھی تدبیر ہو جائے گی۔

غرض اس نے اپنی خاکساری کی راہ سے یہی کہا کہ مجھ کو سب مشکل ہے اور آپ کے روبرو سب آسان ہے۔ آخر اس کے فحوائے کلام اور بت کہاؤ سے یہ کھلا کہ ایک باغ نہایت سرسبز عمارتِ عالی حوض تالاب، کوئیں پختہ سمیت غلام کی حویلی کے نزدیک، ناف شہر میں بکاؤ ہے اور اس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے۔ لیکن یہ دونوں باہم بکتے ہیں۔ نہ اکیلا باغ جیسے اونٹ کے گلے میں بلی۔ جو کوئی وہ باغ لیوے، اس کنیز کی بھی قیمت دیوے۔ اور تماشا یہ ہے، باغ کو مول لاکھ روپے اور اس باندی کا بہا پانچ لاکھ فدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہو سکتے۔ میں نے اس کا دل بہت بے اختیار شوق میں ان کی خریداری کے پایا، کہ اسی واسطے دل حیران اور خاطر پریشان تھا۔ باوجودیکہ روبہ رو میرے پاس بیٹھا تھا۔ تب بھی اس کا چہرہ ملین و جی اداس تھا۔ مجھے تو خاطرداری اس کی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی، اسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا کہ کل صبح کو قیمت اس باغ کو لونڈی سمیت چکا کر قبالہ باغ کا اور خط کنیزک کا لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرو، اور مالک کو زرِ قیمت خزانہ عامرہ سے دلوادو۔

اس پروانگی کے سنتے ہی، آداب بجا لایا اور منہ پر رونق آئی، ساری رات اسی

قاعدے سے (جیسے ہمیشہ گزرتی تھی) ہنسی خوشی سے کٹی، فجر ہوتے ہی وہ رخصت ہوا، خوجے نے موافق فرمانے کے اس باغ کو اور لونڈی کو خرید کردیا۔ پھر وہ جوان رات کو موافق معمول کے آیا جایا کرتا۔ ایک روز بہار کے موسم میں کہ مکان بھی دلچسپ تھا بدلی گھمنڈر ہی تھی۔ پھوئیاں پڑ رہی تھیں، بجلی بھی کوندھ رہی تھی، اور ہوا نرم نرم بہتی تھی، غرض عجب کیفیت اس دم تھی، جونہیں رنگ بہ رنگ کے حباب اور گلابیاں طاقوں پر چنیں ہوئیں نظر پڑیں، دل للچایا کہ ایک گھونٹ لوں، جب دو تین پیالوں کی نوبت پہنچی ، ووہیں خیال اس باغِ نوخرید کا گزرا، کمالِ شوق ہوا کہ ایک دم اس عالم میں وہاں کی سیر کیا چاہیے ۔ کم بختی جو آوے ، اونٹ چڑھے کتا کاٹے۔ اچھی طرح بیٹھے بٹھائے ایک دائی کو ساتھ لے کر سرنگ کی راہ سے اس جوان کے مکان میں گئی وہاں سے باغ کی طرف چلی۔ دیکھا تو ٹھیک اس باغ کی بہار، بہشت کی برابری کررہی ہے۔قطرے مینہ کے درختوں کے سبز سبز پتوں پر جو پڑے ہیں گویا زمرّد کی پٹریوں پر موتی جڑے ہیں۔ اور سُرخی پھولوں کی اس ابر میں ایسی چھچی لگتی ہے جیسے شام کو شفق پھولی ہے۔ اور نہریں لبالب مانند فرش آئینے کے نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں۔

غرض اس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی کہ دن ہوچکا سیاہی شام کی نمود ہوئی۔ اتنے میں وہ جوان ایک روش پر نظر آیا۔ اور مجھے دیکھ بہت ادب اور گرم جوشی سے آگے بڑھ کے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر دھر کر بارہ دری کی طرف لے چلا۔ جب وہاں میں گئی تو وہاں کے عالم نے سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا۔ یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا، جابہ جا قمقمے ، سَروِ چراغاں ، کنول اور فانوسِ خیال شمع مجلس حیران (کذا) اور فانوسیں روشن تھیں کہ شب برات ، باوجود چاندی اور چراغاں کے اس کے آگے اندھیری لگتی۔ ایک طرف آتش بازی، پھلجھڑی ، انارِ داؤدی، جھُچنپا، مروارید، مہتابی ہوائی، چرخی ہتھ پھول، جاہی جوہی پٹاخے ستارے چھٹتے تھے۔

اس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آیا، بعینہ جیسے نافرمانی جوڑا پہنے

ہوئے کوئی معشوق نظر آجاتا ہے، بڑی کیفیت ہوئی۔ چاندنی چھٹکتے ہی جوان نے کہا: اب چل کر باغ کے بالاخانے پر بیٹھیے۔ میں ایسی احمق ہوگئی تھی کہ جو ہونگوڑا کہتا سو میں مان لیتی۔ اب یہ ناچ نچایا کہ مجھ کو اوپر لے گیا۔ وہ کوٹھا ایسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان اور بازار کے چراغاں ، گویا اس کے پائیں باغ تھے۔ میں اس جوان کے گلے میں باہیں ڈالے ہوئے ،خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی، اتنے میں ایک رنڈی نہایت بھونڈی سی،صورت نہ شکل چولھے میں سے نکل، شراب کا شیشہ ہاتھ میں لیے ہوئے آ پہنچی۔ مجھے اس وقت اس کا آنا نپٹ برا لگا اور اس کی صورت دیکھنے سے دل میں ہول اٹھی۔

تب میں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ یہ تحفہ علّت کون ہے؟ تو نے کہاں سے پیدا کی؟ وہ جوان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ وہی لونڈی ہے، جو اس باغ کے ساتھ حضور کی عنایت سے خرید ہوئی ، میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواہش سے اس کو لیا ہے، شاید اس کا دل اس پر مائل ہے، اسی خاطر سے پیچ تاب کھا کر میں چپکی ہورہی۔ لیکن دل اسی وقت سے مکدر ہوا۔ اور ناخوشی مزاج پو چھا گئی۔تس پر قیامت اس ایسے تیسے نے یہ کی کہ ساقی اسی چھنال کا بنایا۔ اس وقت میں اپنا لہو پیتی تھی اور جیسے طوطی کو کوئی کوے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ہے۔نہ جانے کی فرصت پاتی تھی، اور نہ بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔قصہ مختصر وہ شراب بوند کی بوند تھی۔ جس کے پینے سے آدمی حیوان ہوجاوے۔ دوچار جام پے در پے اسی تیز آب کے جوان کو دیئے اور آدھا پیالہ جوان کی منت سے میں نے بھی زہر مار کیا۔ آخر وہ پلشت ، بے حیا بھی بدمست ہوکر اس مردود سے بے ہودہ ادائیں کرنے لگیں اور وہ چبلاً بھی نشے میں بے لحاظ ہوچلا اور نامعقول حرکتیں کرنے لگا۔

مجھے یہ غیرت آئی اگر اس وقت زمین بھی پھاٹے تو میں سما جاؤں۔لیکن اس کی دوستی کے باعث میں بلبلی اس پر بھی چپ ہورہی ۔ پر وہ تو اصل کا پاجی تھا میرے اس در گزر کرنے کو نہ سمجھا نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا کہ رہتا سہتا ہوش جو تھا وہ بھی گم ہوا۔ اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اٹھا دیا۔ بے شرمی سے شہوت کے غلبے

میں میرے رو بہ رو اس بے حیا نے اس بندوز سے صحبت کی۔ اور وہ پچھلی پائی بھی اس حالت میں نیچے پڑی ہوئی، نخرے تلے کرنے لگی اور دونوں میں چوما چاٹی ہونے لگی۔ نہ اس بے وفا میں وفا نہ اس بے حیا میں حیا۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ میری اس وقت یہ حالت تھی جیسے اوسر چوکی ڈومنی، گاوے تال بے تال۔ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی کہ کیوں تو یہاں آئی۔ جس کی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں۔ میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔ اس غصے اور طیش میں یہ کہاوت (بیل نہ کودا، کودی گون ، یہ تماشا دیکھے کون) کہتی ہوئی وہاں سے اُٹھی۔

وہ شرابی اپنی خرابی دل میں سوچا کہ اگر پادشاہ زادی اس وقت ناخوش ہوئی، تو کل میرا کیا حال ہوگا اور صبح کو کیا قیامت مچے گی؟ اب بنے تو اس کا کام تمام کر ڈالوں۔ یہ ارادہ اس غیبانی کی صلاح سے جی میں ٹھہرا کر گلے میں پٹکا ڈال، میرے پاؤں آکر پڑا اور پگڑی سر سے اتار کر منت و زاری کرنے لگا۔ میرا دل تو اس پر لٹو ہوئی رہا تھا۔ جیدھر لیے پھرتا تھا، پھرتی تھی اور چکی کی طرح میں اس کے اختیار میں تھی۔ جو کہتا تھا سو کرتی تھی جوں توں مجھے پھسلا پنڈھلا کر پھر بٹھلایا، اور اسی شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھر بھر کر آپ بھی پیے اور مجھے بھی دیئے۔ ایک تو غصے کے مارے جل بھن کر کباب ہو رہی تھی، دوسرے ایسی شراب پی، جلد بے ہوش ہوگئی، کچھ حواس باقی نہ رہے تب اس بے رحم نمک حرام کٹر سنگ دل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا۔ بلکہ اپنی دانست میں مار چکا۔ اس دم میری آنکھ کھلی تو منہ سے یہی نکلا: خیر جیسا ہم نے کیا ویسا پایا لیکن تو اپنے تئیں میرے اس خون ناحق سے بچائیو،

مبادا، ہو کوئی، ظالم ! ترا گریباں گیر   مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کسی سے یہ بھید ظاہر ہر نہ کیجو، ہم نے تو تجھ سے جان تک بھی درگزر نہ کی۔ پھر اس کو خدا کے حوالے کر کر میرا جی ڈوب گیا۔ مجھے اپنی سدھ بدھ کچھ نہ رہی۔ شاید اس قصائی نے مجھے مردہ خیال کر اس صندوق میں ڈال کر قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا، سو تو نے دیکھا

میں کسو کا برا نہ چاہتی تھی، لیکن یہ خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں مٹتی نہیں کرم کی ریکھا، ان آنکھوں کے سبب یہ کچھ دیکھا اگر خوب صورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا تو وہ بدبخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھ کو وہاں پہنچادیا اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یہ رسوائیاں کھینچ کر، اپنے تئیں جتنا نہ رکھوں یا کسو کو منہ نہ دکھاؤں۔ پر کیا کروں، مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں۔ خدا نے مار کر پھر جلایا، آگے دیکھیے کیا قسمت میں بدا ہے۔ ظاہر میں تو بڑی دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تو نے جان و مال سے میری خاطر کی۔ اور جو کچھ اپنی بساط تھی حاضر کی۔ ان دنوں تجھے بے خرچ اور دو دلا دیکھ کر، وہ رُقعہ سیدی بہار کو (جو میرا خزانچی ہے) لکھا۔ اس میں یہی مضمون تھا کہ میں خیر و عافیت سے اب فلانے مکان میں ہوں۔ مجھ بدطالع کی خبر والدۂ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو۔

اس نے تیرے ساتھ دو کشتیاں نقد کی، خرچ کی خاطر بھیج دیں اور جب تجھے خلعت اور جواہر کے خرید کرنے کو یوسف سوداگر بچے کی دکان پر بھیجا۔ مجھے یہ بھروسہ تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو بیٹھتا ہے۔ تجھے بھی اجنبی جان کر اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لیے اترا کر دعوت اور ضیافت کرے گا۔ سو میرا منصور ٹھیک بیٹھا جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اس نے ویسا ہی کیا۔ تو جب اس سے قول قرار پھر آنے کا کر کر، میرے پاس آیا کچھ مہمانی کی حقیقت اور اس کا بجد ہونا مجھ سے کہا۔ میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اس کے گھر میں جا کر کھاوے پیوے گا! تب اگر تو بھی اس کو مہمانی کی خاطر بلاوے گا وہ دوڑا چلا آوے گا، اس لیے تجھے جلد رخصت کیا۔ تین دن کے پیچھے جب تو وہاں سے فراغت کر کے آیا، اور میرے رو بہ رو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا، میں نے تیری تشفی کے لیے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، جب اس نے رضا دی تب تو آیا لیکن بے شری خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھیے اور اس کا بدلا نہ کیجیے، اب تو بھی جا کر اس کی استدعا کر، اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔ جب تو اس کے گھر گیا۔ تب میں

نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمان داری کا تیار نہیں اگر وہ آجاوے تو کیا کروں؟ لیکن
یہ فرصت پائی کہ اس ملک میں قدیم سے پادشاہوں کا یہ معمول ہے کہ آٹھ مہینے کاروبار ملکی
اور مالی کے واسطے ملک گیری میں باہر رہتے ہیں اور چار مہینے موسم برسات کے قلعہ مبارک
میں جلوس فرماتے ہیں۔ ان دنوں دو چار مہینے سے پادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بدبخت کے
بندوبست کی خاطر ملک گیری کو تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تو اس جوان کو ساتھ لے کر آوے، کہ سیدی بہار نے میرا احوال
خدمت میں پادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ہیں) عرض کیا۔ پھر میں اپنی تقصیر اور
گناہ سے خجل ہوکر ان کے روبہ رو جاکر کھڑی ہوئی اور جو سرگذشت تھی سب بیان کی۔ ہر
چند انہوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دور اندیشی اور مہر مادری سے چھپا رکھی تھی، کہ
خدا جانے اس کا انجام کیا ہو، ابھی یہ رسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں، میرے بدلے میرے
عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن میری تلاش میں تھیں۔ جب مجھے اس حالت میں
دیکھا اور سب ماجرا سنا، آنسو بھر لائیں اور فرمایا اے کم بخت، ناشدنی! تو نے جان بوجھ کر
نام ونشان بادشاہت کا سارا کھویا، ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا، کاش کہ
تیرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر جو قسمت میں تھا سو ہوا اب آگے کیا
کرے گی؟ جیوے گی یا مرے گی؟ میں نے نہایت شرمندگی سے کہا کہ مجھ بے حیا کے
نصیبوں میں یہی لکھا تھا۔ جو اس بدنامی اور خرابی میں ایسی آفتوں سے بچ کر جیتی رہوں اس
سے مرنا ہی بھلا تھا۔ اگرچہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا۔ پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ماں
باپ کے نام کو عیب لگے۔

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وے دونوں بے حیا میرے ہاتھ سے بچ جاویں اور آپس
میں رنگ رلیاں مناویں اور میں ان کے ہاتھوں سے یہ کچھ دکھ دیکھوں، حیف ہے کہ مجھ سے
کچھ نہ ہوسکے۔ یہ امیدوار ہوں کہ خانساماں کو پروانگی ہو تو اسباب ضیافت کا بہ خوبی تمام اس
کم بخت کے مکان میں تیار کرے تو میں دعوت کے بہانے سے ان دونوں بدبختوں کو بلوا کر

ن کے حملوں کی سزا دوں اور اپنا عوض لوں جس طرح اس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا، اور گھائل
کیا، میں دونوں کے پرزے پرزے کروں تب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ نہیں تو اس غصے کی آگ
میں پھک رہی ہوں، آخر جل بل کر بھوبھل ہو جاؤں گی۔ یہ سن کر اما نے آمتا کے درد سے
مہربان ہوکر میری عیب پوشی کی۔ اور سارا لوازمہ ضیافت کا اُسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا
محرم ہے) کر دیا۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آکر حاضر ہوئے۔ شام کے وقت تو اس
موئے کو لے کر آیا مجھے اس قحبہ باندی کا بھی آنا منظور تھا۔

چنانچہ پھر تجھ کو تقید کر کر، اسے بھی بلوایا جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی، شراب پی
پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے اور ان کے ساتھ تو بھی کیفی ہوکر مردہ سا پڑا میں
نے قلماقنی کو حکم کیا کہ ان دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال۔ اس نے وونہیں ایک دم میں
شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ، بدن لال کر دیئے۔ اور تجھ پر غصے کا یہ باعث تھا کہ میں
نے اجازت ضیافت کی دی تھی۔ نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے، شریک بے خوری کا ہو۔
البتہ یہ تیری حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی اس واسطے کہ جب تو پی پاکر بے ہوش ہوا، تب
توقع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق ایسے میری گردن پر ہیں، کہ جو تجھ
سے ایسی حرکت ہوتی ہے، تو معاف کرتی ہوں۔ لے میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا
تک کہہ سنائی اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے
تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا۔ تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا۔ صلاح
وقت یہ ہے کہ اب شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں۔ آگے تو مختار ہے۔

یا معبود اللہ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی۔ فقیر تو دل و جان سے اس کے حکم کو
سب چیز پر مقدم جانتا تھا، اور اُس کی محبت کے جال میں پھنسا تھا بولا: جو مرضی مبارک میں
آوے سو بہتر ہے، یہ فدوی بے عذر بجا لاوے گا۔ جب شہزادی نے میرے تئیں فرماں
بردار و خدمت گار اپنا پورا سمجھا، فرمایا: دو گھوڑے چالاک اور جان باز (کہ چلنے میں ہوا
سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اصطبل سے منگوا کر تیار رکھ۔ میں نے ویسے ہی پری زاد

چار گرد ے کے گھوڑے چن کر، زین بندھواکر منگوائے۔جب تھوڑی سی رات باقی رہی بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر، ایک گھوڑے پر سوار ہوئی اور دوسری مرکب پر میں مسلّح ہوکر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔

جب شب تمام ہوئی اور پرچھا ہونے لگا، تب ایک پوکھر کے کنارے پہنچے۔اُتر کر منہ ہاتھ دھوئے جلدی جلدی کچھ ناشتہ کر کے پھر سوار ہوکر چلے۔کبھوملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی اور یوں کہتی کہ ہم نے تیری خاطر شرم و حیا مُلک مال، ماں باپ سب چھوڑا، ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس ظالم بے وفا کی طرح سلوک کرے۔کدھو میں کچھ احوال ادھر اُدھر کا راہ کٹنے کے لیے کہتا اور اس کا بھی جواب دیتا کہ پادشاہ زادی! سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔اس پاجی کے نطفے میں کچھ خلل ہوگا۔جو اس سے ایسی حرکت واقع ہوئی اور میں نے تو جان و مال تم پر تصدّق کیا اور تم نے مجھے ہر طرح سرفرازی بخشی، اب میں بندہ بغیر داموں کا ہوں۔میرے چمڑے کی اگر جوتیاں بنواکر پہنو، تو میں آہ نہ کروں۔ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں اور رات دن چلنے سے کام تھا۔کبھو جو ماندگی کے سبب کہیں اترتے، تو جنگل کے چرندے و پرندے شکار کرتے، حلال کر کے، نمک دان سے لُون نکال، چقمک سے آگ جھاڑ، بھون بھان کر کھالیتے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیتے، وے اپنے منہ سے گھاس پات چَر چک کر، اپنا پیٹ بھر لیتے۔

ایک روز ایسے کف دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی اس پر بھی پادشاہ زادی کی رفاقت کے سبب سے، دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی۔جاتے جاتے انچت ایک دریا (کہ جس کے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا۔کنارے پر کھڑے ہوکر جو دیکھا تو جہاں تلک نگاہ نے کام کیا، پانی ہی تھا، کچھ تھل بیڑا نہ پایا۔یا الٰہی! اب اس سمندر سے کیوں کر پار اُتریں! ایک دم اسی سوچ میں کھڑے رہے۔آخر یہ دل میں لہر آئی، کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر، میں تلاش میں ناؤ نواڑے کی جاؤں، جب تلک اسباب گزارے کا ہاتھ آوے، تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے۔تب میں نے کہا: اے ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اس دریا کا دیکھوں۔فرمانے لگی: میں بہت تھک گئی

وں، اور بھوکی پیاسی ہو رہی ہوں۔میں ذرا دم لے لوں، جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر۔

اس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا بڑا، چھتر باندھے ہوئے کہ اگر ہزار سوار آوے تو دھوپ اور مینہ میں اس کے تلے آرام پاوے، وہاں اس کو بٹھا کر میں چلا، اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر یا دریا میں نشان انسان کا پاؤں، بہتیرا سر مارا، کہیں نہ پایا، آخر مایوس ہوکر وہاں سے پھر آیا، تو اس پَری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا۔اس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سُرت جاتی رہی، دیوانہ باولا ہوگیا، کبھو درخت پر چڑھ جاتا اور ڈال ڈال، پات پات پھرتا۔کبھو ہاتھ پانو چھوڑ کر، زمین میں گرتا اور اُس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدّق ہوتا۔کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا۔کبھو پچھم سے پورب کو دوڑا جاتا، کدھو اتّر سے دکھن کو پھر آتا۔غرض بہتیری خاک چھانی، لیکن اس گوہر نایاب کی نشانی نہ پائی۔جب میرا کچھ بس نہ چلا تب روتا اور خاک سر پر اڑاتا ہوا۔تلاش ہر کہیں کرنے لگا۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اس پَری کو اُٹھا کر لے گیا، اور مجھے یہ داغ دے گیا۔یا اس کے ملک سے کوئی اس کے پیچھے لگا چلا آتا تھا، اس وقت اکیلا پا کر، مَنامَنو کر، پھر شام کی طرف لے اُبھرا۔ایسے خیالوں میں گھبرا کر کپڑے و پڑے پھینک پھانک دیے۔ننگا منگا فقیر بن کر شام کے ملک، میں صبح سے شام تک ڈھونڈھتا پھرتا، اور رات کو کہیں پڑ رہتا، سارا جہان روند مارا، پر اپنی پادشاہ زادی کا نام و نشان کسی سے نہ سنا، نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا۔تب دل میں یہ آیا کہ جب اس جاں کا تو نے کچھ پتا نہ پایا، تو اب جینا بھی حیف ہے۔کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا، تب اس پر چڑھ گیا اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرادوں، کہ ایک دم میں سر منہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے پھوٹ جاوے گا، تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جاوے گا۔

یہ دل میں کہہ کر، چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں بلکہ پاؤں بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔اتنے میں ہوش آگیا، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش، منہ پر نقاب ڈالے، مجھے فرماتا ہے کہ کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کے فضل سے نااُمید ہونا کُفر ہے۔جب تک سانس ہے، تب تلک آس ہے، اب تھوڑے دنوں میں روم

کے ملک میں تین درویش تجھ سا رکے، ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے، تجھ سے ملاقات کریں گے۔ اور وہاں کے پادشاہ کا آزاد بخت نام ہے، اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے، جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے، بخوبی حاصل ہوگی۔

میں نے رکاب پکڑ کر بوسہ دیا اور کہا: اے خدا کے ولی! تمہارے اتنے ہی فرمانے سے میرے دل پُر اضطرار کو تسلّی ہوئی لیکن خدا کے واسطے یہ فرمایئے کہ آپ کون ہیں اور اسم شریف کیا ہے؟ تب انہوں نے فرمایا کہ مرتضیٰ علی میرا نام ہے، اور میرا یہی کام ہے، کہ جس کو جو مشکل کٹھن پیش آوے، تو میں اس کو آسان کردوں، اتنا فرما کر، نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ بارے اس فقیر نے اپنے مولا مشکل کشا کی بشارت سے خاطر جمع کر، قصد قسطنطنیہ کا کیا۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں، کھینچتا ہوا اس پادشاہ زادی کی ملاقات کے بھروسے، خدا کے فضل سے یہاں تک آپہنچا، اور اپنی خوش نصیبی سے تمہاری خدمت میں مشرف ہوا۔ ہمارے تمہارے آپس میں ملاقات تو ہوئی، باہم صحبت اور بات چیت میسّر آئی، اب چاہیے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی روشناس اور جان پہچان ہو۔

بعد اس کے مقرر ہم پانچوں اپنے مقصد دِلی کو پہنچیں گے، تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو، یا ہادی! اس حیران سرگردان کی سرگذشت یہ تھی، جو حضوری میں درویشوں کے کہہ سنائی۔ اب آگے دیکھیئے کہ کب یہ محنت اور غم ہمارا، پادشاہ زادی کے ملنے سے خوشی و خرّمی سے بدل ہو، آزاد بخت ایک کونے میں چھپا ہوا۔ چُپکا دھیان لگائے، پہلے درویش کا ماجرا سُن کر خوش ہوا، پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا۔

☆☆☆

سیر دوسرے درویش کی

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانو ہو بیٹھا اور بولا۔

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو!   میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا، سنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم   ہے گا ہمارا درد نپٹ لادوا، سنو!

اے دلق پوشو! یہ عاجز پادشاہ زادہ فارس کے ملک کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ "اصفہان نصف جہان" مشہور ہے۔ ہفتِ اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے، اور وہ ساتوں کواکب میں نیر اعظم ہے۔ آب وہوا وہاں کی خوش، اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو بادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے، بڑے بڑے دانا اُستاد ہر ایک علم اور کسب کے چن کر، میری اتالیقی کے لیے کیے تھے، تو تعلیم کامل ہر نوع کی پاکر، قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سِن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ پادشاہوں کو لائق اور درکار ہے سب حاصل کیا۔ اور یہی شوق شب وروز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ہر ایک ملک کے اور احوال اُولُو العزم پادشاہوں اور نام آوروں کا سُنا کروں۔

ایک روز ایک مصاحب دانا نے کہ خوب تواریخ داں اور جہاں دیدہ تھا، مذکور کیا

کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائے گا۔ میں نے کہا: اگر تھوڑا سا احوال اس کا مفصل بیان کرو تو میں بھی سنوں اور اس پر عمل کروں، تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا کہ حاتم کے وقت میں ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا، اس کو حاتم کے ساتھ بہ سبب نام آوری کے دشمنی کمال ہوئی۔ بہت سا لشکر فوج جمع کر کر، لڑائی کی خاطر چڑھ آیا۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا، یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں تو خدا کے بندے مارے جائیں گے اور بڑی خوں ریزی ہوگی۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ بات سوچ کر، تن تنہا اپنی جان لے کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا، جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی، سب اسباب گھر بار حاتم کا قرق کیا اور منادی کروادی کہ جو کوئی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پکڑ لاوے پان سے اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پاوے، یہ سن کو سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے۔

ایک روز ایک بوڑھا اور اُس کی بُڑھیا دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لیے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے، اس غار کے پاس، جہاں حاتم پوشیدہ تھا، پہنچے اور لکڑیاں اس جنگل سے چُننے لگے۔ بُڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے، تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے اور اس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا اور ہم آرام سے کھاتے، اس دُکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا: کیا ٹرٹر کرتی ہے؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں تب لون روٹی میسّر آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے، لے اپنا کام کر ہمارے ہاتھ حاتم کا ہے کو آوے گا، اور بادشاہ سے اتنے روپے دلاوے گا؟ عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔

یہ دونوں کی باتیں حاتم نے سُنیں، مردمی اور مروّت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چُھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔ سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں اور جس کے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سُن کر چپکا ہو رہے۔ وونہیں باہر نکل آیا اور اس بوڑھے سے کہا کہ اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں۔ میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل، وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے تجھے دیوے گا۔ پیرمرد نے کہا سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے، لیکن وہ کیا جانے تجھ سے کیا سلوک کرے؟ اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ سے انسان کو۔ اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کے دن کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا؟ آخر مر جاؤں گا، تب خدا کو کیا جواب دوں گا؟ حاتم نے بہتیری منّت کی کہ مجھے لے چل، میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال کسو کے کام آوے تو بہتر ہے۔ لیکن وہ بوڑھا کسو طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لے جاوے، اور انعام پاوے۔

آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا: اگر تو مجھے یوں نہیں لے جاتا تو میں آپ سے آپ بادشاہ پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا: بھلائی کے بدلے برائی ملے، تو یا نصیب! اس ردّ و بدل کے سوال جواب میں آدمی اور بھی آن پہنچے، بھیڑ لگ گئی، انہوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے، تُرت پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا۔ جب نوفل کے روبہ رو لے گئے، اس نے پوچھا کہ اس کو کون پکڑ لایا؟ ایک بدذات سنگ دل بولا کہ ایسا کام سوائے ہمارے کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے، ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے۔ ایک اور لن ترانی والا ڈینگ مارنے لگا کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر، جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجیے اور جو قرار ہے سو دیجیے۔ اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھ سے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا، سب کی شیخیاں سن رہا تھا اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی سب کہہ چکے تب حاتم

نے بادشاہ سے کہا: اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے، مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچان جانتے ہو۔ تو دریافت کرو اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے پورا کرو کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہیے جو کہے سو کرے! نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟

نوفل نے اس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا کہ سچ کہہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اس بچارے نے سر سے پاؤں تک جو گزرا تھا راست کہہ سنایا اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے، نوفل، یہ ہمت حاتم کی سن کر متعجب ہوا کہ بل بے تیری سخاوت! اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا۔ جتنے جھوٹھ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم کیا کہ ان کی مُنڈیاں کس کر پان سو اشرفی کے بدلے پان پان سے جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ کہ ان کی بھی جان نکل پڑے۔ وونہیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر ان کے گنجے ہوگئے۔ سچ ہے، جھوٹھ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی اس کو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹھ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹھ موٹھ بکے جاتے ہیں، لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض ان سب کو موافق ان کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے (کہ ایک عالم کو اس سے فیض پہنچتا ہے۔ اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سرتا پا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اس کا مدّعی ہونا مرد آدمیت اور جواں مردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا کیوں نہ ہو، جب ایسے ہو تب ایسے ہو۔ تواضع تعظیم کر کر پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک و املاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، وونہیں چھوڑ دیا۔ نئے سر سے سرداری قبیلۂ طے کی اُسے دی اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوادیں وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گزرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا، جن نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک

مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں۔ اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دنیا میں کوئی کام، بڑا داد و دہش سے نہیں، اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے اس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے؟ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میرِ عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ایک مکان عالی شان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں، باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارتِ وسیع، جیسا دل چاہتا تھا، بن کر تیار ہوئی۔ اور اس مکان میں ہر روز ہر وقت، فجر سے شام تک، محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا، اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا، میں اسے مالا مال کرتا۔

غرض چالیسوں دروازے سے حاجت مند آتے اور جو چاہتے، سو لے جاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ فقیر سامنے کے دروازے سے آیا اور سوال کیا میں نے اسے ایک اشرفی دی۔ پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا۔ دو اشرفیاں مانگیں، میں نے پہچان کر درگزر کی اور دیں۔ اسی طرح اُن نے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا۔ اور میں بھی جان بوجھ کر اَن جان ہوا، اور اس کے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آ کر، چالیس اشرفیاں مانگیں، وہ بھی میں نے دلوادیں۔ اتنا کچھ لے کر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ میں نے کہا: سُن اے لالچی! کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقیر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں؟ فقیر کا عمل ان پر چاہیے۔ فقیر بولا: بھلا داتا! تمہیں بتاؤ۔ میں نے کہا: ف سے فاقہ، ق سے قناعت، ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یے باتیں نہ ہوں، وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے اس کو کھا پی، پھر آئیو اور جو مانگے گا، لے جائیو۔ یہ خیرات، احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے، نہ جمع کرنے کے لیے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں اس کا حساب تو کر، کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں؟ اور اس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کر، کیا کرے گا؟ فقیر کو چاہیے کہ ایک روز کی فکر کرے۔ دوسرے دن پھر نئی روزی

رزاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟

یہ میری بات سُن کر خفا اور بد دماغ ہوا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا سب زمین میں ڈال دیا اور بولا: بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو، پھر سخاوت کا نام نہ لیجو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے، تم سخاوت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے، اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دلّی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں، پہلے ان پر عمل کرو، تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا: بھلا داتا! اس کے معنی مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا: س سے سمائی اور خ سے خوف الٰہی اور ی سے یاد رکھنا، اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہولے، تو سخاوت کا نام نہ لے اور سخی کو یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی پادشاہ زادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ سُن کر میں نے بہت منّت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیئے سو لو۔ میرا دیا، ہرگز نہ لیا اور یہ بات کہتا ہوا چلا: اب اگر اپنی ساری بادشاہت مجھے دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں اور نہ دھر ماروں وہ تو چلا گیا پر بصرے کی پادشاہ زادی کی یہ تعریف سننے سے دل بے کل ہوا، کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کس صورت سے بصرے چل کر اس کو دیکھا چاہیے۔

اس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی اور تخت پر میں بیٹھا۔ سلطنت ملی، پر وہ خیال نہ گیا۔ وزیر اور امیروں سے (جو پائے، تخت سلطنت کے اور ارکان، مملکت کے تھے) مشورت کی کہ سفر بصرے کا کیا چاہتا ہوں، تم اپنے کام میں مستعد رہو۔ اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے، جلد پھر آتا ہوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہوا۔ لاچار دل تو اداس ہو رہا تھا ایک دن بغیر سب کے کہے سنے، چپکے وزیرِ با تدبیر کو بلا کر، مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا، اور سلطنت کا مدار المہام بنایا۔ پھر میں نے گیروا بستر پہن، فقیری بھیس کر اکیلے راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اس کی سرحد میں جا پہنچا۔ تب سے یہ تماشا دیکھنے

اکا، کہ جہاں رات کو جا کر مقام کرتا، نوکر چاکر اسی ملکہ کے استقبال کر کر، ایک مکان معقول ہیں اتارتے اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا ہے، بہ خوبی موجود کرتے اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رہتے، دوسرے دن دوسری منزل میں یہی صورت پیش آتی۔ اس آرام ے مہینوں کی راہ طے کی، آخر بصرے میں داخل ہوا۔ وونہیں ایک جوان شکیل، خوش لباس بلک خو صاحب مروّت (کہ دانائی اس کے قیافے سے ظاہر تھی) میرے پاس آیا، اور نپٹ شیرین زبانی سے کہنے لگا کہ میں فقیروں کا خادم ہوں، ہمیشہ اسی تلاش میں رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر فقیر یا دنیادار، اس شہر میں آوے، میرے گھر میں قدم رنجہ فرماوے۔ سوائے ایک مکان کے، یہاں اور بدیسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آپ تشریف لے چلیے اور اس مقام کو زینت بخشیے اور مجھے سرفراز کیجیے۔

فقیر نے پوچھا: صاحب کا اسم شریف کیا ہے؟ بولا: اس گم نام کا نام بیدار بخت کہتے ہیں۔ اس کی خوبی اور تملّق دیکھ کر یہ عاجز اس کے ساتھ چلا اور اس کے مکان میں گیا۔ دیکھا تو ایک عمارتِ عالی لوازم شاہانہ سے تیار ہے۔ ایک دالان میں اس نے لے جا کر بٹھایا، اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ پاؤں دھلوائے اور دسترخوان بچھوا کر، مجھ تنِ تنہا کے روبہ رو بکاول نے ایک تورے کا تورا چُن دیا۔ چار مشقاب: ایک میں یخنی پُلاؤ، دوسری میں قورمہ پلاؤ، اور تیسری میں متنجن پلاؤ، چوتھی میں کوکو پلاؤ۔ اور ایک قاب زردے کی۔ اور کئی طرح کے قلیے: دو پیازہ، نرگسی، بادامی، روغن جوش۔ اور روٹیاں کئی قسم کی، باقر خانی، تنکی، شیر مال، گاؤ دیدہ، گاؤ زبان، نانِ نعمت، پراٹھے، اور کباب کوفتے کے، تکے کے، مرغ کے، خاگینہ، ملغوبہ، شب دیگ، دم پخت، حلیم، ہریسا، سموسے ورقی، قبولی، فرنی، شیر برنج، ملائی، حلوا، فالودہ، پن بھتا، نمش، آب شورہ، ساقِ عروس، لوزیات، مربّا، اچاردان، دہی کی قلفیاں، یہ نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی۔ جب ایک ایک نوالا ہر ایک سے لیا۔ پیٹ بھی بھر گیا، تب ہاتھ کھانے سے کھینچا۔

وہ شخص مجوز ہوا کہ صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب امانت دھرا ہے، بے تکلف اور نوش جاں فرمائیے، میں نے کہا: کھانے میں شرم کیا ہے؟ خدا تمہارا خانہ آباد رکھے۔

جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا سو میں نے کھایا۔ اور ذائقے کی اس کے کیا تعریف کروں؟ کہ
اب تک زبان چاٹتا ہوں، اور جو ڈکار آتی ہے سو معطّر۔ لو اب مزید کرو۔ جب دسترخوان
اٹھا، زیر انداز کاشانی مخمل کا مقیشی بچھا کر، چلپچی، آفتابہ طلائی لاکر، بیسن دان میں سے خوشبو
بیسن دے کر، گرم پانی سے میرے ہاتھ دھلائے۔ پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں سونے
کے پکھروٹوں میں بندھی ہوئیں، اور چوگھڑوں میں کھلوریاں اور چکنی سُپیاریاں اور لونگ
الائچیاں روپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں، لاکر رکھیں۔ جب میں پانی پینے کو مانگتا، تب
صراحی برف میں لگی ہوئی آب دار لے آتا۔ جب شام ہوئی فانوسوں میں کافوری شمعیں
روشن ہوئیں۔ وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ جب پہر رات گئی۔ بولا: اب اس چھپر کھٹ
میں کہ جس کے آگے دَلدا پیش گیر کھڑا ہے۔ آرام کیجئے۔ فقیر نے کہا اے صاحب! ہم
فقیروں کو ایک بوریا، مرگ چھالا بستر کے لیے بہت ہے، یہ خدا نے تم دنیا داروں کے
واسطے بنایا ہے۔

کہنے لگا: یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے کچھ میرا مال نہیں اس کے بجد
ہونے سے ان بچھونوں پر کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے، جاکر لیٹا، دونوں پٹیوں کی
طرف گل دان اور چنگیریں پھولوں کی چنی ہوئیں اور عود سوز اور لخلخے روشن تھے۔ جیدھر کی
کروٹ لیتا۔ دماغ معطّر ہوجاتا، اس عالم میں سورہا۔ جب صبح ہوئی ناشتے کو بھی بادام پستے
انگور، انجیر، ناشپاتی، انار، کشمش، چھُہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا۔ اسی طور سے
تین دن رات رہا۔ چوتھے روز میں نے رخصت مانگی۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: شاید اس گنہگار
سے صاحب کی خدمت گاری میں کچھ قصور ہوا، کہ جس کے باعث مزاج تمہارا مکدّر ہوا!
میں نے حیران ہوکر کہا: برائے خدا یہ کیا مذکور ہے؟ لیکن مہمانی کی شرط تین دن تلک ہے، سو
میں رہا، زیادہ رہنا خوب نہیں، اور علاوہ یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے، اگر ایک ہی جگہ رہ
جاوے تو مناسب نہیں، اس لیے اجازت چاہتا ہے۔ نہیں تو تمہاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا
ہونے کو جی چاہے۔

تب وہ بولا: جیسی مرضی، لیکن ایک ساعت توقف کیجئے کہ بادشاہزادی کے حضور

میں جاکر عرض کروں اور تم جو جایا چاہتے ہو تو جو کچھ اسباب اوڑھنے بچھانے کا اور کھانے
کے باسن روپے سونے کے اور جڑاؤ کے اس مہمان خانے میں ہیں، یہ سب تمہارا مال ہے
ان کے ساتھ لے جانے کی خاطر جو فرماؤ، تدبیر کی جائے۔ میں نے کہا لاحول پڑھو، ہم فقیر
نہ ہوئے بھاٹ ہوئے، اگر یہی حرص دل میں ہوتی تو فقیر کاہے کو ہوتے دنیاداری کیا بُری
تھی؟ اس عزیز نے کہا اگر یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے مجھے اس خدمت سے تغیر کرکر کیا
سلوک کرے۔ اگر تمہیں ایسی ہی بے پروائی ہے تو اس سب کو ایک کوٹھری میں امانت بند
کرکر دروازے کو سربمہر کردو، پھر جو چاہو سو کیجو۔

میں نہ قبول کرتا تھا اور وہ بھی نہ مانتا تھا، لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب
کو بند کرکر قفل کردیا اور منتظر رخصت کا ہوا۔ اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر سر پر سرپیچ اور
گوش پیچ، اور کمر میں بندی باندھے، ایک عصا سونے کا جڑاؤ ہاتھ میں اور ساتھ اس کے
کئی خدمتگار معقول عہدے لیے ہوئے اس شان وشوکت سے میرے نزدیک آیا۔ ایسی ایسی
مہربانی اور ملائمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ پھر بولا کہ اے میاں!
اگر توجہ اور کرم کرکر اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو تو بندہ
نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں۔ شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا، اس کی
تواضع مدارات کسو نے نہ کی، وہ یونہیں چلا گیا، اس واسطے واللہ اعلم مجھ پر کیا آفت لاوے
اور کیسی قیامت اٹھاوے، بلکہ حرف زندگی پر ہے۔ میں نے ان باتوں کو نہ مانا تب خواہ
مخواہ منتیں کرکے میرے تئیں اور ایک حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لے گیا۔ ا
ں پہلے میزبان کی مانند تین دن رات دونوں وقت ویسے ہی کھانے اور صبح اور تیسرے پہر
شربت اور تفنن کی خاطر میوے کھلائے اور باسن نقرئی و طلائی اور فرش فروش اور اسباب جو
کچھ وہاں تھا مجھ سے کہنے لگا کہ ان سب کے تم مالک مختار ہو جو چاہو سو کرو؟

میں یہ باتیں سُن کر حیران ہوا، اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے رخصت ہوکر بھاگوں
۔ میرے بشرے کو دیکھ کر وہ محلی بولا: اے خدا کے بندے! جو تیرا مطلب یا آرزو ہو، مجھ
سے کہہ، تو حضور میں ملکہ کے جاکر عرض کروں میں نے کہا: میں فقیری کے لباس میں دنیا کا

مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں۔ تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی کسی کے جی سے نہیں گئی۔ چناں چہ کسو کب نے یہ کبت کہا ہے:

نکھر بن کٹا دیکھے، سیس بھاری جٹا دیکھے، جوگی کن پھٹا دیکھے، چھار لائے تن میں
مونی ان بول دیکھے، سیورا سرچھول دیکھے، کرت کلول دیکھے، بن کھنڈی بن میں
بیر دیکھے، سُور دیکھے، سب گنی اور کوڑھ دیکھے، مایا کے پُور دیکھے، بھول رہے دھن میں
آدانت سکھی دیکھے، جنم ہی کے دکھی دیکھے، پردے نہ دیکھے جن کے بوجھ نا نہہ من میں

میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہ سچ ہے، پر میں کچھ نہیں چاہتا۔ اگر فرماؤ تو ایک رقعہ سر بہ مہر اپنے مطلب کا لکھ کردوں جو حضور ملکہ کے پہنچادو تو بڑی مہربانی ہے، گویا تمام دنیا کا مال مجھ کو دیا۔ بولا: بہ سر وچشم کیا مضایقہ۔ میں نے ایک رقعہ لکھا، پہلے شکر خدا کا، پھر احوال کہ یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیک نامیاں ملکہ کی سن کر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا، اس سے چار چند پایا۔ اب حضور کے ارکان دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو، سو ظاہر کر۔ اس واسطے بے حجابانہ جو دل کی آرزو ہے۔ سو عرض کرتا ہوں کہ میں دنیا کے مال کا محتاج نہیں اپنے ملک عجم میں بھی پادشاہ ہوں۔ فقط یہاں تلک آنا اور محنت اٹھانا، آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا، جو تن تنہا اس صورت سے آپہنچا ہوں۔ اب امید ہے کہ حضور کی توجہ سے یہ خاک نشین مطلب دلی کو پہنچے تو لائق ہے۔ آگے جو مرضی مبارک لیکن اگر یہ التماس خاک سار کا قبول نہ ہوگا۔ تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا۔ اور اس جانِ بے قرار کو آپ عشق میں نثار کرے گا، مجنوں اور فرہاد کی مانند جنگل میں یا پہاڑ پر مر رہے گا۔

یہی مدعا لکھ کر اس خوجے کو دیا، اس نے بادشاہ زادی تلک پہنچایا۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں بلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحبِ لیاقت، سنہری کرسی پر، گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے، اور کئی خوجے خدمتگار تکلف کے لباس پہنے ہوئے، ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں، میں اسے

مختار کار جان کر اور دیرینہ سمجھ کر دست بسر ہوا، اس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا و رحکم کیا کہ آؤ بیٹھو، خوب ہوا، تم آئے، تمہیں نے ملکہ کے اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا؟ میں شرم کھا کر چپ ہو رہا اور سر نیچا کر کے بیٹھا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ اے جوان! پادشاہ زادی نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھ کو خاوند کرنے سے عیب نہیں۔ تم نے میری درخواست کی، لیکن اپنی پادشاہت کا بیان کرنا، اور اس فقیری میں اپنے تئیں پادشاہ سمجھنا، اور اس کا غرور کرنا، نپٹ بے جا ہے، اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ہیں، لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ہے۔ اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں۔ اور جیسے تم دولت دنیا سے بے پروا ہو، میرے تئیں بھی حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہے کہ جس کا کچھ حساب نہیں۔ پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہرا دا کرلو، اور مہر شہزادی کا۔ ایک بات ہے جو تم سے ہو سکے۔ میں نے کہا میں سب طرح حاضر ہوں، جان و مال سے دریغ نہیں کرنے کا، وہ بات کیا ہے؟ کہو تو میں سنوں۔ تب اس نے کہا: آج کے دن رہ جاؤ، کل تمہیں کہہ دوں گی۔ میں نے خوشی سے قبول کیا۔ اور رخصت ہو کر باہر آیا۔

دن تو گزرا۔ جب شام ہوئی، مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بلا کر لے گیا۔ جا کر دیکھا تو اکابر عالم اور فاضل صاحب شرع حاضر ہیں۔ میں بھی اسی جلسے میں جا کر بیٹھا کہ اتنے میں دسترخوان بچھایا گیا، اور کھانے اقسام اقسام کے شیریں اور نمکیں چنے گئے۔ وے سب کھانے لگے اور مجھے بھی تواضع کر کر، شریک کیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی اندر سے آئی اور بولی کہ بہرور کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔ بیاؤلوں نے وونہیں حاضر کیا۔ اس کی صورت بہت مرد آدمی کی سی، اور بہت سی کنجیاں روپے سونے کی کمر میں لٹکتیں ہوئیں۔ سلام علیک کرکر، میرے پاس آکر بیٹھا۔ وہی دائی کہنے لگی کہ اے بہرور! تو نے جو کچھ دیکھا ہے، مفصل اس کا بیان کر۔

بہرور نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا: اے عزیز!

ہماری پادشاہزادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں متعین ہیں،ان میں سے ایک میں بھی ادنا خانہ زاد ہوں۔ ہر ایک ملک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دے کر رخصت فرماتی ہیں، جب وہ وہاں سے پھر آتا ہے، تب اس سے اس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں ۔ ایک بار یہ اتفاق ہوا کہ یہ کم ترین تجارت کی خاطر چلا اور شہر نیم روز میں پہنچا، وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو سب کا لباس سیاہ ہے، اور ہر دم نالہ و آہ ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر کچھ بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اس کا سبب جس سے میں پوچھتا، کوئی جواب میرا نہ دیتا۔ اسی حیرت میں کئی روز گزرے۔ ایک دن جونہیں صبح ہوئی، تمام آدمی چھوٹے بڑے، لڑکے بوڑھے، غریب غنی شہر کے باہر چلے، ایک میدان میں جا کر جمع ہوئے۔ اور اس ملک کا پادشاہ بھی سب امیروں کو ساتھ لے کر سوار ہوا، اور وہاں گیا، تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

میں بھی ان کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا، پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وے سب کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں۔ ایک گھڑی کے عرصے میں دور سے ایک جوان پری زاد، صاحب جمال، پندرہ سولہ برس کا سن و سال غل اور شور کرتا ہوا اور کف منہ سے جاری، زرد بیل کی سواری، ایک ہاتھ میں کچھ لیے مقابل خلق اللہ کے آیا اور اپنے بیل پر سے اترا ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر دوزانو بیٹھا۔ ایک گل اندام، پری چہرہ اس کے ہمراہ تھا، اس کو اس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی، دی۔ وہ یتیم لے کر ایک سرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا۔ لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا، بے اختیار داڑھ مار کر روتا تھا۔ اسی طرح سب کو دکھاتا اور رُلاتا ہوا، سب کے سامنے سے ہو کر اپنے خاوند کے پاس پھر گیا۔

اس کے جاتے ہی وہ جوان اٹھا اور اس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر اور سوار ہو کر، جیدھر سے آیا تھا، اودھر کو چلا۔ سب کھڑے دیکھا کیے۔ جب نظروں سے غائب ہوا، لوگ شہر کی طرف پھرے ۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا، بلکہ روپیوں کا

لالچ دیتا اور خوشامد منت کرتا، کہ مجھے ذرا بتا دو کہ یہ جوان کون ہے؟ اور اس نے یہ کیا حرکت کی اور کہاں سے آیا، اور کہاں گیا؟ ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا۔ یہ تعجب دیکھ کر جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبہ رو اظہار کیا، تب سے پادشاہ زادی بھی حیران ہو رہی ہے، اور اس کے تحقیق کرنے کی خاطر دو دلی ہو رہی ہے۔ لہٰذا مہر اپنا یہی مقرر کیا ہے کہ جو شخص اس عجوبے کی کماحقہ خبر لاوے، اور وہی مالک سارے مال ملک کا اور ملکہ کا ہووے۔

یہ ماجرا تم نے سب سنا۔ اپنے دل میں غور کرو، اگر تم اس جوان کی خبر لا سکو، تو قصد ملکِ نیم روز کا کرو اور جلد روانہ ہو۔ نہیں تو انکار کر کر، اپنے گھر کی راہ لو۔ میں نے جواب دیا کہ اگر خدا چاہے تو جلد اس کا احوال سر سے پاؤں تک دریافت کر کر، پادشاہ زادی کے پاس آ پہنچتا ہوں اور کامیاب ہوتا ہوں۔ اور جو میری قسمت بد ہے تو اس کا کچھ علاج نہیں ۔ لیکن ملکہ اس کا قول قرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھریں۔ اور بالفعل ایک اندیشۂ مشکل میرے دل میں خلش کر رہا ہے، اگر ملکہ غریب نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں اور پردے کے باہر بٹھلاویں اور میرا التماس اپنے کانوں سنیں اور اس کا جواب اپنی زبان سے فرماویں تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ہو سکے۔ یہ میرے مطلب کی بات ماما نے روبہ رو اس پری پیکر کے عرض کی۔ بارے قدر دانی کی راہ سے حکم کیا کہ انہیں بلا لو۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ جس محل میں بادشاہ زادہ تھی، لے گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو رُو یہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور اُردابیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں، حبشنیاں، اُزبکنیاں، کشمیرنیاں، جواہر میں جڑی، عہدے لیے کھڑی ہیں۔ اندر کا اکھاڑا کہوں یا پریوں کا اتارا؟ بے اختیار ایک آہ بے خودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھلکنے لگا۔ پر بہ زور اپنے تئیں تھانبا۔ ان کو دیکھتا بھالتا اور سیر کرتا ہوا آگے چلا۔ لیکن پاؤں سو سو من کے ہو گئے، جس کو دیکھوں پھر یہ نہ جی چاہے کہ آگے جاؤں ۔ ایک طرف

چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاو بچھوا رکھا تھا اور ایک چوکی بھی صندل کی بچھی تھی۔ دائی نے مجھے بیٹھنے کی اشارت کی ۔ میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر ۔ کہنے لگی: لواب جو کہنا ہے، سو جی بھر کر کہو۔

میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل و انصاف، دادودہش کی، پہلے تعریف کی پھر کہنے لگا: جب سے میں اس ملک کی سرحد میں آیا ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جا بہ جا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں،اور آدمی ہرایک عہدے کے تعنیات ہیں کہ خبر گیری مسافروں اور محتاجوں کی کرتے ہیں۔ مجھے بھی تین تین دن ہرایک مقام میں گزرے۔ چوتھے روز جب رخصت ہونے لگا، تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ۔ اور جتنا اسباب اس مکان میں تھا،شطرنجی، چاندنی ، قالینیں ، سیتل پاٹی ، منگل کوٹی دیوار گیری، چھت ، پردے ، چلوئیں ، شامیان ،نم گیرے، چھپرکھٹ مع غلاف ، اَدَقچہ، توشک ، بالاپوش ، بیج بند، چادر، تکیے ، تکینی، گل تکیے، مسند، گاؤ تکیے، دیگ ، دیگچے، پتیلے ،طباق، رکابی، بادیے، تشتری، چمچے، بکاولی ، کف گیر، طعام بخش، سر پوش، سینی، خوان پوش، تورہ پوش، آب خورے ،بجھرے، صراحی، لگن، پان دان، چوگھرے، چنگیر ، گلاب پاش ،عود سوز ، آفتابہ ، چلمچی، سب میرے حوالے کیے کہ تمہارا مال ہے۔ چاہو اب لے جاؤ،نہیں تو ایک کوٹھری میں بند کرکر اپنی مہر کرو۔ جب تمہاری خوشی ہوگی، پھرتے ہوئے لے جائیو۔ میں نے یونہیں کیا۔ پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیر تنہا سے یہ سلوک ہوا تو ایسے غریب ہزاروں تمہارے ملکوں میں آتے جاتے ہوں گے، پس اگر ہر ایک سے مہمان داری کا طور رہتا ہوگا، تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہوں گے۔ پس اتنی دولت کہ جس کا یہ صرف ہے، کہاں سے آئی اور کیسی ہے؟ اگر گنج قارون ہو، تو بھی وفا نہ کرے۔ اور ظاہر میں اگر ملکہ کی سلطنت پر نگاہ کیجئے تو اس کی آمدنی فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی، اور خرچوں کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر اس کا بیان ملکہ کی زبان سے سنوں تو خاطر جمع ہو، قصد ملک نیم روز کا کروں اور جوں توں وہاں جا پہنچوں۔ پھر سب احوال دریافت کرکے ملکہ کی خدمت میں بہ شرط زندگی بار دِگر حاضر ہوں، اپنے دل کی مراد پاؤں۔

یہ سن کر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ اے جوان! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماہیت دریافت کرے تو آج کے دن بھی مقام کر، شام کو تجھے حضور میں طلب کرکر، جو کچھ احوال اس دولت بے زوال کا ہے، بے کم و کاست کہا جائے گا۔ میں یہ تسلی پا کر اپنی استقامت کے مکان پر آکر منتظر تھا کہ کب شام ہو، جو میرا مطلب تمام ہو۔ اتنے میں خواجہ سرا ، کئی چوگوشے تورہ پوش پڑے بھوئیوں کے سر پر دھرے، آکر موجود ہوا اور بولا کہ حضور سے اُلش خاص عنایت ہوا ہے، اس کو تناول کرو۔ جس وقت میرے سامنے کھولے، بو باس سے دماغ معطر ہوا اور روح بھر گئی۔ جتنا کھاسکا،کھالیا، باقی ان سبھوں کو اٹھا دیا اور شکرِ نعمت کہہ بھجایا، بارے جب آفتاب،تمام دن کا مسافر تھکا ہوا گر پڑتا اپنے محل میں داخل ہوا اور مہتاب دیوان خانے میں اپنے مصاحبوں کو ساتھ لے کر نکل بیٹھا، اس وقت دائی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ چلو بادشاہزادی نے یاد فرمایا ہے۔

میں اس کے ہم راہ ہولیا، خلوتِ خاص میں لے گئی ۔روشنی کا یہ عالم تھا کہ شب قدر کو وہاں قدر نہ تھی اور پادشاہی فرش پر مسند مغرق، بچھی مرصّع کا تکیہ لگا ہوا اور اس پر ایک شمیانہ موتیوں کی جھالر کا، جڑاؤ استادوں پر کھڑا ہوا اور سامنے مسند کے جواہر کے درخت پھول لگے ہوئے۔(گویا عین مین قدرتی ہیں) سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے اور دونوں طرف دست راست اور دست چپ شاگرد پیشے اور مجرائی دست باادب آنکھیں نیچی کیے ہوئے حاضر تھے اور طوایف اور گائنیں، سازوں کے سُر بنائے منتظر، یہ سماں اور یہ تیاری کرّ وفر کی دیکھ کر عقل ٹھکانے نہ رہی۔ دائی سے پوچھا کہ دن کو وہ زیبایش اور رات کو یہ آرایش کہ دن عید اور رات شب برات کہا چاہیے، بلکہ دنیا میں بادشاہ ہفت اقلیم کو یہ عیش میسر نہ ہوگا، ہمیشہ یہی صورت رہتی ہے؟ دائی کہنے لگی کہ ہماری ملکہ کا جتنا کارخانہ تم نے دیکھا، یہ سب اسی دستور سے جاری ہے۔ اس میں ہرگز خلل نہیں بلکہ افزوں ہے۔ تم یہاں بیٹھو ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں، جا کر خبر کروں۔

دائی یہ کہہ کر گئی اور انہیں پاؤں پھر آئی کہ چلو حضور میں۔ بہ مجرد اُس مکان میں جاتے ہی بھچک رہ گیا، نہ معلوم ہوا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کیدھر ہے۔ اس واسطے کہ حلبی

آئینے قد آدم چاروں طرف لگے اور ان کی پروازوں میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے ایک کا عکس ایک میں نظر آتا، تو معلوم ہوتا کہ جواہر کا سارا مکان ہے۔ ایک طرف پردہ پڑا تھا اس کے پیچھے ملکہ بیٹھیں تھیں۔ وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔
تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اس طور بیان کرنے لگی کہ سُن اے جوانِ دانا! سلطان اس اقلیم کا بڑا بادشاہ تھا، ان کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک روز بادشاہ نے جشن فرمایا، یہ ساتوں لڑکیاں سولہ سنگار بارہ ابھرن، بال بال گج موتی پرو کر بادشاہ کے حضور میں کھڑی تھیں۔ سلطان کے کچھ جی میں آیا، تو بیٹیوں کی طرف دیکھا کر فرمایا: اگر تمہارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور کسی غریب کے گھر تم پیدا ہوتیں تو تمہیں پادشاہ زادی اور ملکہ کون کہتا؟ خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو، تمہاری یہ ساری خوبی میرے دم سے ہے۔

چھے لڑکیاں ایک زبان ہوکر بولیں کہ جہاں پناہ جو فرماتے ہیں۔ بجا ہے اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے لیکن یہ ملکہ جہاں سب بہنوں سے چھوٹی تھیں، پر عقل و شعور میں اُس عمر میں بھی گویا سب سے بڑی تھیں چپکی کھڑی رہیں، اس گفتگو میں بہنوں کی شریک نہ ہوئیں، اس واسطے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ بادشاہ نے نظرِ غضب سے ان کی طرف دیکھا اور کہا: کیوں بی بی! تم کچھ نہ بولیں، اس کا کیا باعث ہے؟ تب ملکہ نے دونوں ہاتھ اپنے رومال سے باندھ کر عرض کی اگر جان کی امان پاؤں اور تقصیر معاف ہو۔ تو یہ لونڈی اپنے دل کی بات گزارش کرے۔ حکم ہوا کہ کہہ کیا کہتی ہے؟ تب ملکہ نے کہا کہ قبلۂ عالم آپ نے سنا ہے کہ سچی بات کڑوی لگتی ہے، سو اس وقت میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھوکر عرض کرتی ہوں اور جو کچھ میری قسمت میں لکھنے والے نے لکھا ہے اس کا مٹانے والا کوئی نہیں، کسو طرح نہیں ٹلنے کا۔

خواہ تم پاؤں گھسو ، یا کہ رکھو سر بہ سجود
بات پیشانی کی جو کچھ ہے، سو پیش آنی ہے

جس بادشاہ علی الاطلاق نے آپ کو پادشاہ بنایا، انہیں نے مجھے بھی بادشاہ زادی کہوایا۔ اس کی قدرت کے کارخانے میں کسو کا اختیار نہیں چلتا۔ آپ کی ذات ہماری ولی نعمت

اور قبلہ و کعبہ ہے، حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمہ کروں تو بجا ہے، مگر نصیب ہر ایک کے ہر ایک کے ساتھ ہیں۔ بادشاہ یہ سُن کر طیش میں آئے اور یہ جواب دل پر سخت گراں معلوم ہوا! بیزار ہوکر فرمایا: چھوٹا منہ بڑی بات! اب اس کی یہی سزا ہے کہ گہنا پاتا جو کچھ اس کے ہاتھ گلے میں ہے، اتارلو، اور ایک میانے میں چڑھا کر ایسے جنگل میں کہ جہاں نام و نشان آدمی آدم زاد کا نہ ہو، پھینک آؤ، دیکھیں اس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔

بہ موجب حکم پادشاہ کے اُس آدھی رات میں (کہ عین اندھیری تھی) ملکہ کو (جو جوڑے بھوڑے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی) بھوئی لے جاکر ایک میدان میں کہ وہاں پرندہ پر نہ مارتا انسان کا تو کیا ذکر ہے، چھوڑ کر چلے آئے۔ ملکہ کے دل پر عجب حالت گزرتی تھی کہ ایک دم میں کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتیں اور کہتیں: تو ایسا ہی بے نیاز ہے۔ جو چاہا سو کیا اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور جو چاہے گا سو کرے گا۔ جب تلک نتھنوں میں دم ہے، تجھ سے ناامید نہیں ہوتی۔ اسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی۔ جس وقت صبح ہونے لگی ملکہ کی آنکھ کھل گئی پکاریں کہ وضو کو پانی لانا، پھر ایک بارگی رات کی بات چیت یاد آئی کہ تو کہاں اور یہ بات کہاں؟ یہ کہہ کر اٹھ کر تیمم کیا اور دوگانہ شکر کا پڑھا۔ اے عزیز! ملکہ کی اس حالت کے سننے سے چھاتی پھٹتی ہے، اس بھولے بھالے جی سے پوچھا چاہیے کہ کیا کہتا ہوگا!

غرض اس میانے میں بیٹھی ہوئی خدا سے لو لگائے رہیں اور یہ کبت اس دم پڑھتی تھیں۔

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو، جب دانت دیئے، کہا ان نہ دے ہے
جو جل میں تھل میں پنچھی پُس کی سُدھ لیت، سو تیری بھی لے ہے
کاہے کو سوچ کرے من مورکھ، سوچ کرے کچھ ہاتھ نہ اے ہے
جان کو دیت، اجان کو دیت جہان کو دیت، سو تو کو بھی دے ہے

سچ ہے جب کچھ بن نہیں آتا، تب خدا ہی یاد آتا ہے۔ نہیں تو اپنی اپنی تدبیر میں

ہرایک لقمان اور بوعلی سینا ہے۔اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو۔اسی طرح تین دن رات صاف گزر گئے کہ ملکہ کے منہ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ گئی۔ وہ پھول سا بدن سوکھ کا کانٹا ہوگیا۔ اور وہ رنگ ، جو کندن سا دمکتا تھا، ہلدی سا بن گیا۔ منہ میں پھیپھڑی بندھ گئی، آنکھیں پتھرا گئیں مگر ایک دم اٹک رہا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا۔جب تلک سانس تب تک آس۔ چوتھے روز صبح کو ایک درویش خضر کی سی صورت نورانی چہرہ ، روشن دل، آکر پیدا ہوا۔ملکہ کو اس حالت میں دیکھ کر بولا: اے بیٹی ! اگرچہ تیراباپ بادشاہ ہے۔لیکن تیری قسمت میں یہ بھی بدا تھا۔اب اس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ، اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان رکھ، خدا خوب کرے گا۔اور فقیر کے کچکول میں جو ٹکڑے بھیکھ کے موجود تھے، ملکہ کے روبہ رو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔دیکھے تو ایک کنواں تو ہے، پر ڈول رسی کہاں جس سے پانی بھرے؟ تھوڑے پتے درخت سے توڑ کر دونا بنایا، اور اپنی سیلی کھول کر اس میں باندھ کر نکالا،اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا۔ بارے ٹک ہوش آیا۔اس مردِ خدا نے بے کس اور بے بس جان کر بہت سی تسلی دی، خاطر جمع کی اور آپ بھی رونے لگا۔ ملکہ نے جب غم خواری اور دل داری اس کی بے حد دیکھی، تب ان کے بھی مزاج کو استقلال ہوا۔اس روز سے اس پیر مرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح کو بھیکھ مانگنے کے لیے شہر میں نکل جاتا، جو ٹکڑا پارچہ پاتا، ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔

اس طور سے تھوڑے روز گزرے۔ ایک دن ملکہ نے تیل سر میں ڈالنے اور کنگی چوٹی کرنے کا قصد کیا۔ جونہیں مُباف کھولا، چٹلے میں سے ایک موتی کا دانہ گول آب دار نکل پڑا۔ ملکہ نے اس درویش کو دیا اور کہا: شہر میں اس کو بیچ لاؤ۔ وہ فقیر اس گوہر کو بیچ کر اس کی قیمت بادشاہ زادی کے پاس لے آیا۔ تب ملکہ نے حکم کیا کی ایک مکان موافق گزران کے اس جگہ بنواؤ۔ فقیر نے کہا: اے بیٹی ! نیو دیوار کی کھود کر، تھوڑی سی مٹی جمع کرو، ایک دن میں پانی لاکر، گارا کر کر، گھر کی بنیاد درست کردوں گا۔ ملکہ نے اس کے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی۔ جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا، زمین کے نیچے سے ایک

دروازہ نمود ہوا۔ ملکہ نے اس در کو صاف کیا، ایک بڑا گھر جواہر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا۔ ملکہ نے پانچ چار لپ اشرفیوں کی لے کر پھر بند کیا۔ اور مٹی دے کر اوپر سے ہموار کردیا۔ اتنے میں فقیر آیا۔ ملکہ نے فرمایا کہ راج اور معمار کاری گر اور اپنے کام کے استاد اور مزدور جلد دست بلاؤ جو اس مکان پر ایک عمارت پادشاہانہ کہ طاقِ کسریٰ کا جفت ہو اور قصرِ نعمان سے سبقت لے جائے۔ اور شہر پناہ اور قلعہ اور باغ اور باولی اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو، جلد تیار کریں۔لیکن پہلے نقشہ ان کا ایک کاغذ پر درست کر کے حضور میں لاویں، جو پسند کیا جائے۔

فقیر نے ایسے ہی کارکن کارکردہ،ذی ہوش لاکر حاضر کیے۔موافق فرمانے کے، تعمیر عامرت ہونے لگی۔ اور نوکر چاکر ہر ایک کارخانہ جات کی خاطر چُن چُن کر فہمیدہ اور بادیانت ملازم ہونے لگے۔ اس عمارت عالی شان کی تیاری کی خبر،رفتہ رفتہ بادشاہ ظلِ سبحانی کو (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی۔سن کر بہت متعجب ہوئے اور ہر ایک سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔جن نے یہ محلات بنانے شروع کیے ہیں؟ اس کی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ کوئی غلام نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون ہے؟ تب پادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ میں ان مکانوں کے دیکھنے کو آیا چاہتا ہوں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی پادشاہ زادی ہو اور کس خاندان سے ہو یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے تئیں منظور ہے۔

جونہیں ملکہ نے یہ خوش خبری سنی دل میں بہت شاد ہوکر عرضی لکھی کہ جہاں پناہ سلامت ! حضور کے تشریف لانے کی خبر، طرف غریب خانے کے سن کر نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سبب حرمت اور عزت اس کم ترین کا ہوا۔ زہے طالع اس مکان کے! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے، اور وہاں کے رہنے والوں پر دامن دولت سایہ کرے۔ اور نظر توجہ سے وے دونوں سرفراز ہوویں ۔ یہ لونڈی امید وار ہے کہ کل روز پنج شنبہ روز مبارک ہے، اور میرے نزدیک بہتر روز نوروز سے ہے،آپ کی ذات مشابہ آفتاب کے ہے، تشریف

فرما کر اپنے نور سے اس ذرہ بے مقدار کو قدر و منزلت بخشیے۔ اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسر ہو سکے، نوش جان فرمائیے۔ یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے، زیادہ حد ادب اور اس عمدہ کو بھی کچھ تواضع کر کر، رخصت کیا۔

پادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہاری دعوت قبول کی البتہ آویں گے۔ ملکہ نے نوکروں اور سب کارباریوں کو حکم کیا کہ لوازمہ ضیافت کا ایسے سلیقے سے تیار ہو کہ پادشاہ دیکھ کر اور کھا کر بہت محظوظ ہوں۔ اور ادنیٰ اعلیٰ جو پادشاہ کی رکاب میں آویں، سب کھا پی کر خوش ہو کر جاویں۔ ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے سب قسم کے کھانے سلونے اور میٹھے اس ذائقے کے تیار ہوئے کہ اگر باہمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی۔ جب شام ہوئی بادشاہ منڈے تخت پر سوار ہو کر ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے۔ ملکہ اپنی خاص خواص سہیلیوں کو لے کر استقبال کے واسطے چلیں۔ جوں پادشاہ کے تخت پر نظر پڑی اس آداب سے مُجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھ کر بادشاہ کو اور بھی حیرت نے لیا۔ اور اسی انداز سے جلوہ کر کر پادشاہ کو تختِ مرصع پر لا بٹھایا۔ ملکہ نے سوا لاکھ روپے کا چبوترہ تیار کروا رکھا تھا اور ایک سو ایک کشتی جواہر اور اشرفی پشمینہ اور نور بافی اور ریشمی اور طلا بافی اور زردوزی کی لگا رکھی تھی اور دو زنجیر فیل اور دس راس اسپ عراقی اور یمنی مرصع کے ساز سے تیار کر رکھے تھے۔ نذر گزرانے۔ اور آپ دونوں ہاتھ باندھے رو بہ رو کھڑی رہی۔ پادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ تم کس ملک کی شہزادی ہو، اور یہاں کس صورت سے آنا ہوا؟

ملکہ نے آداب بجا لا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہ گار ہے جو غضبِ سلطانی کے باعث اس جنگل میں پہنچی۔ اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی پادشاہ کے لہو نے جوش مارا اٹھ کر محبت سے گلے لگا لیا اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کرسی بچھوا کر حکم بیٹھنے کا کیا۔ لیکن پادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ پادشاہ بیگم کو کہو کہ پادشاہ زادیوں کو اپنے ساتھ لے کر جلد آویں۔ جب وے آئیں ماں بہنوں نے پہچانا، اور گلے مل کر روئیں اور شکر کیا۔ ملکہ نے اپنی والدہ اور چھبوں ہمشیروں

کے رو بہ رو اتنا کچھ نقد اور جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اس کے پاسنگ میں نہ چڑھے۔ پھر پادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر خاصہ نوش جان فرمایا۔

جب تلک جہاں پناہ جیتے رہے، اسی طرح گزری۔ کبھو کبھو آپ آتے اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لے جاتے۔ جب پادشاہ نے رحلت فرمائی، سلطنت اس اقلیم کی ملکہ کو پہنچی، کہ ان کے سوا دوسرا کوئی لائق اس کام کے نہ تھا اے عزیز! سرگذشت یہ ہے جو تو نے سنی۔ پس دولت خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا، مگر آدمی کی نیت درست چاہیے بلکہ جتنی خرچ کرو۔ اس میں اتنی ہی برکت ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت میں تعجب کرنا کسی مذہب میں روا نہیں۔ دائی نے یہ بات کہہ کر کہا اب اگر قصد وہاں کے جانے کا اور اس خبر لانے کا دل میں مقرر رکھتے ہو تو جلد روانہ ہو۔ میں نے کہا اسی وقت میں جاتا ہوں اور خدا چاہے تو جلد پھر آتا ہوں۔ آخر رخصت ہو کر اور فضل الٰہی پر نظر رکھ کر اس سمت کو چلا۔

برس دن کے عرصے میں ہرج مرج کھینچتا ہوا۔ شہر نیم روز میں جا پہنچا۔ جتنے وہاں کے آدمی ہزاری اور بزاری نظر پڑے سیاہ پوش تھے۔ جیسا احوال سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کئی دنوں کے بعد چاند رات ہوئی۔ پہلی تاریخ، سارے لوگ اس شہر کے چھوٹے بڑے لڑکے بالے امرا پادشاہ عورت مرد ایک میدان میں جمع ہوئے۔ میں بھی اپنی حالت میں حیران سرگردان اس کثرت کے ساتھ اپنے مال ملک سے جدا فقیر کی صورت بنا ہوا کھڑا دیکھتا تھا، کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک جوان گاؤ سوار، منہ میں کف بھرے جوش خروش کرتا ہوا۔ جنگل میں سے باہر نکلا۔ یہ عاجز جو اتنی محنت کر کے اس کے احوال دریافت کرنے کی خاطر گیا تھا۔ دیکھتے ہی اسے حواس باختہ ہو کر حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جواں مرد قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا، کر کر پھر گیا اور خلقت شہر کی شہر طرف متوجہ ہوئی جب مجھے ہوش آیا۔ تب میں پچتایا کہ یہ کیا تجھ سے حرکت ہوئی؟ اب مہینے بھر پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا۔ اور اس مہینے کو، ماہِ رمضان کے مانند ایک ایک دن گن گن کر کاٹا۔ بارے دوسری چاند رات آئی۔ مجھے گویا عید ہوئی غرے کو پھر پادشاہ

خلقت سمیت وہیں جاکر اکٹھے ہوئے۔ تب میں نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب کی بار جو ہو سو ہو اپنے تئیں سنبھال کر اس ماجرائے عجیب کو معلوم کیا چاہیے۔ ناگاہ جوان بدستور زرد بیل پر زین باندھے، سوار ہو آپہونچا، اور اتر کر دو زانو بیٹھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی سیف اور ایک ہاتھ میں بیل کی ناتھ پکڑی اور مرتبان غلام کو دیا۔ غلام ہر ایک کو دکھا کر لے گیا، آدمی دیکھ کر رونے لگے۔ اس جوان نے مرتبان پھوڑا، اور غلام کو ایک تلوار ایسی ماری کہ سر جدا ہوگیا۔ اور آپ سوار ہوکر مڑا۔ میں اس کے پیچھے جلد قدم اٹھا کر چلنے لگا۔ شہر کے آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا یہ کیا کرتا ہے؟ کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے؟ اگر ایسا ہی تیرا دم ناک میں آیا ہے۔ تو بہتیری طرحیں مرنے کی ہیں، مر رہیو۔ ہرچند میں نے منت کی اور زور بھی کیا، کہ کسو صورت سے ان کے ہاتھ سے چھوٹوں چھٹکارا نہ ہوا۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی کی طرف لے آئے۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گزرا۔

جب وہ بھی مہینہ تمام ہوا اور سَلْخ کا دن آیا، صبح کو اسی صورت سے سارے عالم کا وہاں ازدحام ہوا۔ میں الگ سب سے نماز کے وقت اٹھ کر آگے ہی جنگل میں (جو عین اس جوان کی راہ پر تھا) گھس کر چھپ رہا۔ کہ یہاں تو کوئی میرا مزاحم نہ ہوگا۔ وہ شخص اسی قاعدے سے آیا اور وہی حرکتیں کر کر سوار ہوا اور چلا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور دوڑتا دھوپتا ساتھ ہولیا۔ اس عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے۔ ایک بارگی باگ موڑ کر ایک نعرہ مارا اور گھر کا۔ تلوار کھینچ کر میرے سر پر آپہنچا، چاہتا تھا کہ حملہ کرے میں نے نہایت ادب سے نہڑ کر، سلام کیا اور دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا رہ گیا۔ وہ قاعدہ دان متکلم ہوا کہ اے فقیر! تو ناحق مارا گیا ہوتا، پر بچ گیا، تیری حیات کچھ باقی ہے۔ جا، کہاں آتا ہے؟ اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا اور آویزہ لگا ہوا کمر سے نکال کر میرے آگے پھینکا اور کہا اس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں اس کو پادشاہ پاس لے جا، جو تو مانگے گا ملے گا۔ ایسی ہیبت اور ایسا رعب اس کا مجھ پر غالب ہوا کہ نہ بولنے کی قدرت نہ چلنے کی طاقت۔ منہ میں گھگھی بندھ گئی، پاؤں بھاری ہوگئے۔

اتنا کہہ کر وہ غازی مرد نعرہ بھرتا ہوا چلا۔ میں نے دل میں کہا۔ ہر چہ بادا باد، اب رہ جانا تیرے حق میں برا ہے، پھر ایسا وقت نہ ملے گا۔ اپنی جان سے ہاتھ دھو کر میں بھی روانہ ہوا۔ پھر وہ پھرا اور بڑے غصے سے ڈانٹا، اور مقرر ارادہ میرے قتل کا کیا۔ میں نے سر جھکا دیا اور سوگند دی کہ اے رستم وقت کے! ایسی ہی ایک سیف مار کہ صاف دو ٹکڑے ہو جاؤں ایک تسمہ باقی نہ رہے اور اس حیرانی اور تباہی سے چھوٹ جاؤں میں نے اپنا خون معاف کیا۔ وہ بولا کہ اے شیطان کی صورت ! کیوں اپنا خون ناحق میری گردن پر چڑھاتا ہے اور مجھے گنہ گار بناتا ہے؟ جا اپنی راہ لے، کیا جان بھاری پڑی ہے؟ میں نے اس کا کہا نہ مانا، اور قدم آگے دھرا پھر اس نے دیدہ و دانستہ آنا کانی دی، اور میں پیچھے لگ گیا۔ جاتے جاتے، دو کوس وہ جھاڑ جنگل طے کیا۔ ایک چار دیواری نظر آئی۔ وہ جوان دروازے پر گیا۔ اور ایک نعرۂ مہیب مارا۔ وہ در آپ سے آپ کھل گیا۔ وہ اندر بیٹھا میں باہر کا باہر کھڑا رہ گیا۔ الٰہی اب کیا کروں! حیران تھا۔ مارے ایک دم کے بعد غلام آیا اور پیغام لایا کہ چل تجھے روبہ رو بلایا ہے۔ شاید تیرے سر پر اجل کا فرشتہ آیا ہے۔ کیا تجھے کم بختی لگی تھی! میں نے کہا زہے نصیب! اور بے دھڑک اس کے ساتھ اندر باغ کے گیا۔

آخر ایک مکان میں لے گیا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر فراشی سلام کیا۔ اس نے اشارت بیٹھنے کی کی، میں ادب سے دوزانو بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مرد اکیلا ایک مسند پر بیٹھا ہے اور ہتھیار زرگری کے آگے دھرے ہیں اور ایک جھاڑ زمرد کا تیار کر چکا ہے جب اس کے اٹھنے کا وقت آیا۔ جتنے غلام اس شہ نشین کے گرد پیش حاضر تھے حجروں میں چھپ گئے، میں بھی مارے وسواس کے ایک کوٹھری میں جا گھسا۔ وہ جوان اٹھ کر سب مکانوں کی کنڈیاں چڑھا کر، باغ کے کونے کی طرف چلا، اور اپنی سواری کے بیل کو مارنے لگا۔ اس کے چلانے کی آواز میرے کان میں آئی، کلیجا کانپنے لگا۔ لیکن اس ماجرے کے دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہیں تھیں۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کر ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کر کھڑا ہوا اور دیکھنے لگا۔ جوان نے وہ سونٹا جس سے مارتا تھا ہاتھ

سے ڈال دیا۔ اور ایک مکان کا قفل کنجی سے کھولا اور اندر گیا۔ پھر وونہیں باہر نکل کر، نرگاو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اور منہ چوما اور دانہ گھاس کھلا کو ادھر کو چلا۔ میں دیکھتے ہی جلد دوڑ کر پھر کوٹھری میں جا چھپا۔

اس جوان نے زنجیریں سب دروازوں کی کھول دیں سارے غلام باہر نکلے۔ زر انداز اور سلپچی آفتابہ لے کر حاضر ہوئے وہ وضو کرکر نماز کی خاطر کھڑا ہوا۔ جب نماز ادا کر چکا، پکارا کہ وہ درویش کہاں ہے؟ اپنا نام سنتے ہی، میں دوڑ کر روبہ رو جا کھڑا ہوا۔ فرمایا ؛بیٹھ میں تسلیم کرکر بیٹھا۔ خاصہ آیا۔ اس نے تناول فرمایا، مجھے بھی عنایت کیا، میں نے بھی کھایا، جب دسترخوان بڑھایا اور ہاتھ دھوئے غلاموں کو رخصت دی کہ جا کر سو رہو۔ جب کوئی اس مکان میں نہ رہا۔ تب مجھ سے ہم کلام ہوا اور پوچھا کہ اے عزیز! تجھ پر کیا ایسی آفت آئی جو تو اپنی موت کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے؟ میں نے اپنا احوال آغاز سے انجام تک جو کچھ گزرا تھا تفصیل وار بیان کیا اور کہا۔ آپ کی توجہ سے امید ہے کہ اپنی مراد کو پہنچوں۔ اس نے یہ سنتے ہی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بے ہوش ہوا اور کہنے لگا۔ بار خدایا! عشق کے درد سے تیرے سوا کون واقف ہے۔ جس کی نہ پھٹی ہو بوائی کیا جانے پیر پرائی۔ اس درد کی قدر جو درد مند ہو، سو جانے۔

آفتوں کو عشق کی، عاشق سے پوچھا چاہیے کیا خبر فاسق کو ہے؟ صادق سے پوچھا چاہیے

بعد ایک لمحے کے ہوش میں آ کر ایک آہِ جگر سوز بھری سارا مکان گونج گیا۔ تب مجھے یقین ہوا کہ یہ بھی اسی عشق کی بلا میں گرفتار ہے۔ اور اسی مرض کا بیمار ہے۔ تب تو مین نے دل چلا کر کہا کہ میں نے اپنا احوال سب عرض کیا، آپ توجہ فرما کر اپنی سرگذشت سے بندے کو مطلع فرمائیے تو بہ مقدور پانے پہلے تمہارے واسطے سعی کروں اور دل کو مطلب کوشش کر رہا تھا میں لاؤں القصہ وہ عاشقِ صادق مجھ کو اپنا ہمراز اور ہم درد جان کر اپنا ماجرا اس صورت سے بیان کرنے لگا کہ سن اے عزیز! میں پادشاہ زادۂ جگر سوز اس اقلیم نیمروز کا ہوں۔ پادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے میرے پیدا ہونے کے بعد نجومی اور رمال اور پنڈت جمع

یے۔ اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو، اور جنم پتری درست کرو۔ اور جو جو کچھ ہوتا ہے، حقیقت پل پل، گھڑی گھڑی اور پہر پہر اور دن دن مہینے مہینے اور برس برس کی مفصل حضور میں عرض کرو۔ بہ موجب حکم پادشاہ کے سب نے متفق ہو۔ اپنے اپنے علم کی رو سے ٹھیرا اور سادھ کر التماس کیا کہ خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت اور لگن میں شہزادے کا تولد اور جنم ہوا ہے کہ چاہیے سکندر کی سی بادشاہت کرے اور نوشیرواں سا عادل ہو۔ اور جتنے علم اور ہنر ہیں ان میں کامل ہو۔ اور جس کام کی طرف دل اس کا مائل ہو وہ بہ خوبی حاصل ہو۔ سخاوت وشجاعت میں ایسا نام پیدا کرے کہ حاتم اور رستم کو لوگ بھول جاویں۔ لیکن چودہ برس تلک سورج اور چاند کے دیکھنے سے ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ وسواس ہے کہ جنونی اور سودائی ہوکر بہت آدمیوں کا خون کرے اور بستی سے گھبراوے جنگل میں نکل جاوے اور چرند پرند کے ساتھ دل بہلاوے۔ اس کا تقید رہے کہ رات دن آفتاب ماہتاب کو نہ دیکھے، بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پاوے۔ جو اتنی مدت خیرو عافیت سے کٹے، تو پھر ساری عمر سکھ اور چین سے سلطنت کرے۔

یہ سن کر پادشاہ نے اسی لیے اس باغ کی بنا ڈالی اور مکان متعدد ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ میرے تئیں تہ خانے میں پلنے کا حکم کیا۔ اور اوپر ایک بُرج نمدے کا تیار کروایا تو دھوپ اور چاندنی اس میں سے نہ چھنے۔ میں دائی دودھ پلائی اور انگا چھوچھو اور کئی خواصوں کے ساتھ اس محافظت سے اس مکان عالی شان میں پرورش پانے لگا۔ اور ایک استاد دانا، کارآزمودہ واسطے میری تربیت کے متعین کیا تو تعلیم ہر علم اور ہنر کی اور مشق ہفت قلم لکھنے کی کرے اور جہاں پناہ ہمیشہ میرے خبرگیران رہتے۔ دم بہ دم کی کیفیت روزمرہ حضور میں عرض ہوتی۔ میں اس مکان ہی کو عالم دنیا جان کر کھلونوں اور رنگ بہ رنگ پھولوں سے کھیلا کرتا۔ اور تمام جہاں کی نعمتیں کھانے کے واسطے موجود رہتیں جو چاہتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک، جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں تحصیل کیں۔

ایک روز اس گنبد کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اچھنے کا نظر پڑا کہ دیکھتے

دیکھتے بڑا ہوتا جاتا تھا۔ میں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑلوں، جوں میں ہاتھ لنبا کرتا تھا، وہ اونچا ہوجاتا تھا۔ میں حیران ہوکر اسے تک رہا تھا۔ وونہیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی میں نے اس کے دیکھنے کو گردن اٹھائی۔ دیکھا تو نمدا چیر کر ایک مکھڑا چاند کا سا نکل رہا ہے۔ دیکھتے ہی اس کے، میرے عقل و ہوش بجا نہ رہے۔ پھر اپنے تئیں سنبھال کر دیکھا تو ایک مرصع کا تخت پری زادوں کے کاندھے پر معلق کھڑا ہے۔ اور ایک تخت نشین تاج جواہر کا سر پر، اور خلعت جھلا بور بدن میں پہنے ہاتھ میں یاقوت پیالا لیے اور شراب پیے ہوئے بیٹھی ہے۔ وہ تخت بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اتر کر اس بُرج میں آیا۔ تب پری نے مجھے بلایا اور اپنے نزدیک بٹھایا، باتیں پیار کی کرنے لگی، اور منہ سے منہ لگا کر ایک جام شراب گُل گلاب کا میرے تئیں پلایا اور کہا: آدمی زاد بے وفا ہوتا ہے لیکن دل ہمارا تجھے چاہتا ہے۔ ایک دم میں ایسی ایسی انداز و ناز کی باتیں کیں کہ دل محو ہوگیا۔ اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زندگانی کا مزا پایا، اور یہ سمجھا کہ آج تو دنیا میں آیا۔

حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں۔ کسو نے یہ عالم نہ دیکھا ہوگا۔ نہ سنا ہوگا۔ اس مزے میں خاطر جمع سے ہم دونوں بیٹھے تھے کہ گھڑیال میں غلیلا لگا۔ اب اس حادثہ ناگہانی کا ماجرا سن کر کہ وونہیں چار پری زاد نے آسمان پر سے اتر کر، کچھ اس معشوقہ کے کان میں کہا۔ سنتے ہی اس کا چہرہ تغیر ہوگیا اور مجھ سے بولی کہ اے پیارے! دل تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھ کر دل بہلاؤں اور اسی طرح ہمیشہ آؤں، یا تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں، پر یہ آسمان دو شخص کو ایک جگہ آرام اور خوشی سے رہنے نہیں دیتا۔ لے جاناں! تیرا خدا نگہ بان ہے۔ یہ سن کر میرے حواس جاتے رہے۔ اور طوطے ہاتھ کے اڑ گئے۔ میں نے کہا کہ اجی اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ کیا تم نے غضب کی بات سنائی؟ اگر جلد آؤگی تو مجھے جیتا پاؤگی، نہیں تو پچھتاؤگی۔ یا اپنا ٹھکانا اور نام و نشان بتاؤ کہ میں ہی اس پتے پر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اپنے تئیں تمہارے پاس پہنچاؤں۔ یہ سن کر بولی: دور پار شیطان کے کان بہرے تمہاری صد و بیست سال کی عمر ہووے، اگر زندگی ہے تو پھر ملاقات ہووے

گی۔ میں جنوں کے پادشاہ کی بیٹی ہوں، اور کوہ قاف میں رہتی ہوں۔ یہ کہہ کر تخت اٹھایا اور جس طرح اترا تھا، وونہیں بلند ہونے لگا۔

جب تلک سامنے تھا۔ میری اور اس کی چار آنکھیں ہو رہی تھیں۔ جب نظروں سے غائب ہوا۔ یہ حالت ہوگئی جیسے پری کا سایہ ہوتا ہے۔ عجب طرح کی اداسی دل پر چھاگئی، عقل و ہوش رخصت ہوا، دنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہوگئی۔ حیران پریشان زار زار رونا اور سر پر خاک اڑانا، کپڑے پھاڑنا۔ نہ کھانے کی سدھ، نہ بھلے برے کی بدھ۔

اس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ہیں — دل میں اداسیاں ہیں اور اضطرابیاں ہیں

اس خرابی سے دائی اور معلم خبردار ہوئے ڈرتے ڈرتے پادشاہ کے روبہ رو گئے اور عرض کی کہ پادشاہ زادہ عالمیاں کا یہ حال ہے۔ معلوم نہیں خود بہ خود یہ کیا غضب ٹوٹا جو ان کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا؟ تب پادشاہ وزیر امرائے صاحب تدبیر اور طبیب حاذق منجم صادق ملّا سیانے خوب درویش سالک اور مجذوب اپنے ساتھ لے کر اس باغ میں رونق افزا ہوئے۔ میری بے قراری اور نالہ وزاری دیکھ کر ان کی بھی حالت اضطراب کی ہوگئی۔ آب دیدہ ہوکر بے اختیار گلے سے لگالیا، اور اس کی تدبیر کی خاطر حکم کیا۔ حکیموں نے قوت دل اور خلل دماغ کے واسطے نسخے لکھے اور ملّاؤں نے نقش و تعویذ پلانے اور پاس رکھنے کو دیے، دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے۔ اور نجومی بولے کہ ستاروں کی گردش کے سبب یہ صورت پیش آئی ہے۔ اس کا صدقہ دیجیے۔ غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا، پر مجھ پر جو گزرتی تھی میرا دل ہی سہتا تھا۔ کسو کی سعی اور تدبیر میری تقدیر بد کے کام نہ آئی۔ دن بہ دن دیوانگی کا زور ہوا۔ اور میرا بدن بے آب و دانے کمزور ہوچلا۔ رات دن چلانا اور سر پٹکنا ہی باقی رہا۔ اس حالت میں تین سال گزرے۔ چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہوا آیا اور ہر ایک ملک کے تحفے تحائف عجیب و غریب جہاں پناہ کے حضور میں لایا۔ ملازمت حاصل کی۔

پادشاہ نے بہت توجہ فرمائی اور احوال پُرسی اس کی کرکے۔ پوچھا کہ تم نے بہت

ملک دیکھے کہیں کوئی حکیم کامل بھی نظر پڑا یا کسو سے مذکور اس کا سنا؟ اس نے التماس کیا
قبلۂ عالم! غلام نے بہت سیر کی۔ لیکن ہندوستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ہے۔ وہا
ایک گوسائیں جٹا دھاری نے بڑا منڈھپ مہادیو کا اور سنگت اور باغ بڑی بہار کا بہ
ہے۔ اس میں رہتا ہے۔ اور اس کا یہ قاعدہ ہے کہ برسویں دن شیورات کے روز اپ
استھان سے نکل کر دریا میں پیرتا ہے اور خوشی کرتا ہے۔ اشنان کے بعد جب اپنے آسن
جانے لگتا ہے تب بیمار اور دردمند دیس دیس اور ملک ملک کے جو دور دور سے آتے ہیں،
دروازے پر جمع ہوتے ہیں۔ ان کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

وہ مہنت (جسے اس زمانے کا افلاطون کہا چاہیے) قارورہ اور نبض دیکھتا ہوا اور ہ
ایک کو نسخہ لکھ کر دیتا ہوا چلا جاتا ہے۔ خدا نے ایسا دستِ شفا اس کو دیا ہے کہ دوا پیتے ہی
اثر ہوتا ہے اور وہ مرض بالکل جاتا رہتا ہے۔ یہ ماجرا میں نے بہ چشمِ خود دیکھا اور خدا کی
قدرت کو یاد کیا کہ ایسے ایسے بندے پیدا کئے ہیں۔ اگر حکم ہو تو شہزادۂ عالم عالمیان کو اس
کے پاس لے جاویں اس کو ایک نظر دکھاویں امید قوی ہے کہ جلد شفائے کامل ہو۔ اور ظاہر
میں بھی یہ تدبیر اچھی ہے کہ ہر ایک ملک کی ہوا کھانے سے اور جابہ جا کے آب و دانے سے
مزاج میں فرحت آتی ہے۔ پادشاہ کو بھی اس کی صلاح پسند آئی اور خوش ہو کر فرمایا: بہت
بہتر شاید اس کا ہاتھ راس آوے اور میرے فرزند کے دل سے وحشت جاوے ایک امیر معتبر
جہاں دیدہ کارآزمودہ کو اور اس تاجر کو میری رکاب میں تعینات کیا اور اسبابِ ضروری ساتھ
کر دیا۔ نواڑے، بجرے، مورپنکھی، پلوار لچکے کھیلنے الاق، پٹیلیوں پر مع سرانجام سوار کر کر
رخصت کیا۔ منزل منزل چلتے چلتے اس ٹھکانے پر جا پہنچے۔ نئی ہوا اور نیا دانہ پانی کھانے
پینے سے کچھ مزاج ٹھہرا لیکن خاموشی کا وہی عالم تھا۔ اور رونے سے کام۔ دم بہ دم یاد اس
پری کی دل سے بھولتی نہ تھی۔ اگر کبھو بھولتا تو یہ بیت پڑھتا۔

نہ جانوں کس پری رُو کی نظر ہوئی ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

بارے جب دو تین مہینے گزرے، اس پہاڑ پر قریب چار ہزار مریض کے جمع

ئے۔ لیکن سب یہی کہتے تھے کہ اب خدا چاہے تو گسائیں اپنے مٹھ سے نکلیں گے اور
سب کو ان کے فرمانے سے شفائے کلی ہوگی۔ القصہ جس دن وہ دن آیا، صبح کو جوگی مانند
آفتاب کے نکل آیا۔ اور دریا میں نہایا اور پیرا پار جا کر پھر آیا۔ اور بھبھوت بھسم تمام بدن
میں لگایا، وہ گورا بدن مانند انگارے کے راکھ میں چھپایا۔ اور ماتھے پر بلاگیر کا ٹیکا دیا۔ لنگوٹ
باندھ کر انگوچھا کاندھے پر ڈال بالوں کا جوڑا باندھا مونچھوں پر تاؤ دے کر، چڑھوال جوتا
اڑایا۔ اس کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا اس کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی
۔ ایک قلم دان جڑاؤ بغل میں لے کر، ایک ایک کی طرف دیکھتا اور نسخہ دیتا ہوا میرے
نزدیک آ پہنچا۔ جب میری اور اس کی چار نظریں ہوئیں کھڑا رہ کر غور میں گیا۔ اور مجھ سے
کہنے لگا کہ ہمارے ساتھ آؤ۔ میں ہمراہ ہولیا۔

جب سب کی نوبت ہو چکی میرے تئیں باغ کے اندر لے گیا، اور ایک مُقطّع، خوش
نقشے خلوت خانے میں مجھے فرمایا کہ یہاں تم رہا کرو۔ اور آپ اپنے استھان میں گیا۔ جب
ایک چلّا گزرا تو میرے پاس آیا اور آگے کی نسبت مجھے خوش پایا۔ تب مسکرا کر فرمایا کہ اس
باغیچے میں سیر کیا کرو۔ جس میوے پر جی چلے، کھایا کرو، اور ایک قلفی چینی کی معجون بھری ہوئی
دی۔ کہ اس میں سے چھ ماشے ہمیشہ بلا ناغہ نوش جان فرمایا کرو۔ یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا۔ اور
میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ہر روز قوت بدن میں اور فرحت دل کو معلوم ہونے لگی۔
لیکن حضرتِ عشق کو کچھ اثر نہ کیا۔ اس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی تھی۔

ایک روز طاق میں ایک جلد کتاب کی نظر آئی، اتار کر دیکھا تو سارے علم دین و
دنیا کے اس میں جمع کئے تھے، گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا تھا۔ ہر گھڑی اس کا مطالعہ کیا
کرتا۔ علم حکمت اور تسخیر میں نہایت قوت بہم پہنچائی، اس عرصے میں برس دن گزر گیا۔ پھر
وہی خوشی کا دن آیا۔ جوگی اپنے آسن پر سے اٹھ کر باہر نکلا۔ میں نے سلام کیا۔ ان نے قلم
دان مجھے دے کر کہا۔ ساتھ چلو، میں بھی ساتھ ہولیا۔ جب دروازے سے باہر نکلا، ایک عالم
دُعا دینے لگا، وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھ کر گسائیں کے قدموں پر گرے اور ادا۔

شکر کرنے لگے، کہ آپ کی توجہ سے بارے اتنا تو ہوا۔ وہ اپنی عادت پر، دریا کے گھاٹ
تک گیا اور اشنان پوجا جس طرح ہر سال کرتا تھا، کی۔ پھرتی بار بیماروں کو دیکھتا بھالتا چلا
آتا تھا۔

اتفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان خوب صورت شکیل کہ ضعف سے
کھڑے ہونے کی طاقت اس میں نہ تھی، نظر پڑا۔ مجھ کو کہا کہ اس کو ساتھ لے آؤ۔ سب کی
دارودرمن کر کے جب خلقت خانے میں گیا۔ تھوڑی سی کھوپڑی اس جوان کی تراش کر، چاہا
کہ کنکھجورا جو مغز پر بیٹھا تھا، زنبور سے اٹھا لیوے۔ میرے خیال میں گزرا اور بول اٹھا کہ
اگر دست پناہ آگ میں گرم کر کر اس کی پیٹھ پر رکھیے تو خوب ہے، آپ سے آپ نکل آوے
گا، اور جو یوں کھینچے گا تو مغز کے گودے کو نہ چھوڑے گا۔ پھر خوف زندگی کو ہے۔ یہ سن کر
میری طرف دیکھا اور چپکا اٹھ، باغ کے کونے میں ایک درخت کو لے میں پکڑ، جٹا کی لٹ
کی گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا۔ میں نے پاس جا کر جو دیکھا تو واہ واہ، یہ تو مر گیا! یہ اچنبھا
دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، لاچار جی میں آیا اسے گاڑ دوں۔ جوں درخت سے جدا کرنے لگا
دو کنجیاں اس کی لٹوں میں سے گر پڑیں۔ میں نے ان کو اٹھا لیا، اور اس گنج خوبی کو زمین میں
دفن کیا۔ وے دونوں کنجیاں لے کر سب قفلوں میں لگانے لگا۔ اتفاقاً دو حجرے کے تالے
ان تالیوں سے کھلے دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواہر بھرا ہوا ہے۔ اور ایک پیٹی مخمل سے
مڑھی، سونے کے پتر لگی، قفل دی ہوئی ایک طرف دھری ہے۔ اس کو جو کھولا تو ایک کتاب
دیکھی کہ اس میں اسم اعظم اور حاضرات جن و پری کے اور روحوں کی ملاقات اور تسخیر
آفتاب کی ترکیب لکھی ہے۔

ایسی دولت کے ہاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی اور ان پر عمل کرنا شروع
کیا۔ دروازہ باغ کا کھول دیا۔ اپنے [illegible] امیر کو اور ساتھ والوں کو کہا کشتیاں منگوا کر، یہ سب
جواہر و نقد وجنس اور کتابیں بار کرلو۔ اور ایک نواڑے پر آپ سوار ہو کر وہاں سے بحر کو روانہ
کیا۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک کے پہنچا، جہاں پناہ کو خبر ہوئی، سوار ہو کر استقبال

کیا اور اشتیاق سے بے قرار ہو کر کلیجے سے لگا لیا۔ میں نے قدم بوسی کر کر، کہا کہ اس
خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ہو۔ بولے کہ اے برخوردار! وہ مکان میرے نزدیک
منحوس ٹھہرا، لہٰذا اس کی مرمت اور تیاری موقوف کی اب وہ مکان لائق انسان کے رہنے کے
نہیں رہا۔ اور جس محل میں جی چاہے اترو۔ بہتر یوں ہے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کر کے
میری آنکھوں کے روبہ رو ہو۔ اور پائیں باغ جیسا چاہو، تیار کروا کر سیر تماشا دیکھا کرو۔
میں نے بہت ضد اور ہٹ کر کر اس باغ کو نئے سر سے تعمیر کروایا اور بہشت کی مانند آراستہ
کر داخل ہوا۔ پھر فراغت سے جنوں کی تسخیر کی خاطر چلّے بیٹھا اور ترک حیوانات کر کر،
حاضرات کرنے لگا۔

جب چالیس دن پورے ہوئے تب آدھی رات کو ایک ایسی آندھی آئی کہ بڑی
بڑی عمارتیں گر پڑیں۔ اور درخت جڑ پیڑ سے اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے۔ اور پری
زادوں کا لشکر نمود ہوا۔ ایک تخت ہوا سے اترا، اس پر ایک شخص شان دار، موتیوں کا تاج اور
خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھتے ہی بہت مؤدب ہو کر سلام کیا۔ اس نے میرا
سلام لیا اور کہا کہ اے عزیز! یہ کیا تو نے ناحق دند مچایا؟ ہم سے تجھے کیا مدعا ہے؟ میں نے
التماس کیا کہ یہ عاجز بہت مدت سے تمہاری بیٹی پر عاشق ہے اور اسی لیے کہاں سے کہاں
خراب و خستہ ہوا، اور جیتے جی مُوا۔ اب زندگی سے بہ تنگ آیا ہوں اور اپنی جان پر کھیلا
ہوں۔ جو یہ کام کیا ہے۔ اب آپ کی ذات سے امیدوار ہوں کہ مجھ حیران و سرگردان کو
اپنی توجہ سے سرفراز کرو۔ اور اس کے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو تو بڑا ثواب ہوگا۔

یہ میری آرزو سن کر بولا کہ آدمی خاکی اور ہم آتشی ان دونوں میں موافقت آنی
مشکل ہے۔ میں نے قسم کھائی کہ میں ان کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ اور کچھ مطلب نہیں۔
پھر اس تخت نشین نے جواب دیا کہ انسان اپنے قول قرار پر نہیں رہتا۔ غرض کے وقت سب
کچھ کہتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔ یہ بات میں تیرے بھلے کے لیے کہہ سناتا ہوں کہ اگر تو نے
کبھو قصد کچھ اور کیا تو وہ بھی اور تو بھی دونوں خراب خستہ ہوگے۔ بلکہ خوف جان کا ہے۔

میں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی کہ جس میں طرفین کی برائی ہووے، ویسا کام ہرگز نہ کروں گا۔ مگر ایک نظر دیکھتا رہوں گا۔ یہ باتیں ہوتیاں تھیں۔ کہ اچنت وہ پری (کہ جس کا مذکور تھا) نہایت ٹھستے سے بناؤ کیے ہوئے آپہنچی، اور پادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا۔ تب میں نے بے اختیار اس پری کو جان کی طرح بغل میں لے آیا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

کماں ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے   کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلّے

اسی خوشی کے عالم میں، باہم اس باغ میں رہنے لگے۔ مارے ڈر کے کچھ اور خیال نہ کرتا بالائی مزے لیتا اور فقط دیکھا کرتا ہے۔ وہ پری میرے قول وقرار کے نباہنے پر دل میں حیران رہتی اور بعضے وقت کہتی کہ پیارے! تم بھی اپنی بات کے بڑے سچے ہو لیکن ایک نصیحت میں دوستی کی راہ سے کرتی ہوں۔ اپنی کتاب سے خبردار رہیو کہ جن، کسی نہ کسی دن تمہیں غافل پاکر چرالے جائیں گے۔ میں نے کہا اسے میں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں۔

اتفاقاً ایک روز رات کو شیطان نے ورغلانا، شہوت کی حالت میں یہ دل میں آیا کہ جو کچھ ہو سو ہو کہاں تلک اپنے تئیں تھانبو، اسے چھاتی سے لگالیا اور قصد جماع کا کیا۔ وونہیں ایک آواز آئی۔ یہ کتاب مجھ کو دے؛ کہ اس میں اسم اعظم ہے بے ادبی نہ کر۔ اس مستی کے عالم میں کچھ ہوش نہ رہا، کتاب بغل سے نکال کر بغیر جانے پہچانے حوالے کردی۔ اور اپنے کام میں لگا۔ وہ نازنین یہ میری نادانی کی حرکت دیکھ کر بولی کہ ہے ظالم! آخر چوکا، اور نصیحت بھولا۔

یہ کہہ کر بے ہوش ہوگئی اور میں نے اس کے سرہانے ایک دیو دیکھا کہ کتاب لیے کھڑا ہے۔ چاہا کہ پکڑ کر خوب ماروں اور کتاب چھین لوں، اتنے میں اس کے ہاتھ سے کتاب دوسرا لے بھاگا۔ میں نے جو افسوں یاد کیے تھے، پڑھنے شروع کیے۔ وہ جن جو کھڑا تھا۔ بیل بن گیا۔ لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی اور وہی حالت بے خودی کی رہی۔ تب میرا دل گھبرایا، سارا عیش تلخ ہوگیا۔ اس روز سے آدمیوں سے نفرت ہوئی، اس باغ کے گوشے میں پڑا رہتا ہوں، اور دل کے بہلانے کی خاطر یہ مرتبان زمرد کا جھاڑدار

بنایا کرتا ہوں، اور ہر مہینے اس میدان میں اسی بیل پر سوار ہوکر جایا کرتا ہوں۔ مرتبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ہوں۔ اس امید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں اور افسوس کھاویں۔ شاید کوئی ایسا خدا کا بندہ مہربان ہو کہ میرے حق میں دعا کرے، تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں۔ اے رفیق! میرے جنوں اور سودا کی یہ حقیقت ہے جو میں نے تجھے کہہ سنائی۔

میں سن کر آب دیدہ ہوا، اور بولا کہ اے شہزادے! تونے واقعی عشق کی بڑی محنت اٹھائی، لیکن قسم خدا کی کھاتا ہوں کہ میں اپنے مطلب سے درگزرا۔ اب تیری خاطر جنگل پہاڑ میں پھروں گا۔ اور جو مجھ سے ہوسکے گا سو کروں گا۔ یہ وعدہ کرکر میں اس جوان سے رخصت ہوا، اور پانچ برس تک سودائی سا ویرانے میں خاک چھانتا پھرا، سراغ نہ ملا۔ آخر اُکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاہا کہ اپنے تئیں گرادوں کہ ہڈی پسلی کچھ ثابت نہ رہے وہی سوار بُرقع پوش آپہنچا اور بولا کہ اپنی جان مت کھو، تھوڑے دنوں کے بعد تو اپنے مقصد سے کام یاب ہوگا۔ یا سائیں اللہ! تمہارے دیدار تو میسر ہوئے اب خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ خوشی اور خرمی ہو، اور سب نامراد اپنی مراد کو پہنچیں۔

☆☆☆

سرگذشت آزاد بخت پادشاہ کی

جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصہ کہہ چکا رات آخر ہوگئی اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا۔ پادشاہ آزاد بخت چپکا اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا۔ محل میں پہنچ کر نماز ادا کی۔ پھر غسل خانے میں جا خلعت فاخرہ پہن کر دیوانِ عام میں تخت پر نکل بیٹھا، اور حکم کیا یساول جاوے، چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں۔ ان کو بہ عزت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے، بہ موجب حکم کے چوب دار وہاں گیا۔ دیکھا تو چاروں بے نوا جھاڑا جھٹکا پھر، ہاتھ منہ دھوکر چاہتے ہیں کہ رِسا کریں، اور اپنی اپنی راہ لیں۔ چیلے نے کہا: شاہ جی ! بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ہے۔ میرے ساتھ چلیے۔ چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگا۔ اور چوب دار سے کہا! بابا! ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں، ہمیں دنیا کے پادشاہ سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا: میاں اللہ! مضائقہ نہیں اگر چلو تو اچھا ہے۔ اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مرتضیٰ نے جو فرمایا تھا، سو اب پیش آیا۔ خوشی ہوئے اور یساول کے ہم راہ چلے جب قلعے میں پہنچے اور روبہ رو پادشاہ کے گئے چاروں قلندروں نے دعا دی کہ بابا ! تیرا بھلا ہو، پادشاہ دیوان خاص میں جا بیٹھے اور دوچار خاص امیروں کو بلایا اور فرمایا کہ چاروں گدڑی پوشوں کو بلاؤ۔ جب وہاں گئے حکم بیٹھنے کا کیا۔ احوال پُرسی فرمائی کہ

تمہارا کہاں سے آنا ہوا، اور کہاں کا ارادہ ہے؟ مکان مرشدوں کے کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا کہ پادشاہ کی عمر و دولت زیادہ رہے۔ ہم فقیر ہیں ایک مدت سے اسی طرح سیر وسفر کرتے پھرتے ہیں خانہ بہ دوش ہیں، وہ مثل ہے: فقیر کو جہاں شام ہوئی وہیں گھر ہے۔ اور جو کچھ اس دنیائے ناپایدار میں دیکھا ہے، کہاں تک بیان کریں؟

آزاد بخت نے بہت تسلی اور تشفی کی اور کھانے کو منگوا کر اپنے روبہ رو ناشتہ کروایا۔ جب فارغ ہوئے پھر فرمایا کہ اپنا ماجرا تمام بے کم و کاست مجھ سے کہو۔ جو مجھ سے تمہاری خدمت ہوسکے گی، قصور نہ کروں گا۔ فقیروں نے جواب دیا کہ ہم پر جو کچھ بیتا ہے۔ نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ پادشاہ کو سننے سے فرحت ہوگی۔ اس کو معاف کیجئے۔ تب پادشاہ نے تبسم کیا اور کہا: شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا احوال کہہ رہے تھے۔ وہاں میں بھی موجود تھا چناں چہ دو درویش کا احوال سن چکا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ دونوں جو باقی ہیں وے بھی کہیں اور چند روز بہ خاطر جمع میرے پاس رہیں کہ قدم درویشاں ردِ بلا ہے۔ پادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے اور سر نیچے کرکے چپ ہو رہے، طاقت گویائی کی نہ رہی۔

آزاد بخت نے جب دیکھا کہ اب ان میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں، فرمایا کہ اس جہان میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جس پر ایک نہ ایک واردات عجیب وغریب نہ ہوئی ہوگی۔ باوجودیکہ میں پادشاہ ہوں۔ لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اس کا بیان کرتا ہوں، تم بہ خاطر جمع سنو۔ درویشوں نے کہا: پادشاہ سلامت! آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے۔ ارشاد فرمائیے۔ آزاد بخت نے اپنا احوال شروع کیا اور کہا ۔

اے شاہو ! پادشاہ کا اب ماجرا سنو!
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے، اور ہے سنا، سنو!
کہتا ہوں میں فقیروں کی خدمت میں سربہ سر

احوال میرا خوب طرح دل لگا سنو!

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اس تخت پر بیٹھا، عین عالم شباب کا تھا۔ اور سارا یہ ملک روم کا میرے حکم میں تھا۔ اتفاقاً ایک سال کوئی سوداگر بدخشاں کے ملک سے آیا اور اسباب تجارت کا بہت سا لایا۔ خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا۔ میں نے اس کو طلب فرمایا۔

وہ تحفے ہر ایک ملک کے لائق میری نذر کے لے کر آیا۔ فی الواقع ہر ایک جنس بے بہا نظر آئی۔ چنانچہ ایک ڈبیا میں ایک لعل تھا، نہایت خوش رنگ اور آب دار قد و قامت درست، اور وزن میں پانچ مثقال کا۔ میں نے باوجود سلطنت کے، ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا اور نہ کسو سے سنا تھا، پسند کیا۔ سوداگر کو بہت سا انعام و اکرام دیا، اور سند راہ داری کی لکھ دی کہ اس سے ہماری قلمرو میں کوئی مزاحم محصول کا نہ ہو۔ اور جہاں جاوے اس کو آرام سے رکھیں، چوکی پہرے میں حاضر رہیں، اس کا نقصان اپنا نقصان سمجھیں۔ وہ تاجر حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا، اور آدابِ سلطنت سے خوب واقف تھا اور تقریر و خوش گوئی اس کی لائق سننے کے تھی۔ اور میں اس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگوا کر سرِ دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوانِ عام کیے بیٹھا تھا۔ اور امرا ارکان دولت اپنے اپنے پایے پر کھڑے تھے اور ہر ملک کے بادشاہوں کے ایلچی، مبارک باد کی خاطر جو آئے تھے وہ بھی سب حاضر تھے۔ اس وقت میں نے موافق معمول کے اس لعل کو منگوایا۔ جواہر خانے کا داروغہ لے کر آیا۔ میں ہاتھ میں لے کر تعریف کرنے لگا، اور فرنگ کے ایلچی کو دیا۔ ان نے دیکھ کر تبسم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہو کر بولے کہ قبلۂ عالم کے اقبال کے باعث یہ میسّر ہوا ہے، والّا نہ کسو پادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا۔ اس وقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر کہ مرد، دانا تھا، اور اسی خدمت پر سرفراز تھا، وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا آداب بجا لایا اور التماس کیا کہ کچھ عرض کیا چاہتا ہوں، اگر جان بخشی ہو۔

میں نے حکم کیا کہ کہہ۔ وہ بولا: قبلۂ عالم! آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہوں سے

بہت بعید ہے کہ ایک پتھر کی اتنی تعریف کریں۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ سنگ میں لاثانی ہے، لیکن سنگ ہے۔ اور اس دم سب ملکوں کے ایلچی دربار میں حاضر ہیں، جب اپنے اپنے شہر میں جاویں گے، البتہ یہ نقل کریں گے کہ عجب بادشاہ ہے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ہے، اسے ایسا تحفہ بنایا ہے کہ ہر روز روبرو منگاتا ہے، اور آپ اس کی تعریف کر کر، سب کو دکھاتا ہے۔ پس جو بادشاہ یا راجا یہ احوال سنے گا۔ اپنی مجلس میں ہنسے گا۔ خداوند! ایک ادنا سوداگر نیشاپور میں ہے۔ اس نے بارہ دانے لعل کے کہ ہر ایک سات سات مثقال کا ہے۔ پٹے میں نصب کر کر، کتے کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ مجھے سنتے ہی غصہ چڑھ آیا، اور کھسیانے ہو کر فرمایا کہ اس وزیر کی گردن مارو۔

جلادوں نے وونہیں اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چاہا کہ باہر لے جاویں! فرنگ کے بادشاہ کا ایلچی دست بستہ روبہ رو آ کھڑا ہوا۔ میں نے پوچھا کہ تیرا کیا مطلب ہے؟ اس نے عرض کی امیدوار ہوں کہ تقصیر سے، وزیر کی واقف ہوں۔ میں نے فرمایا کہ جھوٹھ بولنے سے اور بڑا گناہ کون سا ہے۔ خصوصاً بادشاہوں کے رُو بہ رُو؟ ان نے کہا: اس کا دروغ ثابت نہیں ہوا۔ شاید جو کچھ عرض کی ہے، سچ ہو! ابھی بے گناہ کا قتل کرنا درست نہیں۔ اس کا میں نے یہ جواب دیا کہ ہرگز عقل میں نہیں آتا، ایک تاجر کہ نفع کے واسطے شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک خراب ہوتا پھرتا ہے، اور کوڑی کوڑی جمع کرتا ہے، بارہ دانے لعل کے، جو وزن میں سات سات مثقال کے ہوں، کتے کے پٹے میں لگاوے اُس نے کہا: خدا کی قدرت سے تعجب نہیں۔ شاید کہ باشد۔ ایسے تحفے اکثر سوداگروں اور فقیروں کے ہاتھ آتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ دونوں ہر ایک ملک میں جاتے ہیں اور جہاں سے جو کچھ پاتے ہیں لے آتے ہیں۔ صلاح دولت یہ ہے کہ اگر وزیر ایسا ہی تقصیروار ہے۔ تو حکم قید کا ہو۔ اس لیے کہ وزیر پادشاہوں کی عقل ہوتے ہیں۔ اور یہ حرکت سلاطینوں سے بدنما ہے کہ ایسی بات پر کہ جھوٹھ سچ اس کا ابھی ثابت نہیں ہوا، حکم قتل کا فرمائیں اور اس کی تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں۔

پادشاہ سلامت! اگلے شہر یاروں نے بندی خانہ اسی سبب سے ایجاد کیا ہے کہ

پادشاہ یا سردار اگر کسو پر غضب ہوں، تو اسے قید کریں۔ کئی دن میں غصہ جاتا رہے گا اور بے تقصیری اس کی ظاہر ہوگی، پادشاہ خون ناحق سے محفوظ رہیں گے، کل کو روز قیامت میں ماخوذ نہ ہوئیں گے۔ میں نے جتنا اس کے قائل کرنے کو چاہا۔ اس نے ایسی معقول گفتگو کی کہ مجھے لاجواب کیا۔ تب میں نے کہا کہ خیر، تیرا کہنا پذیرا ہوا، میں خون سے اس کے درگذرا، لیکن زنداں میں مقید رہے گا۔ اگر سال کے عرصے میں اس کا سخن راست ہوا کہ ایسے لعل کتے کے گلے میں ہیں، تو اس کی نجات ہوگی، اور نہیں تو بڑے عذاب سے مارا جاوے گا۔ فرمایا کہ وزیر کو پنڈت خانے میں لے جاؤ۔ یہ حکم سن کر ایلچی نے زمین خدمت کی چومی اور تسلیمات کی۔

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی، آہ واویلا مچا، اور ماتم سرا ہوگیا۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی۔ برس چودہ پندرہ کی، نہایت خوب صورت اور قابل، نوشت وخواند میں دُرست۔ وزیر اس کو نپٹ پیار کرتا تھا اور عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ اپنے دیوان خانے کے پچھواڑے ایک رنگ محل اس کی خاطر بنوادیا تھا اور لڑکیاں عمدوں کی اس کی مصاحبت میں اور خواصیں شکیل خدمت میں رہتیں۔ اُن سے ہنسی خوشی کھیلا کودا کرتی۔

اتفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا، وہ لڑکی اپنی ہم جولیوں میں بیٹھی تھی، اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا، اور ڈھولک پکھاوج لیے ہوئے رت جگے کی تیاری تھی اور کڑھائی چڑھا کر، گلگلے اور رحم تلتی اور بنا رہی تھی، کہ ایک بارگی اس کی ماں روتی پیٹتی، سر کھلے، پاؤں ننگے، بیٹی کے گھر میں گئی اور دو ہتڑ اس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی: کاشکے تیرے بدلے خداوند اندھا بیٹا دیتا، تو میرا کلیجا ٹھنڈا ہوتا اور باپ کا رفیق ہوتا۔ وزیر زادی نے پوچھا: اندھا بیٹا تمہارے کس کام آتا؟ جو کچھ بیٹا کرتا، میں بھی کر سکتی ہوں۔ امّا نے جواب دیا: خاک تیرے سر پر یہ بپتا بنی ہے کہ پادشاہ کے رو بہ رو کچھ ایسی بات کہی کہ بندی خانے میں قید ہوا۔ اس نے پوچھا وہ کیا بات تھی؟ ذرا میں بھی سنوں۔ تب وزیر کے قبیلے نے کہا کہ تیرے باپ نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ہے۔ اس نے بارہ عدد لعل بے بہا کتے کے پٹے میں ٹانکے ہیں۔ پادشاہ کو باور نہ ہوا، اسے جھوٹھا

سمجھا اور اسیر کیا۔ اگر آج کے دن بیٹا ہوتا، تو ہر طرح سے کوشش کر کر اس بات کو تحقیق کرتا۔ اور اپنے باپ کا اُپرالا کرتا، اور پادشاہ سے عرض معروض کر کے، میرے خاوند کو پنڈت خانے سے مخلصی دلواتا۔

وزیر زادی بولی: امّا جان! تقدیر سے لڑا نہیں جاتا۔ چاہیے انسان بلائے ناگہانی میں صبر کرے اور امیدوار فضل الٰہی رہے۔ وہ کریم ہے، مشکل کسو کی اٹکی نہیں رکھتا۔ اور رونا دھونا خوب نہیں، مبادا دشمن اور طرح سے پادشاہ کے پاس لگادیں، اور لُترے چغلی کھادیں کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو۔ بلکہ جہاں پناہ کے حق میں دعا کرو، ہم اس کے خانہ زاد ہیں، وہ ہمارا خداوند ہے۔ وہی غضب ہوا ہے، وہی مہربان ہوگا۔ اُس لڑکی نے عقل مندی سے ایسی ایسی طرح ماں کو سمجھایا کہ کچھ اس کو صبر و قرار آیا۔ تب اپنے محل میں گئی اور چپکی ہو رہی۔ جب رات ہوئی وزیر زادی نے دادا کو بلایا، اس کے ہاتھ پاؤں پڑی، بہت سی منّت کی اور رونے لگی اور کہا: میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ امّا جان کا طعنہ مجھ پر نہ رہے، اور میرا باپ مخلصی پاوے۔ جو تو میرا رفیق ہو، تو میں نیشاپور کو چلوں اور اس تاجر کو (جس کے کتّے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھ کر جو بن آوے کر آؤں اور اپنے باپ کو چھڑاؤں۔

پہلے تو اس مرد نے انکار کیا، آخر بہت کہنے سننے سے راضی ہوا۔ تب وزیر زادی نے فرمایا: چپکے چپکے اسباب سفر کا درست کر اور جنس تجارت کے لائق نذر پادشاہوں کے خرید کر، اور غلام و نوکر چاکر جتنے ضرور ہوں ساتھ لے، لیکن یہ بات کسو پر نہ کھلے۔ دادا نے قبول کیا اور اس کی تیاری میں لگا۔ جب سب اسباب مہیا کیا، اونٹوں اور خچروں پر بار کر کر روانہ ہوا۔ اور وزیر زادی بھی لباسِ مردانہ پہن کر ساتھ چالی، ہرگز کسو کو گھر میں خبر نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی وزیر کے محل میں چرچا ہوا کہ وزیر زادی غائب ہے، معلوم نہیں کیا ہوئی۔

آخر بدنامی کے ڈر سے ماں نے بیٹی کا گُم ہونا چھپایا اور وہاں وزیر زادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا، منزل بہ منزل چلتے چلتے نیشاپور میں پہنچی۔ خوشی بہ خوشی کارواں سرا میں جا اتری، اور سب اپنا اسباب اُتارا۔ رات کو رہی، فجر کو حمام میں گئی اور پوشاک پاکیزہ جیسے روم کے باشندے پہنتے ہیں، پہنی اور شہر کی سیر کے واسطے نکلی۔ آتے آتے جب چوک میں

پہنچی، چوراہے پر کھڑی ہوئی۔ ایک طرف دکان جوہری کی نظر پڑی کہ بہت سے جواہر کا ڈھیر لگ رہا ہے اور غلام لباس فاخرہ پہنے ہوئے دست بستہ کھڑے ہیں اور ایک شخص جو سردار ہے برس پچاس ایک کی اس کی عمر ہے طالع مندوں کی سی خلعت اور نیمہ آستین پہنے ہوئے اور کئی مصاحب باوضع نزدیک اس کے کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور آپس میں باتیں کررہے ہیں۔

وہ وزیر زادی (جس نے اپنے تئیں سوداگر بچہ کر مشہور کیا تھا) اسے دیکھ کر متعجب ہوئی اور دل میں سمجھ کر خوش ہوئی کہ خدا جھوٹھ نہ کرے، جس سوداگر کا میرے باپ نے پادشاہ سے مذکور کیا ہے، اغلب ہے کہ یہی ہو۔ بارِ خدایا! اس کا احوال مجھ پر ظاہر کر۔ اتفاقاً ایک طرف جو دیکھا تو ایک دکان ہے اس میں دو پنجرے آہنی لٹکتے ہیں اور ان دونوں میں دو آدمی قید ہیں۔ ان کی مجنوں کی سی صورت ہورہی ہے کہ چرم و استخواں باقی ہے۔ اور سر کے بال اور ناخن بڑھ گئے، سر اوندھائے بیٹھے ہیں اور دو حبشی بد ہیئت مسلح دونوں طرف کھڑے ہیں۔ سوداگر بچے کو اچنبھا آیا۔ لاحول پڑھ کر دوسری طرف جو دیکھا تو ایک دکان میں قالیچے بچھے ہیں، اُن پر ایک چوکی ہاتھی دانت کی، اس پر گدیلا مخمل کا پڑا ہوا، ایک کتا جواہر کا پٹا گلے میں اور سونے کی زنجیر سے بندھا ہوا بیٹھا ہے۔ اور دو غلام امرد، خوب صورت اس کی خدمت کررہے ہیں ایک تو مورچھل جڑاؤ دستے کا لیے جھلتا ہے اور دوسرا رومال تارکشی کا ہاتھ میں لے کر منہ اور پاؤں اس کا پونچھ رہا ہے۔ سوداگر بچے نے خوب غور کر کر جو دیکھا تو پٹے میں کتے کے بارہوں دانے لعل کے، جیسے سُنے تھے موجود ہیں شکر خدا کا کیا اور فکر میں گیا کہ کس صورت سے ان لعلوں کو پادشاہ پاس لے جاؤں اور دکھا کر اپنے باپ کو چھڑاؤں؟ یہ تو اس حیرانی میں تھا اور تمام خلقت چوک اور رستے کی اس کا حُسن و جمال دیکھ کر حیران تھی۔ اور ہکا بکا ہورہی تھی۔ سب آدمی آپس میں یہ چرچہ کرتے تھے کہ آج تلک اس صورت و شبیہ کا انسان نظر نہیں آیا۔ اُس خواجہ نے بھی دیکھا، ایک غلام کو بھیجا کہ تو جاکر، بہ منت اس سوداگر بچے کو میرے پاس بلالا۔

وہ غلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا، کہ اگر مہربانی فرمائیے تو ہمارا خداوند صاحب کا

مشتاق ہے، چل کر ملاقات کیجیے، سوداگر بچہ تو چاہتا ہی تھا، بولا: کیا مضایقہ؟ جونہیں خواجہ کے نزدیک آیا اور اس پر خواجہ کی نظر پڑی، ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی۔ تعظیم کی خاطر سرو قد اُٹھا، لیکن حواس باختہ۔ سوداگر بچے نے دریافت کیا کہ اب یہ دام میں آیا۔ آپس میں بغل گیری ہوئی۔ خواجہ نے سوداگر بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ بہت سا تملّق کر کے پوچھا کہ اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو، کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا ارادہ ہے؟ سوداگر بچہ بولا کہ اس کم ترین کا وطن روم ہے اور قدیم سے استنبول زادبوم ہے۔ میرے قبلہ گاہی سوداگر ہیں۔ اب بہ سبب پیری کے طاقت سیر و سفر کی نہیں رہی، اس واسطے مجھے رخصت کیا ہے کہ کاروبار تجارت کا سیکھوں۔ آج تلک میں نے قدم گھر سے باہر نہ نکالا تھا، پہلا ہی سفر درپیش ہوا۔ دریا کی راہ ہوا و نہ پڑا، خشکی کی طرف سے قصد کیا، لیکن اس عجم کے ملک میں آپ کے اخلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے، محض صاحب کی ملاقات کی آرزو میں یہاں تک آیا ہوں۔ بارے فضل الٰہی سے خدمت شریف میں مشرف ہوا اور اس سے زیادہ پایا، تمنا دل کی برآئی، خدا سلامت رکھے۔ اب یہاں سے کوچ کروں گا۔

یہ سنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے۔ بولا کہ اے فرزند! ایسی بات مجھے نہ سناؤ، کوئی دن غریب خانے میں کرم فرماؤ۔ بھلا یہ بتاؤ کہ تمہارا اسباب اور نوکر چاکر کہاں ہیں؟ سوداگر بچے نے کہا کہ مسافر کا گھر سرا ہے، اُنہیں وہاں چھوڑ کر، میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ خواجہ نے کہا کہ بھٹیار خانے میں رہنا مناسب نہیں، میرا اس شہر میں اعتبار ہے اور بڑا نام ہے، جلد انہیں بلوالو۔ میں ایک مکان تمہارے اسباب کے لیے خالی کردیتا ہوں۔ جو کچھ جنس لائے ہو۔ میں دیکھوں، ایسی تدبیر کروں گا کہ یہیں تمہیں بہت سا نفع ملے۔ تم بھی خوش ہوگے اور سفر کے ہرج مرج سے بچوگے اور مجھے بھی چند روز رہنے سے اپنا احسان مند کروگے۔ سوداگر بچے نے اوپری دل سے عذر کیا، لیکن خواجہ نے پذیرا نہ کیا اور اپنے گماشتے کو فرمایا کہ باربردار جلد بھیجو اور کارواں سرا سے ان کا اسباب منگواکر، فلانے مکان میں رکھواؤ۔

سوداگر بچے نے ایک زنگی غلام کو اُن کے ساتھ کردیا کہ سب مال متاع لدوا کر

لے آ اور آپ شام تلک خواجہ کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جب گُزری کا وقت ہو چکا اور دکان
بڑھائی، خواجہ گھر کو چلا۔ تب دونوں غلاموں میں سے ایک نے کتّے کو بغل میں لیا، دوسرے
نے کرسی اور قالیچہ اُٹھالیا اور ان دونوں حبشی غلاموں نے اُس پنجرے کو مزدوروں کے سر پر
دھر دیا اور آپ پانچوں ہتھیار باندھے ساتھ ہوئے۔ خواجہ سوداگر بچّے کا ہاتھ ہاتھ میں لیے
، باتیں کرتا ہوا حویلی میں آیا۔

سوداگر بچّے نے دیکھا کہ مکان عالی شان لائق پادشاہوں یا امیروں کے ہے،
لبِ نہر فرش چاندنی کا بچھا ہے، اور مسند کے روبہ رو اسباب عیش کا چنا ہے۔ کتّے کی صندلی
بھی اسی جگہ بچھائی ۔ اور خواجہ سوداگر بچّے کو لے کر بیٹھا، بے تکلّف تواضع شراب کی کی۔
دونوں پینے لگے جب سرخوش ہوئے، تب خواجہ نے کھانا مانگا۔ دسترخوان بچھا، اور دنیا کی
نعمت چنی گئی ۔ پہلے ایک لنگری میں کھانا لے کر، سرپوش طلائی ڈھانپ کر کتّے کے واسطے
لے گئے، ایک دسترخوان زربفت کا بچھا کر ،اس کے آگے دھر دی۔ کتّا صندلی سے نیچے اُتر،
جتنا چاہا، اتنا کھایا، اور سونے کی لگن میں پانی پیا، پھر چوکی پر جا بیٹھا۔ غلاموں نے رومال
سے ہاتھ منہ اس کا پاک کیا۔ پھر اس طباق اور لگن کو غلام پنجرے کے نزدیک لے گئے، اور
خواجہ سے کنجی مانگ کر، قفل قفس کا کھولا۔

اُن دونوں انسانوں کو باہر نکال کر کئی سونٹے مار کر، کتّے کا جھوٹا انھیں کھلایا اور
وہی پانی پلایا، پھر تالا بند کر کر، تالی خواجہ کے حوالے کی۔ جب یہ سب ہو چکا، تب خواجہ
نے آپ کھانا شروع کیا۔ سوداگر بچّے کو یہ حرکت پسند نہ آئی۔ گھِن کھا کر ہاتھ کھانے میں نہ
ڈالا، ہر چند خواجہ نے منّت کی، پر اس نے انکار ہی کیا۔ تب خواجہ نے سبب اس کا پوچھا
کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ سوداگر بچّے نے کہا: یہ حرکت تمہاری اپنی تئیں بدنما معلوم ہوئی،
اس لیے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اور کتّا نجس العین ہے۔ پس خدا کے دو بندوں کو
کتّے کا جھوٹا کھلانا کس مذہب و ملّت میں روا ہے؟ فقط یہ غنیمت نہیں جانتے کہ تمہاری قید
میں ہیں؟ نہیں تو تم اور وے برابر ہیں۔ اب میرے تئیں شک آئی کہ تم مسلمان نہیں، کیا
جانوں کون ہو، کہ کتّے کو پوجتے ہو؟ مجھے تمہارا کھانا کھانا مکروہ ہے، جب تلک یہ شبہ دل سے

دُور نہ ہو۔

خواجہ نے کہا: اے بابا! جو کچھ تو کہتا ہے، میں یہ سب سمجھتا ہوں اور اسی خاطر
بدنام ہوں کہ اس شہر کی خلقت نے میرا نام خواجۂ سگ پرست رکھا ہے۔ اسی طرح پکارتے
ہیں اور مشہور کیا ہے لیکن خدا کی لعنت کافروں اور مشرکوں پر ہو جیو۔ کلمہ پڑھا اور سوداگر بچّے
کی خاطر جمع کی۔ تب سوداگر بچّے نے پوچھا کہ اگر مسلمان بہ دل ہو، تو اس کا کیا باعث
ہے؟ ایسی حرکت کر کے اپنے تئیں بدنام کیا ہے۔ خواجہ نے کہا: اے فرزند! نام میرا بدنام
ہے اور دُگنا محصول اس شہر میں بھرتا ہوں اسی واسطے کہ یہ بھید کسو پر ظاہر نہ ہو۔ عجب یہ ماجرا
ہے کہ جو کوئی سُنے، سوائے غم اور غصّے کے اسے کچھ اور حاصل نہ ہو۔ تو بھی مجھے معاف رکھ
کہ نہ مجھ میں قدرت کہنے کی اور نہ تجھ میں طاقت سننے کی رہے گی۔ سوداگر بچّے نے اپنے
دل میں غور کی کہ مجھے اپنے کام سے کام ہے، کیا ضرور ہے جو ناحق میں زیادہ مجوز ہوں؟
بولا: خیر، اگر لائق کہنے کے نہیں تو نہ کہیے۔ کھانے میں ہاتھ ڈالا، اور نوالہ اٹھا کر کھانے لگا۔
دو مہینے تک اس ہوشیاری اور عقل مندی سے سوداگر بچّے نے خواجہ کے ساتھ گزران کی کہ
کسو پر ہرگز نہ کھلا کہ یہ عورت ہے۔ سب یہی جانتے تھے کہ مرد ہے اور خواجہ سے روز بہ
روز ایسی محبت زیادہ ہوئی کہ ایک دم اپنی آنکھوں سے جُدا نہ کرتا۔

ایک دن عین مے نوشی کی صحبت میں سوداگر بچّے نے رونا شروع کیا۔ خواجہ نے
دیکھتے ہی خاطر داری کی، اور رومال سے آنسو پوچھنے لگا اور سبب گریے کا پوچھا۔ سوداگر بچّے
نے کہا: اے قبلہ! کیا کہوں؟ کاش کہ تمہاری خدمت میں بندگی پیدا نہ کی ہوتی، اور یہ
شفقت، جو صاحب میرے حق میں کرتے۔ اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ہیں، نہ تمہاری
خدمت سے جدا ہونے کو جی چاہتا ہے اور نہ رہنے کا اتفاق یہاں ہو سکتا ہے۔ اب جانا
ضرور ہوا۔ لیکن آپ کی جدائی سے اُمید زندگی کی نظر نہیں آتی۔

یہ سُن کر، خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ہچکی بندھ گئی اور بولا کہ اے نورِ چشم!
ایسی جلدی اس اپنے بوڑھے خادم سے سیر ہوئے کہ اسے دل گیر کیے جاتے ہو؟ قصد روا
ہونے کا دل سے دور کرو۔ جب تک میری زندگی ہے، رہو۔ تمہاری جدائی سے ایک دم میں

جیتا نہ رہوں گا۔ بغیر اجل کے مرجاؤں گا اور اس ملک فارس کی آب و ہوا بہت خوب اور مُوافق ہے۔ بہتر تو یوں ہے کہ ایک آدمی معتبر بھیج کر، اپنے والدین کو مع اسباب یہیں بلوالو۔ جو کچھ سواری اور باربرداری درکار ہو، میں موجود کروں۔ جب ماں باپ تمہارے اور گھر بار سب آیا، اپنی خوشی سے کاروبار تجارت کا کیا کریو۔ میں نے بھی اس عمر میں زمانے کی بہت سختیاں کھینچی ہیں اور ملک ملک پھرا ہوں، اب بوڑھا ہوا، فرزند نہیں رکھتا، میں تجھے بہتر اپنے بیٹے سے چاہتا ہوں اور اپنا ولی عہد و مختار کرتا ہوں، میرے کارخانے سے بھی ہوشیار اور خبردار ہو۔ جب تلک جیتا ہوں ،ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ہاتھ سے دو ،جب مرجاؤں، گاڑ داب دیجو، اور سب مال و متاع میرا لیجو۔

تب سوداگر بچے نے جواب دیا کہ واقعی صاحب نے زیادہ باپ سے میری غم خواری اور خاطر داری کی کہ مجھے ماں باپ بھول گئے لیکن اِس عاصی کے والد نے ایک سال کی رخصت دی تھی۔ اگر دیر لگاؤں گا۔ تو وے اس پیری میں روتے روتے مرجائیں گے۔ پس رضا مندی پدر کی، خوشنودی خدا کی ہے اور اگر وہ مجھ سے ناراضی ہوں گے۔ تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید دعائے بد نہ کریں کہ دونوں جہاں میں خدا کی رحمت سے محروم رہوں۔ اب آپ کی یہی شفقت ہے کہ بندے کو حکم کیجے کہ فرمانا قبلہ گاہ کا بجا لاوے اور حق پدری سے ادا ہووے۔ اور صاحب کی توجّہ کا ادائے شکر ، جب تلک دم میں دم ہے، میری گردن پر ہے۔ اگر اپنے ملک میں بھی جاؤں گا۔ تو ہر دم دل و جان سے یاد کیا کروں گا۔ خدا مسبب الاسباب ہے۔ شاید پھر کوئی ایسا سبب ہو کہ قدم بوسی حاصل کروں۔

غرض سوداگر بچے نے ایسی ایسی باتیں لُون مرچیں لگا کر خواجہ کو سنائیں ، کہ وہ بے چارا لاچار ہو کر ہونٹھ چاٹنے لگا۔ از بس کہ اس پر شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا۔ کہنے لگا: اچھا اگر تم نہیں رہتے ، تو میں ہی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں تجھ کو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں ۔ پس جب جان چلی جاوے تو خالی بدن کس کام آوے؟ اگر تو اسی میں رضا مند ہے تو چل اور مجھے بھی لے چل۔ سوداگر بچے سے یہ کہہ کر، اپنی بھی تیاری سفر کی کرنے لگا اور گماشتوں کو حکم کیا کہ باربرداری کی فکر جلدی کرو۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر مشہور ہوئی وہاں کے سوداگروں نے سُن کر سب نے تہیہ سفر کا کیا۔ خواجۂ سگ پرست نے گنج اور جواہر بے شمار نوکر اور غلام ان گنت ، تحفے اور اسباب شاہانہ بہت سا ساتھ لے کر شہر کے باہر تنبو اور قنات اور بے چوبے اور سراپردے اور کندلے کھڑے کروا کر ان میں داخل ہوا۔ جتنے تجار تھے، اپنی اپنی بساط موافق مال سوداگری کا لے کر ہم راہ ہوئے ، برائے خود ایک لشکر ہو گیا۔

ایک دن جوگنی کو پیٹھ دیکر وہاں سے کوچ کیا۔ ہزاروں اونٹوں پر شلیتے اسباب کے، اور خچروں پر صندوق نقد ، جواہر کے لاد کر پانچ سو غلام دشت قپچاق اور زنگ و روم کے مسلح صاحب شمشیر، تازی اور ترکی و عراقی و عربی گھوڑوں پر چڑھ کر چلے ۔سب کے پیچھے اور سوداگر بچہ خلعت فاخرہ پہنے ،سُکھپال پر سوار اور ایک تخت بغدادی اونٹ پر کسا، اس پر کتا مسند پر سویا ہوا اور ان دونوں قیدیوں کے قفس ایک شتر پر لٹکائے ہوئے روانہ ہوئے۔ جس منزل میں پہنچتے، سب سوداگر خواجہ کی بارگاہ میں آکر حاضر ہوتے، اور دسترخوان پر کھانا کھاتے ، اور شراب پیتے ۔خواجہ ،سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں شکر خدا کا کرتا اور کوچ درکوچ چلا جاتا تھا۔ بارے، بہ خیر و عافیت نزدیک کے قسطنطنیہ آ پہنچے ۔ باہر شہر کے مقام کیا۔ سوداگر بچے نے کہا: اے قبلہ ! اگر رخصت دیجئے، تو میں ماں باپ کو دیکھوں اور مکان صاحب کے واسطے خالی کروں، جب مزاجِ سامی میں آوے ، شہر میں داخل ہو جیے۔

خواجہ نے کہا: تمہاری خاطر تو یہاں آیا۔ اچھا جلد مل جل کر میرے، پاس آؤ، اور اپنے نزدیک میرے اُترنے کو مکان دو۔ سوداگر بچہ رخصت ہو کر اپنے گھر میں آیا۔ سب وزیر کے محل کے آدمی حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھس آیا۔ سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ماں کے پاؤں پر گری اور روئی اور بولی کہ میں تمہاری جائی ہوں۔ سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تتری! تو بڑی شتا ہونکلی ، اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم نے تیری جان کو رو پیٹ کر، صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو۔

تب وزیر زادی نے سر پر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور بولی : اے اماں جان !

میں بُری جگہ نہیں گئی، کچھ بدی نہیں کی۔ تمہارے بہ موجب فرمانے کے، بابا کو قید سے چھڑانے کی خاطر یہ سب فکر کی۔ الحمد للہ! کہ تمہاری دعا کی برکت سے اور اللہ کے فضل سے پورا کام کر کے آئی ہوں کہ نیشاپور سے اس سوداگر کو بہ مع کتے (جس کے گلے میں دے لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں۔ اور تمہاری امانت میں بھی خیانت نہیں کی، سفر کے لیے مردانہ بھیس کیا ہے۔ اب ایک روز کا کام باقی ہے، وہ کر کر، قبلہ گاہ کو پنڈت خانے سے چھڑاتی ہوں اور اپنے گھر میں آتی ہوں۔ اگر حکم ہو تو پھر جاؤں اور ایک روز باہر رہ خدمت میں آؤں۔ ماں نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا اور اپنے تئیں سب طرح سلامت و محفوظ رکھا، خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کی اور خوش ہو کر بیٹی کو چھاتی سے لگالیا، اور منہ چوما، بلائیں لیں، دعائیں دیں اور رخصت کیا کہ تو جو مناسب جان سو کر میری خاطر جمع ہوئی۔

وزیر زادی پھر سوداگر بچہ بن کر خواجہ سگ پرست پاس چلی۔ وہاں خواجہ کو جدائی اس کی از بس کہ شاق ہوئی بے اختیار ہو کر کوچ کیا۔ اتفاقاً نزدیک شہر کے ادھر سے سوداگر بچہ جاتا تھا اور ادھر سے خواجہ آتا تھا عین راہ میں ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے دیکھتے ہی کہا: بابا! مجھ بوڑھے کو اکیلا چھوڑ کر کہاں گیا تھا؟ سوداگر بچہ بولا: آپ سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا تھا، آخر ملازمت کے اشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا۔ آ کر حاضر ہوا۔ شہر کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک باغ سایہ دار دیکھ کر خیمہ اِستاد کیا اور وہیں اترے۔ خواجہ اور سوداگر بچہ باہم بیٹھ کر شراب و کباب پینے کھانے لگے۔ جب عصر کا وقت ہوا سیر تماشے کی خاطر خیمے سے نکل کر صندلیوں پر بیٹھے۔ اتفاقاً ایک قراول بادشاہی اُدھر آنکلا۔ ان کا لشکر اور نشست برخاست دیکھ کر اچنبھے ہو رہا اور دل میں کہا: شاید ایلچی کسو بادشاہ کا آیا ہے، کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔

خواجہ کے شاطر نے اس کے آگے بلایا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں پادشاہ کا میر شکار ہوں۔ شاطر نے خواجہ سے اس کا احوال کہا۔ خواجہ نے ایک غلام کافری کو

کہا کہ جا کر بازدار سے کہہ کہ ہم مسافر ہیں۔ اگر جی چاہے تو آؤ بیٹھو، قہوہ قلیان حاضر ہے۔ جب میر شکار نے نام سوداگر کا سنا زیادہ متعجب ہوا۔ اور یتیم کے ساتھ خواجہ کی مجلس میں آیا۔ لوازم اور شان و شوکت اور سیاہ غلام دیکھے، خواجہ اور سوداگر بچے کو سلام کیا۔ اور مرتبہ سگ کا نگاہ کیا، ہوش اس کے جاتے رہے ہکا بکا سا ہو گیا۔ خواجہ نے اسے بٹھلا کر قہوے کی ضیافت کی۔ قراول نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا۔ جب رخصت مانگی خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے اسے دے کر اجازت دی۔ صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ درباریوں سے خواجہ سوداگر کا ذکر کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھ کو خبر ہوئی، میر شکار کو میں نے رو بہ رو طلب کیا اور سوداگر کا احوال پوچھا۔

اس نے جو کچھ دیکھا تھا، عرض کیا، سننے سے کتے کے تجمل کے، اور دو آدمیوں کے پنجرے میں قید ہونے کے مجھ کو خفگی آئی۔ میں نے فرمایا: وہ مردود تاجر واجب القتل ہے۔ نسقچیوں کو حکم کیا کہ جلد جاؤ اس بے دین کا سر کاٹ لاؤ۔ قضا کار، وہی ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا، مسکرایا۔ مجھے اور بھی غضب زیادہ ہوا، فرمایا کہ اے بے ادب! پادشاہوں کے حضور میں بے سبب دانت کھولنے ادب سے باہر ہیں۔ بے محل ہنسنے سے رونا بہتر ہے۔ اس نے التماس کیا: جہاں پناہ! کئی باتیں خیال میں گزریں، لہٰذا فدوی متبسم ہوا۔ پہلے یہ کہ وزیر سچا ہے، اب قید خانے سے رہائی پاوے گا۔ دوسرے یہ کہ پادشاہ خون ناحق سے اس وزیر کے بچے۔ تیسرے یہ کہ قبلہ عالم نے بے سبب اور بے تقصیر اس سوداگر کو حکم قتل کا کیا۔ ان حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق، ایک بے وقوف کے کہنے سے آپ ہر کسو کو حکم قتل کا کر بیٹھتے ہیں۔ خدا جانے فی الحقیقت اس خواجہ کا احوال کیا ہے! اسے حضور میں طلب کیجئے اور اس کی واردات پوچھیے، اگر تقصیروار ٹھہرے، تب مختار ہو، جو مرضی میں آوے، اس سے سلوک کیجئے۔

جب ایلچی نے اس طرح سے سمجھایا، مجھے بھی وزیر کا کہنا یاد آیا، فرمایا: جلد سوداگر کو اس کے بیٹے کے ساتھ اور وہ سگ اور قفس حاضر کرو۔ قورچی اس کے بلانے کو دوڑائے۔

ایک دم میں سب کو حضور میں لے آئے۔ رو بہ رو طلب کیا۔ پہلے خواجہ اور اس کا پسر آیا۔ دونوں لباس فاخرہ پہنے ہوئے۔ سوداگر بچے کا جمال دیکھنے سے سب ادنا اعلیٰ حیران اور بھچک ہوئے۔ ایک خوان طلائی جواہر سے بھرا ہوا۔ (کہ ایک رقم کی چھوٹ نے سارے مکان کو روشن کردیا) سوداگر بچہ ہاتھ میں لیے آیا۔ اور میرے تخت کے آگے نچھاور کیا، آداب کورنشات بجا لاکر کھڑا ہوا۔ خواجہ نے بھی زمین چومی اور دعا کرنے لگا۔ اس گویائی سے بولتا تھا کہ گویا بلبل ہزار داستاں ہے۔ میں نے اس کی لیاقت کو بہت پسند کیا لیکن عتاب کی رو سے کہا: اے شیطان، آدمی کی صورت! تو نے یہ کیا جال پھیلایا ہے اور اپنی راہ میں کنواں کھودا ہے؟ تیرا کیا دین ہے اور یہ کون آئین ہے؟ کس پیغمبر کی امت ہے؟ اگر کافر ہے، تو بھی یہ کیسی مت ہے؟ اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے؟

ان نے کہا: قبلۂ عالم کی عمر و دولت بڑھتی رہے۔ غلام کا دین یہ ہے کہ خدا واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلمہ پڑھتا ہوں۔ اور اس کے بعد بارہ امام کو اپنا پیشوا جانتا ہوں۔ اور آئین میری یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔ اور روزہ رکھتا ہوں اور حج بھی کر آیا ہوں اور اپنے مال سے خمس زکوٰۃ دیتا ہوں، اور مسلمان کہاتا ہوں۔ لیکن ظاہر میں یہ سارے عیب جو مجھ میں بھرے ہیں۔ جن کے سبب آپ ناخوش ہوئے ہیں، اور تمام خلق اللہ میں بدنام ہو رہا ہوں۔ اس کا ایک باعث ہے کہ ظاہر نہیں کرسکتا۔ ہر چند سگ پرست مشہور ہوں۔ اور مضاعف محصول دیتا ہوں یہ قبول کیا ہے پر دل کا بھید کسو سے نہیں کہا۔ اس بہانے سے میرا غصہ زیادہ ہوا اور کہا: مجھے تو باتوں میں پھسلاتا ہے! میں نہیں ماننے کا جب تلک اس اپنی گم راہی کی دلیل معقول عرض نہ کرے کہ میرے دل نشین ہو۔ تب تو جان سے بچے گا نہیں تو اس کے قصاص میں تیرا پیٹ چاک کرواؤں گا۔ تو سب کو عبرت ہو، کہ بار دیگر کوئی دین محمدی میں رخنہ نہ کرے۔

خواجہ نے کہا: اے بادشاہ! مجھ کم بخت کے خون سے درگزر کر اور جتنا مال میرا

ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے، سب کو ضبط کر لے اور مجھے میرے بیٹے کو اپنے تخت کے تصدق کر کر چھوڑ دے اور جان بخشی کر۔ میں نے تبسم کر کے کہا: اے بے وقوف! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے۔ سوائے سچ بولنے کے اب تیری مخلصی نہیں۔ یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری اور بولا؛ میں تو بادشاہ کے روبہ رو گنہ گار ٹھہرا، مارا جاؤں گا، اب کیا کروں؟ تجھے کس کو سونپوں؟ میں نے ڈانٹا کہ اے مکار! بس اب عذر بہت کیے، جو کہنا ہے جلد کہہ۔

تب تو اس مرد نے قدم بڑھا کر تخت کے پاس آکر پایے کو بوسہ دیا۔ اور صفت و ثنا کرنے لگا اور بولا؛ اے شہنشاہ! اگر حکم قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا، تو سب سیاستیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے کوئی آپ سے کنویں میں نہیں گرتا۔ پس جان کی محافظت واجب ہے، اور ترک واجب کا، خلاف حکم خدا کے ہے۔ خیر جو مرضی مبارک یہی ہے، تو سرگذشت اس پیرضعیف کی سنیے۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس جن میں دو آدمی قید ہیں، حضور میں لاکر رکھیں میں اپنا احوال کہتا ہوں اگر کہیں جھوٹ کہوں تو ان سے پوچھ کر مجھے قائل کیجئے اور انصاف فرمائیے۔ مجھے یہ بات اس کی پسند آئی۔ پنجروں کو منگوا کر، ان دونوں کو نکلوا کر، خواجہ کے پاس کھڑا کیا۔

خواجہ نے کہا: اے بادشاہ! یہ مرد جو داہنی طرف ہے۔ غلام کا بڑا بھائی ہے۔ اور جو بائیں کو کھڑا ہے، منجھلا برادر ہے میں ان دونوں سے چھوٹا ہوں۔ میرا باپ ملک فارس میں سوداگر تھا۔ جب میں چودہ برس کا ہوا، قبلہ گاہ نے رحلت کی۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی اور پھول اٹھ چکے، ایک روز ان دونوں بھائیوں نے مجھے کہا کہ اب باپ کا مال جو کچھ ہے، تقسیم کر لیں جس کا دل جو چاہے سو کام کرے، میں نے سن کر کہا: اے بھائیو! یہ کیا بات ہے؟ میں تمہارا غلام ہوں، بھائی چارے کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ ایک باپ مرگیا، تم دونوں میرے پدر کی جگہ میرے سر پر قائم ہو۔ ایک نان خشک چاہتا ہوں، جس میں زندگی بسر کروں اور تمہاری خدمت میں حاضر رہوں۔ مجھے حصے بخرے سے کیا کام ہے؟ تمہارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھر لوں گا، اور تمہارے پاس رہوں گا۔ میں لڑکا ہوں

، کچھ پڑھا لکھا نہیں، مجھ سے کیا ہو سکے گا؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو۔

یہ سن کر جواب دیا کہ تو چاہتا ہے، اپنے ساتھ ہمیں بھی خراب اور محتاج کرے۔ میں چپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا۔ پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی آخر بزرگ ہیں۔ میری تعلیم کی خاطر چشم نمائی کرتے ہیں کہ کچھ سیکھے۔ اسی فکر میں سو گیا۔ صبح کو ایک پیادہ قاضی کا آیا اور مجھے دارُ الشرع میں لے گیا۔ وہاں دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ہیں۔ قاضی نے کہا: کیوں اپنے باپ کا ورثہ بانٹ چونٹ نہیں لیتا؟ میں نے گھر میں جو کہا تھا وہاں بھی جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا: اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ہے تو ہمیں لادعویٰ لکھ دے کہ باپ کے مال و دولت و اسباب سے مجھے کچھ علاقہ نہیں۔ تب بھی میں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بزرگ ہیں۔ میری نصیحت کے واسطے کہتے ہیں کہ باپ کا مال لے کر، بے جا تصرف نہ کرے۔ بہ مُوجب ان کی مرضی کے فارغ خطی بہ مہر قاضی میں نے لکھ دی۔ یہ راضی ہوئے، میں گھر میں آیا۔

دوسرے دن مجھ سے کہنے لگے: اے بھائی! یہ مکان جس میں تو رہتا ہے، ہمیں درکار ہے تو اپنی بود باش کی خاطر اور جگہ لے کر جا رہ۔ تب میں نے دریافت کیا کہ باپ کی حویلی میں بھی رہنے سے خوش نہیں۔ لاچار ارادہ اٹھ جانے کا کیا۔ جہاں پناہ! جب میرا باپ جیتا تھا، تو جس وقت سفر سے آتا، ہر ایک ملک کا تحفہ بہ طریق سوغات کے لے لاتا، اور مجھے دیتا۔ اس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ہر کوئی زیادہ پیار کرتا ہے، میں نے ان کو بیچ کر تھوڑی سی اپنی نج کی پونجی بہم پہنچائی تھی اسی سے کچھ خرید و فروخت کرتا۔ ایک بار لونڈی میری خاطر تُرکستان سے میرا باپ لایا، اور ایک دفعہ گھوڑے لے کر آیا۔ ان میں سے ایک بچھڑا اتا کند کہ ہونہار تھا۔ وہ بھی مجھے دیا۔ میں اپنے پاس سے دانہ گھاس اس کا کرتا تھا۔

آخر ان کی بے مروّتی دیکھ کر، ایک حویلی خرید کی۔ وہاں جا رہا یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ واسطے ضروریات کے اسباب خانہ داری کا جمع کیا اور دو غلام خدمت کی خاطر مول لیے اور باقی پونجی سے ایک دکان بزازی کی کر کے، خدا کے توکّل پر بیٹھا۔ اپنی قسمت پر راضی تھا۔ اگرچہ بھائیوں نے بد خلقی کی، پر خدا جو مہربان ہوا۔ تین برس کے عرصے میں

ایسی دکان جمی کہ میں صاحبِ اعتبار ہوا۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ چاہتا میری ہی دکان سے جاتا۔ اس میں بہت سے روپے کمائے، اور نہایت فراغت سے گزرنے لگی۔ ہرِ دم جناب باری میں شکرانہ کرتا، اور آرام سے رہتا۔ یہ کبت اکثر اپنے احوال پر پڑھتا:

روٹھے کیوں نہ راجہ ، واتیں کھوتا ہیں کاجا
ایک تو سے مہاراجا، اور کوں کو سراہیے
روٹھے کیوں نہ بھائی، واتیں کچھو نہ بسائی
ایک تو ہی ہے سہائی ،اور کون پاس جائیے
روٹھے کیوں نہ متر شتر، آٹھوں جام ایک
راورے چرن کے نیہ کو نبھائیے
سنسار ہے روٹھا، ایک تو ہی انوٹھا
سب چومیں گے انگوٹھا، ایک تو نہ توٹھا چاہیے

اتفاقاً جمعہ کے روز میں اپنے گھر بیٹھا تھا، کہ ایک غلام میرا سودے سُلف کو بازار گیا تھا، بعد ایک دم کے روتا ہوا آیا۔ میں نے سبب پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ خفا ہو کر بولا کہ تمہیں کیا کام ہے؟ تم خوشی مناؤ، لیکن قیامت میں کیا جواب دو گے؟ میں نے کہا: اے حبشی! ایسی کیا بلا تجھ پر نازل ہوئی؟ اس نے کہا: یہ غضب ہے کہ تمہارے بڑے بھائیوں کی چوک کے چوراہے میں ایک یہودی نے مشکیں باندھیں ہیں اور قمچیاں مارتا ہے اور ہنستا ہے کہ اگر میرے روپے نہ دو گے تو مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا، بھلا مجھے ثواب تو ہوگا پس تمہارے بھائیوں کی یہ نوبت اور تم بے فکر ہو۔ یہ بات اچھی ہے؟ لوگ کیا کہیں گے؟ یہ بات غلام سے سنتے ہی لہو نے جوش کیا۔ ننگے پاؤں بازار کی طرف دوڑا اور غلاموں کو کہا جلد روپے لے کر آؤ۔ جونہی وہاں گیا، دیکھا تو جو کچھ غلام نے کہا تھا، سچ ہے۔ ان پر مار پڑ رہی ہے۔ حاکم کے پیادوں کو کہا: واسطے خدا کے ذرا رہ جاؤ، میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ہے۔ جس کے بدلے یہ تعزیر کی ہے؟

یہ کہہ کر، میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا آج روز آدینہ ہے، ان کو کیوں ضرب

شلاق کررہا ہے؟ اس نے جواب دیا: اگر حمایت کرتے ہو، تو پوری کرو، ان کے عوض روپے حوالے کرو، نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو۔ میں نے کہا۔ کیسے روپے؟ دستاویز نکال، میں روپے گن دیتا ہوں ان نے کہا: تمسّک حاکم کے پاس دے آیا ہوں ۔ اس میں میرے دونوں غلام دوبورے روپے لے کر آئے۔ ہزار روپے میں نے یہودی کو دیئے اور بھائیوں کو چھڑایا۔ ان کی یہ صورت ہورہی تھی کہ بدن سے ننگے اور بھوکے پیاسے ۔ اپنے ہمراہ گھر لایا، ووہیں حمام میں نہلوایا، نئی پوشاک پہنائی، کھانا کھلایا ہرگز ان سے یہ نہ کہا کہ اتنا مال باپ کا تم نے کیا کیا؟ شاید شرمندہ ہوں۔ اے پادشاہ! یہ دونوں موجود ہیں پوچھئے کہ سچ کہتا ہوں یا کوئی بات جھوٹ بھی ہے؟ خیر جب کئی دن میں مار کی کوفت سے بحال ہوئے، ایک روز میں نے کہا کہ اے بھائیو! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ہوگئے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ چند روز سفر کرو۔ یہ سن کر چپ ہورہے ۔ میں نے معلوم کیا کہ راضی ہیں، سفر کی تیاری کرنے لگا۔ پال پرتل، باربرداری اور سواری کی فکر کرکے، بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی خرید کی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بخارے کو جاتا تھا اُن کے ساتھ کردیا۔

بعد ایک سال کے وہ کارواں پھر آیا ان کی خیر خبر کچھ نہ پائی ۔ آخر ایک آشنا سے قسمیں دے کر پوچھا۔ اس نے کہا: جب بخارے میں گئے ایک نے جوئے خانے میں اپنا مال ہار دیا۔ اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے اور پھڑ کو لیپتا پوتا ہے۔ جواری جو جمع ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت کرتا ہے وہ بہ طریق خیرات کے کچھ دیتے ہیں، وہاں گرگا بنا پڑا رہتا ہے اور دوسرا، بوزہ فروش کی لڑکی پر عاشق ہو، اپنا مال سارا صرف کیا۔ اب وہ بوزہ خانے کی ٹہل کیا کرتا ہے۔ قافلے کے آدمی اس لیے نہیں کہتے کہ تو شرمندہ ہوگا۔

یہ احوال اس شخص سے سُن کر، میری عجب حالت ہوئی مارے فکر کے، نیند بھوک جاتی رہی۔ زادِراہ لے کر قصد بخارے کا کیا۔ جب وہاں پہنچا، دونوں کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے مکان میں لایا۔ غسل کرواکر، نئی پوشاک پہنائی اور ان کی خجالت کے ڈر سے ایک بات منہ پر نہ رکھی ۔ پھر مال سوداگری کا ان کے واسطے خریدا اور ارادہ گھر کا کیا۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا، ایک گاؤں میں بہ مع مال اسباب ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا، اس لیے کہ

میرے آنے کی کسو کو خبر نہ ہو۔ بعد دو دن کے مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ہیں۔ کل ان کے استقبال کی خاطر جاؤں گا۔ صبح کو چاہا کہ جاؤں، ایک گرہست اسی موضع کا میرے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا۔ میں اس کی آواز سن کر باہر نکلا ۔ اسے روتا دیکھ کر پوچھا کہ کیوں زاری کرتا ہے؟ وہ بولا تمہارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے، کاش کہ ان کو تم وہاں نہ چھوڑ آتے!

میں نے پوچھا: کیا مصیبت گزری؟ بولا کہ رات کو ڈاکا آیا، ان کا مال واسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے۔ میں نے افسوس کیا اور پوچھا کہ اب وہ دونوں کہاں ہیں؟ کہا: شہر کے باہر ننگے منگے خراب خستہ بیٹھے ہیں۔ دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لے کر گیا، پہنا کر گھر میں لایا۔ لوگ سن کر ان کے دیکھنے کو آتے تھے، اور یہ مارے شرمندگی کے با[illegible] نہ نکلتے تھے۔ تین مہینے اسی طرح گزرے ۔ تب میں نے اپنے دل میں غور کی کہ کب تلک یہ کونے میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ بنے، تو ان کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاؤں۔ بھائیوں سے کہا: اگر فرمایئے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے۔ یہ خاموش رہے۔ پھر لوازمہ سفر کا اور جنس سوداگری کی تیاری کر کے چلا، اور ان کو ساتھ لیا۔ جس وقت مال کی زکوٰۃ دے کر اسباب کشتی پر چڑھایا اور لنگر اٹھایا، ناؤ چلی ۔ یہ کتا کنارے پر سو رہا تھا۔ جب چونکا اور جہاز کو مانجھ دھار میں دیکھا حیران ہوکر بھونکا، اور دریا میں کود پڑا، اور پیرنے لگا۔ میں نے ایک پنسوئی دوڑادی، بارے سگ کو لے کر کشتی میں پہنچایا۔ ایک مہینہ خیرو عافیت سے دریا میں گزرا، کہیں منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہوا۔ ایک دن بڑے، بھائی سے کہنے لگا کہ چھوٹے بھائی کی منّت اٹھانے سے بڑی شرمندگی حاصل ہوئی اس کا تدارک کیا کریں؟ بڑے نے جواب دیا کہ ایک صلاح دل میں ٹھہرائی ہے، اگر بن آوے تو بڑی بات ہے۔ آخر دونوں نے مصلحت کرکے تجویز کی کہ اسے مارڈالیں اور سارے مال اسباب کے قابض متصرف ہوں۔

ایک دن میں جہاز کی کوٹھری میں سوتا تھا، اور لونڈی پاؤں داب رہی تھی کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا۔ میں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ

ہولیا۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ہاتھ ٹیکے، نہوڑا ہوا۔ تماشا دریا کا دیکھ رہا ہے اور مجھے پکارتا ہے ۔میں نے پاس جاکر کہا: خیر تو ہے؟ بولا: عجب طرح کا تماشا ہورہا ہے کہ دریائی آدمی موتی کی سیپاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لیے ہوئے ناچتے ہیں۔ اگر اور کوئی ایسی بات خلاف قیاس کہتا: تو میں نہ مانتا، بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا۔ دیکھنے کو سر جھکایا ہر چند نگاہ کی، کچھ نظر نہ آیا۔اور وہ یہ کہتا رہا، اب دیکھا؟ لیکن کچھ ہو تو دیکھوں ۔ اس میں مجھے غافل پاکر منجھلے نے اچانک پیچھے آکر ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا۔ اور وہ رونے دھونے لگے کہ دوڑیو، ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا۔

اتنے میں ناؤ بڑھ گئی اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لے گئی۔غوطے پر غوطے کھاتا تھا، اور موجوں میں چلا جاتا تھا آخر تھک گیا۔ خدا کو یاد کرتا تھا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ ایک بارگی کسو چیز پر ہاتھ پڑا آنکھ کھول کر دیکھا تو یہی کتا ہے، شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا، میرے ساتھ یہ بھی کودا، اور پیرتا ہوا، میرے ساتھ لپٹا چلا جاتا تھا۔ میں نے اس کی دُم پکڑلی۔ اللہ نے اس کو میری زندگی کا سبب کیا۔ ساتھ دن اور رات یہی صورت گذری، آٹھویں دن کنارے جا لگے، طاقت مطلق نہ تھی، لیٹے لیٹے کروٹیں کھا کر جوں توں اپنے تئیں خشکی میں ڈالا۔ ایک دن بے ہوش پڑا رہا۔دوسرے دن کتے کی آواز کان میں گئی، ہوش میں آیا،خدا کا شکر بجا لایا، ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔دور سے سواد شہر کا نظر آیا، لیکن قوت کہاں کہ ارادہ کروں! لاچار دو قدم چلتا، پھر بیٹھتا۔ اسی حالت سے شام تک کوس بھر راہ کاٹی۔

بیچ میں ایک پہاڑ ملا، رات کو وہاں گر رہا، صبح کو شہر میں داخل ہوا۔ جب بازار میں گیا۔نان بائی اور حلوائیوں کی دُکانیں نظر آئیں۔ دل ترسنے لگا، نہ پاس پیسا جو خرید کروں، جی چاہے کہ مفت مانگوں۔اسی طرح اپنے دل کو تسلّی دیتا ہوا کہ اگلی دکان سے لوں گا، چلا جاتا تھا۔آخر طاقت نہ رہی اور پیٹ میں آگ لگی۔نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلے، ناگاہ دو جوان کو دیکھا کہ لباس عجم کا پہنے، اور ہاتھ پکڑے چلے آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہوا کہ یہ اپنے ملک کے انسان ہیں، شاید آشنا صورت ہوں ان سے اپنا احوال کہوں گا۔ جب نزدیک آئے تو میرے دونوں برادر حقیقی تھے۔ دیکھ کر نپٹ شاد ہوا، شکر خدا

کا کیا خدا نے آبرو رکھ لی، غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا۔ نزدیک جاکر سلام کیا اور بڑے بھائی کا ہاتھ چوما۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی غل وشور کیا۔ منجھلے بھائی نے تمانچہ مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ بڑے بھائی کا دامن پکڑا کہ شاید یہ حمایت کرے گا، اس نے لات ماری۔

غرض دونوں نے مجھے خوب خوردخام کیا، اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا۔ ہر چند میں نے خدا کے واسطے دیئے اور گھگھیایا ہرگز رحم نہ کھایا۔ایک خلقت اکھٹی ہوئی سب نے پوچھا: اس کا کیا گناہ ہے؟ تب بھائیوں نے کہا: یہ حرام زادہ ہمارے بھائی کا نوکر تھا، سو اس کو دریا میں ڈال دیا، اور مال اسباب سب نے لے لیا۔ ہم مدت سے تلاش میں تھے آج اس صورت سے نظر آیا اور مجھ سے پوچھتے تھے کہ ظالم! یہ کیا تیرے دل میں آیا کہ ہمارے بھائی کو مار کھپایا! کیا اس نے تیری تقصیر کی تھی؟ ان نے تجھ سے کیا برا سلوک کیا تھا کہ اپنا مختار بنایا تھا؟ یہ دونوں نے اپنے گریبان چاک کرڈالے، اور بے اختیار جھوٹھ موٹھ بھائی کی خاطر روتے تھے اور لات مکّی مجھ پر کرتے تھے۔

اس میں حاکم کے پیادے آئے ان کو ڈانٹا کہ کیوں مارتے ہو؟ اور میرا ہاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ یہ دونوں بھی ساتھ چلے اور حاکم سے بھی یہی کہا، اور بہ طور رشوت کے کچھ دے کر اپنا انصاف چاہا اور خون ناحق کا دعویٰ کیا۔ حاکم نے مجھ سے پوچھا۔ میری یہ حالت تھی کہ مارے بھوک اور مار پیٹ کے، طاقت گویائی کی نہ تھی۔ سر نیچے کیے کھڑا تھا، کچھ منہ سے جواب نہ نکلا۔ حاکم کو بھی یقین ہوا کہ یہ مقرر خونی ہے۔ فرمایا کہ اسے میدان میں لے جاکر سولی دو۔ جہاں پناہ! میں نے روپے دے کر ان کو یہودی کی قید سے چھڑایا تھا اس کے عوض انہوں نے بھی روپے خرچ کر کے میری جان کا قصد کیا۔ یہ دونوں حاضر ہیں۔ان سے پوچھیے، میں اس میں سرمو تفاوت کہتا ہوں؟ خیر مجھے لے گئے۔ جب دار کو دیکھا، ہاتھ زندگی سے دھوئے۔

سوائے اس کتے کے، کوئی میرا رونے والا نہ تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک آدمی کے پاؤں میں لوٹتا اور چلاّتا تھا۔ کوئی لکڑی، کوئی پتھر سے مارتا، لیکن یہ اس جگہ سے نہ سرکتا۔ اور میں روبہ قبلہ کھڑا ہوا، خدا کو کہتا تھا کہ اس وقت میں تیری ذات کے سوا میرا

کوئی نہیں جو آڑے آوے اور بے گناہ کو بچاوے۔ اب تو ہی بچاوے تو بچتا ہوں۔ یہ کہہ کر کلمہ شہادت کا پڑھ کر تیورا کر گر پڑا۔ خدا کی حکمت سے اس شہر کے بادشاہ کو قولنج کی بیماری ہوئی۔ امرا اور حکیم جمع ہوئے۔ جو علاج کرتے تھے فائدے مند نہ ہوتا تھا۔ ایک بزرگ نے کہا کہ سب سے بہتر یہ دوا ہے کہ محتاجوں کو کچھ خیرات کرو اور بندی دانوں کو آزاد کرو، دوا سے دعا میں بڑا اثر ہے۔ وونہیں پادشاہی چیلے پنڈت خانوں کی طرف دوڑے۔

اتفاقاً ایک اس میدان میں آنکلا۔ ازدحام دیکھ کر معلوم کیا کہ کسو کو سولی چڑھاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی گھوڑے کو دار کے نزدیک لاکر تلوار سے طنابیں کاٹ دیں۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا اور تنبیہ کی کہ ایسے وقت میں کہ پادشاہ کی یہ حالت ہے۔ تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو! اور مجھے چھڑوادیا۔ تب یہ دونوں بھائی حاکم کے پاس گئے اور میرے قتل کے واسطے کہا۔ شحنے نے تو رشوت کھائی تھی، جو یہ کہتے تھے سو کرتا تھا۔

کوتوال نے ان سے کہا کہ خاطر جمع رکھو، اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ مارے بھوکوں کے بے آب و دانہ مرجاوے۔ کسو کو خبر نہ ہووے۔ مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا اس شہر سے باہر کوس ایک پر ایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمان کے وقت میں دیووں نے ایک کنواں تنگ و تاریک اس میں کھودا تھا، اس کا نام زندان سلیمان کہتے تھے۔ جس پر بڑا غضب پادشاہی ہوتا، اسے وہاں محبوس کرتے وہ خود بہ خود مرجاتا۔ القصہ رات کو چپکے یہ دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے مجھے اس پہاڑ پر لے گئے۔ اور اس غار میں ڈال کر اپنی خاطر جمع کر کے پھرے۔ اے پادشاہ! یہ کتا میرے ساتھ چلا گیا۔ جب مجھے کنویں میں گرایا، تب یہ اس کی مینڈ پر لیٹ رہا۔ میں اندر بے ہوش پڑا تھا۔ ذرا سُرت آئی، تو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا، اور اس مکان کو گور سمجھا۔ اس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ یہی معلوم کیا کہ نکیر منکر ہیں تجھ سے سوال کرنے آئے ہیں۔ سرسراہٹ رسی کی سنی، جیسے کسو نے وہاں لٹکائی، میں حیرت میں تھا، زمین کو ٹٹولتا، تو ہڈیاں ہاتھ میں آتیں۔

بعد ایک ساعت کے، آواز چپڑ چپڑ منہ چلانے کی میرے کان میں آئی جیسے کوئی

کچھ کھاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے خدا کے بندو! تم کون ہو؟ خدا کے واسطے بتاؤ۔ وہ ہنسے اور بولے: یہ زندان مہتر سلیمان کا ہے، اور ہم قیدی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا میں جیتا ہوں؟ پھر کھکھلا کر ہنسے اور کہا: اب تلک تو تو زندہ ہے۔ پر اب مرے گا۔ میں نے کہا: تم جو کھاتے ہو، کیا ہو۔ جو مجھے بھی تھوڑا سا دو، تب جھنجھلا کر خالی جواب دیا اور کچھ نہ دیا۔ وہ کھا پی کر سو رہے۔ میں مارے ضعف و ناتوانی کے غش میں پڑا روتا تھا، اور خدا کو یاد کرتا تھا۔ قبلۂ عالم! سات دن دریا میں، اور اتنے دن بھائیوں کے بہتان کے سبب دانہ نہ میسر آیا۔ علاوہ کھانے کے بدلے مار پیٹ کھائی اور ایسے زندان میں پھنسا کہ صورت رہائی کی مطلق خیال میں بھی نہ آتی تھی۔

آخر جان کندنی کی نوبت پہنچی! کبھو دم آتا کبھو نکل جاتا تھا لیکن کبھو کبھو آدھی رات کو ایک شخص آتا اور رومال میں روٹیاں اور پانی کی صراحی ڈوری میں باندھ کر لٹکا دیتا اور پکارتا۔ وہ دونوں آدمی جو میرے پاس محبوس تھے، لے لیتے اور کھاتے پیتے، اوپر سے کتے نے ہمیشہ یہ احوال دیکھتے دیکھتے عقل دوڑائی کہ جس طرح یہ شخص آب و نان کنویں میں لٹکا دیتا ہے، تو بھی ایسی فکر کر کہ کچھ اس بے کس کو جو میرا خاوند ہے۔ آزقہ پہنچے تو اس کا دم بچے۔ یہ خیال کر کے شہر میں گیا۔ نان بائی کی دکان میں منبر پر گردے چنے ہوئے دھرے تھے۔ جست مار کر ایک کلچہ منہ میں لیا اور بھاگا۔ لوگ پیچھے دوڑے ڈھیلے مارتے تھے، لیکن اس نے نان کو نہ چھوڑا، آدمی تھک کر پھرے۔ شہر کے کتے پیچھے لگے، ان سے لڑتا بھڑتا روٹی کو بچائے، اس چاہ پر آیا اور نان کو اندر ڈال دیا۔ روز روشن تھا۔ میں نے روٹی کو اپنی پاس پڑا دیکھا اور کتے کی آواز سنی، کلچے کو اٹھالیا۔ اور یہ کتا روٹی پھینک کر، پانی کی تلاش میں گیا۔

کسی گاؤں کے کنارے ایک بڑھیا کی جھوپڑی تھی، ٹھلیا اور بدھنا پانی سے بھرا ہوا دھرا تھا اور وہ پیرزن چرخا کاتتی تھی۔ کتا کوزے کے نزدیک گیا۔ چاہا کہ لوٹے کو اٹھاوے عورت نے ڈانٹا، لوٹا اس کے منہ سے چھوٹا، گھڑے پر گرا مٹکا پھوٹا، باقی باسن لڑھ گئے۔ پانی بہہ چلا۔ بڑھیا لکڑی لے کر مارنے کو اُٹھی، یہ سگ اس کے دامن میں لپٹ گیا،

اس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دُم ہلانے لگا اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا۔ پھر اس کے پاس آکر کبھو رسّی اٹھاتا، کبھو ڈول منہ میں پکڑ کر دکھاتا اور منہ اس کے قدموں پر رگڑتا اور آنچل چادر کا پکڑ کر کھینچتا۔ خدا نے اس عورت کے دل میں رحم دیا کہ ڈول رسّی کو لے کر اس کے ہم راہ چلی یہ اس کا آنچل پکڑے گھر سے باہر ہوکر آگے آگے ہولیا۔

آخر اس کو پہاڑی پر لے آیا۔ عورت کے جی میں کتّے کی اس حرکت سے الہام ہوا کہ اس کا میاں مقرّر اس غار میں گرفتار ہے۔ شاید اس کی خاطر پانی چاہتا ہے۔ غرض پیر زن کو لیے ہوئے غار کے منہ پر آیا۔ عورت نے لوٹا پانی کا بھر کر رسّی سے لٹکایا۔ میں نے وہ باسن لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا، دو تین گھونٹ پانی پیا اس پیٹ کے کتّے کو راضی کیا۔ خدا کا شکر کرکر ایک کنارے بیٹھا اور خدا کی رحمت کا منتظر تھا کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے؟ یہ حیوان بے زبان اسی طور سے نان لے آتا اور بڑھیا کے ہاتھ پانی پلواتا، جب بھٹیاروں نے دیکھا کہ کتّا ہمیشہ روٹی لے جاتا ہے، ترس کھا کر مقرّر کیا کہ جب اسے دیکھتے ایک گردا اس کے آگے پھینک دیتے۔ اور وہ عورت پانی نہ لاتی تو یہ اس کے باسن پھوڑ ڈالتا۔ لاچار وہ بھی ہر روز ایک صراحی پانی کی دے جاتی۔ اس رفیق نے آب و نان سے میری خاطر جمع کی اور آپ زندان کے منہ پر پڑا رہتا۔ اس طرح چھے مہینے گزرے لیکن جو آدمی ایسے زندان میں رہے کہ دنیا کی ہوا اس کو نہ لگے اس کا کیا حال ہوا، نرا پوست و استخوان مجھ میں باقی رہا۔ زندگی وبال ہوئی۔ جی میں آوے کہ یا الٰہی! یہ دم نکل جاوے تو بہتر ہے۔

ایک روز رات کو وہ دونوں قیدی سوتے تھے، میرا دل اُمنڈ آیا، بے اختیار رونے لگا اور خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کرنے، پچھلے پہر کیا دیکھتا ہوں کہ خدا کی قدرت سے ایک رسّی غار میں لٹکی اور آواز سہج میں سُنی کہ اے کم بخت بدنصیب! ڈور کا سرا اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل میں نے سن کر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی مجھ پر مہربان ہوکر لہو کے جوش سے آپ ہی نکالنے آئے۔ نہایت خوشی سے اس طناب کو کمر میں خوب کسا۔ کسو نے مجھے اوپر کھینچا۔ رات ایسی اندھیری تھی کہ جن نے مجھے نکالا، اس کو میں نے نہ پہچانا کہ کون ہے۔ جب میں باہر آیا تب اس نے کہا: جلد آ۔ یہاں کھڑے ہونے کی جگہ

نہیں۔ مجھ میں طاقت تو نہ تھی، پر مارے ڈر کے لڑھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا۔ دیکھوں تو دو گھوڑے زین بندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ اس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا اور ایک پر آپ چڑھ لیا اور آگے ہوا۔ جاتے جاتے دریا کے کنارے پر پہنچا۔

صبح ہوگئی، اس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے، اس جوان کو دیکھا کہ اونچی بنا ہوا زرہ بکتر پہنے، چار آئینہ باندھے، گھوڑے پر پاکھر ڈالے۔ میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر اور ہاتھ اپنا دانتوں سے کاٹ کر۔ تلوار میان سے کھینچی اور گھوڑے کو جست کرکر مجھ پر چلائی۔ میں نے اپنے تئیں گھوڑے پر سے نیچے گرادیا اور گھگھیانے لگا کہ میں بے تقصیر ہوں۔ مجھے کیوں قتل کرتا ہے؟ اے صاحب مروّت! ویسے زندان سے میرے تئیں تو نے نکالا، اب یہ بے مروتی کیا ہے؟ اس نے کہا: سچ کہہ تو کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مسافر ہوں۔ ناحق کی بلا میں گرفتار ہوگیا تھا، تمہارے تصدّق سے بارے جیتا نکلا ہوں۔ اور بہت باتیں خوشامد کی کیں۔

خدا نے اس کے دل میں رحم دیا، شمشیر کو غلاف کیا اور بولا: خیر خدا جو چاہے سو کرے! جا تیری جان بخشی کی، جلد سوار ہو۔ یہاں توقف کا مکان نہیں۔ گھوڑوں کو جلد کیا اور چلے۔ راہ میں افسوس کھاتا اور پچتاتا جاتا تھا، ظہر کے وقت تک ایک جزیرے میں جا پہنچے۔ وہاں گھوڑے سے اُترا، مجھے بھی اُتارا۔ زین، خوگیر، مرکبوں کی پیٹھ سے کھولا اور چرنے کو چھوڑ دیا۔ اپنی بھی کمر سے ہتھیار کھول ڈالے اور بیٹھا۔ مجھ سے بولا: اے بدنصیب! اب اپنا احوال کہہ تو معلوم ہو کہ تو کون ہے۔ میں نے اپنا نام نشان بتایا اور جو جو کچھ بپتا بیتی تھی، اس سے آخر تک کہی۔

اس جوان نے جب میری سرگذشت سب سنی رونے لگا اور مخاطب ہوا کہ اے جوان! اب میرا ماجرا سن۔ میں کنیا زیرباد کے دیس کے راجا کی ہوں۔ اور وہ گبرو زندان سلیمان میں قید ہے۔ اس کا نام بہرہ مند ہے، میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراج نے اگیا دی کہ جتنے راجا اور کنور ہیں میدان میں زیر جھروکے نکل کر تیراندازی اور چوگان بازی کریں۔ تو گھڑ چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے جو میری

ماتا تھیں، اٹاری پر اوجھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں تماشا دیکھتی تھی۔ یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا اور گھوڑے کو کاوے دے کر کسب کر رہا تھا، مجھ کو بھایا اور دل سے اس پر ریجھی۔ مدت تلک یہ بات گپت رکھی۔

آخر جب بہت بیاکُل ہوئی تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا۔ وہ اس جوان کو کسو نہ کسو ڈھب سے پوشیدہ میری دھراہر میں لے آئی۔ تب یہ بھی مجھے چاہنے لگا۔ بہت دن اس عشق مشک میں کٹے۔ ایک روز چوکی داروں نے آدھی رات کو ہتھیار باندھے اورِ محل میں آتے دیکھ کر اُسے پکڑا اور راجا سے کہا۔ اسے حکم قتل کیا۔ سب ارکان دولت نے کہہ سن کر جان بخشی کروائی۔ تب فرمایا کہ اس کو زندان سلیمان میں ڈال دو۔ اور دوسرا جوان جو اس کے ہم راہ اسیر ہے۔ اس کا بھگنا ہے، اس رین کو وہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ دونوں کو اس کنویں میں چھوڑ دیا۔ آج تین برس ہوئے کہ وہ پھسے ہیں مگر کسو نے نہیں دریافت کیا کہ یہ جوان راجا کے گھر میں کیوں آیا تھا۔ بھگوان نے میری پت رکھی۔ اس کے شکرانے کے بدلے، میں نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ اَن اورجَل اس کو پہنچایا کروں۔ جب سے اٹھوارے میں ایک دن آتی ہوں اور آٹھ دن کا آزوقہ اکٹھا دے جاتی ہوں۔

کل کی رات سپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ہے کہ شتابی اُٹھ اور گھوڑا جوڑا اور کمند اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لے کر اس غار پر جا اور اس بچارے کو وہاں سے نکال۔ یہ سُن کر میں چونک پڑی اور مگن ہو کر مردانہ بھیس کیا اور ایک صندوقچہ جواہر و اشرفی سے بھر لیا اور یہ گھوڑا اور کپڑا جوڑا لے کر وہاں گئی کہ کمند سے اسے کھینچوں، کرم میں تیرے تھا کہ ویسی قید سے اس طرح چھٹکارا پاوے اور میرے اس کرتب سے محرم کوئی نہیں۔ شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری مخلصی کی خاطر مجھے بھجوایا۔ خیر جو میرے بھاگ میں تھا، سو ہوا۔ یہ کتھا کہہ کر پوری کچوری ماس کا سالن انگوچھے سے کھولا۔ پہلے قند نکال ایک کٹورے میں گھولا اور عرق بید مشک کا اُس میں ڈال کر مجھے دیا میں نے اس کے ہاتھ سے لے کر پیا۔ پھر تھوڑا سا ناشتا کیا۔ بعد ایک ساعت کے میرے تئیں لنگی بندھوا کر دریا میں لے گئی، قینچی سے میرے سر کے بال کترے ناخن لیے۔ نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے، نئے سر سے آدمی بنایا۔ میں

گانہ شکرانے کا رو بہ قبلہ ہو کر پڑھنے لگا۔ وہ نازنین اس میری حرکت کو دیکھتی رہی۔

جب نماز سے فارغ ہوا پوچھنے لگی کہ یہ تو نے کیا کام کیا؟ میں نے کہا: جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھ پر مہربان کیا اور ویسے زندان سے خلاص کروایا اس کی ذات لاشریک ہے۔ اس کی میں نے عبادت کی اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا۔ یہ بات سن کر کہنے لگی: تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا: شکر الحمد للہ۔ بولی: میرا دل تمہاری باتوں سے خوش ہوا، میرے تئیں بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ۔ میں نے دل میں کہا: الحمدُ للہ کہ یہ ہمارے دین کی شریک ہوئی۔ غرض میں نے لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور اس سے پڑھوایا۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر ہم دونوں چلے۔ رات کو اترتے، تو وہ ذکر دین ایمان کا کرتی اور سنتی اور خوش ہوتی۔ اسی طرح دو مہینے تلک پیہم شبانہ روز چلے گئے۔

آخر ایک ولایت میں پہنچے کہ درمیان سرحد مُلک زیر باد اور سراندیپ کے تھی۔ ایک شہر نظر آیا کہ آبادی میں استنبول سے بڑا اور آب و ہوا بہت خوش اور موافق۔ پادشاہ اس شہر کا کسریٰ سے زیادہ عادل اور رعیت پرور۔ دیکھ کر دل نپٹ شاد ہوا۔ ایک حویلی خرید کر کے باد باش مقرر کی۔ جب کئی دن میں رنجِ سفر سے آسودہ ہوئے کچھ اسباب ضروری درست کر کے، اس بی بی سے موافق شرع محمدی کے نکاح کیا اور رہنے لگا۔ تین سال میں وہاں کے اکابر و اصاغر سے مل جل کر اعتبار بہم پہنچایا اور تجارت کا ٹھاٹھ پھیلایا۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لے گیا۔ ایک روز وزیر اعظم کی خدمت میں سلام کے لیے چلا، ایک میدان میں کثرت خلق اللہ کی دیکھی۔ کسو سے پوچھا کہ کیوں اتنا ازدحام ہے؟ معلوم ہوا کہ دو شخصوں کو زنا اور چوری کرتے پکڑا ہے، اور شاید خون بھی کیا ہے۔ ان کو سنگ سار کرنے لائے ہیں۔

مجھے سنتے ہی اپنا احوال یاد آیا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح سولی چڑھانے لے گئے تھے۔ خدا نے بچالیا۔ آیا یہ کون ہیں کہ ایسی بلا میں گرفتار ہوئے ہیں؟ معلوم نہیں کہ راست ہے، یا میری طرح تہمت میں گرفتار ہوئے ہیں! بھیڑ کو چیر اندر گھسا دیکھا تو یہی

میرے دونوں بھائی ہیں کہ ٹنڈیاں کسے، سروپا برہنہ ان کو لیے جاتے ہیں۔ ان کی صورت دیکھتے ہی خون نے جوش کیا اور کلیجہ جلا۔ محصلوں کو ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا۔ ایک ساعت توقف کرو۔ اور وہاں گھوڑے کو سرپٹ پھینک کر حاکم کے گھر گیا۔ ایک دانہ یاقوت بے بہا کا نذر گزرانا اور ان کی شفاعت کی۔ حاکم نے کہا: ایک شخص ان کا مدعی ہے اور ان کے گناہ ثابت ہوئے ہیں اور پادشاہ کا حکم ہو چکا ہے۔ میں لاچار ہوں۔

بارے بہت منت و زاری سے حاکم نے مدعی کو بلواکر پانچ ہزار روپے پر راضی کیا کہ وہ دعویٰ خون کا معاف کرے۔ میں نے روپے گن دیئے اور لادعویٰ لکھوالیا اور ایسی بلا سے مخلصی دلوائی۔ جہاں پناہ! ان سے پوچھیے کہ سچ کہتا ہوں یا جھوٹھ بکتا ہوں۔ وے دونوں بھائی سرنیچے کیے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ خیر، ان کو چھڑواکر گھر میں لایا، حمام کرواکرلباس پہنوایا، دیوان خانے میں مکان رہنے کو دیا۔ اس مرتبے اپنے قبیلے کو ان کے روبہ رو نہ کیا۔ ان کی خدمت میں حاضر رہتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا، سونے کے وقت گھر میں جاتا۔ تین برس تک ان کی خاطر داری میں گزری اور ان سے بھی کوئی حرکت بد واقع نہ ہوئی کہ باعث رنجیدگی کا ہووے۔ جو میں سوار ہو کر کہیں جاتا تو یہ گھر میں رہتے۔

اتفاقاً وہ بی بی نیک بخت ایک دن حمام کو گئی تھی۔ جب دیوان خانے میں آئی کوئی مرد نظر نہ پڑا، اس نے برقع اتارا۔ شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگتا تھا۔ دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ بڑے بھائی سے کہا۔ دونوں نے میرے مارڈالنے کی باہم صلاح کی۔ میں اس حرکت سے مطلق خبر نہ رکھتا تھا بلکہ دل میں کہتا تھا کہ الحمدللہ! اس مرتبہ اب تک انہوں نے کچھ ایسی بات نہیں کی۔ اب ان کی وضع درست ہوئی، شاید غیرت کو کام فرمایا۔ ایک روز بعد کھانے کے بڑے بھائی صاحب آب دیدہ ہوئے اور اپنے وطن کی تعریف اور ایران کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ یہ سُن کر دوسرے بھی بسورنے لگے۔ میں نے کہا: اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر، میں تابع مرضی کے ، میری بھی یہی آرزو ہے اب انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی آپ کی رکاب میں چلتا ہوں۔ اس بی بی سے دونوں بھائیوں کی اداسی کا مذکور کیا اور اپنا ارادہ بھی کہا۔ وہ عاقلہ بولی کہ تم جانو لیکن پھر کچھ دغا کیا چاہتے ہیں۔ یہ تمہاری جان

ے دشمن ہیں۔ تم نے سانپ آستین میں پالے ہیں اور ان کی دوستی کا بھروسہ رکھتے ہو! جو می چاہے سو کرو۔ لیکن موذیوں سے خبردار رہو۔ بہ ہرتقدیر تھوڑے عرصے میں تیاری سفر کی کر کے خیمہ میدان میں استاد کیا۔ بڑا قافلہ جمع ہوا اور میری سرداری اور قافلہ باشی پر راضی ہوئے۔ اچھی ساعت دیکھ کر روانہ ہوا۔ لیکن ان کی طرف سے اپنی جانب میں ہوشیار رہتا اور سب صورت سے فرماں برداری اور دل جوئی ان کی کرتا۔

ایک روز ایک منزل میں منجھلے بھائی نے مذکور کیا کہ ایک فرسخ اس مکان سے ایک چشمہ جاری ہے۔ مانند سلسبیل کے اور میدان میں خودروکوسوں تلک لالہ و نافرمان اور نرگس و گلاب پھولا ہے، واقعی عجب مکان سیر کا ہے۔ اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وہاں جاکر تفریح طبیعت کی کرتے اور ماندگی بھی رفع ہوتی، میں بولا کہ صاحبِ مختار ہیں، فرماؤ تو کل کے دن مقام کریں اور وہاں چل کر سیر کرتے پھریں۔ یہ بولے ازیں چہ بہتر؟ میں نے حکم کیا کہ سارے قافلے میں پکار دو کہ کل مقام ہے۔ اور بکاول کو کہا حاضری قسم بہ قسم کی تیار کر، کل سیر کو چلیں گے۔ جب صبح ہوئی ان دونوں برادروں نے کپڑے پہن کمر باندھ کر مجھے یاد دلایا کہ جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلیے اور سیر کیجیے۔ میں نے سواری مانگی۔ بولے کہ پا پیادہ جو لطف سیر کا ہوتا ہے، سوسواری میں معلوم؟ نفروں کو کہہ دو، گھوڑے ڈُریا کر لے آویں۔

دونوں غلاموں نے قلیان اور قہوہ دان لے لیا اور ساتھ ہوئے۔ راہ میں تیر اندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب قافلے سے دور نکل گئے، ایک غلام کو انہوں نے کسی کام کو بھیجا تھوڑی دور آگے بڑھ کر دوسرے کو اس کے بلانے کو رخصت کیا۔ کم بختی جو آئی میرے منہ میں جیسے کسو نے مہر دے دی۔ جو وہ چاہتے تھے سو کرتے تھے اور مجھے باتوں میں پرچائے لیے جاتے تھے، مگر یہ کتا ساتھ رہ گیا۔ بہت دور نکل گئے، نہ چشمہ نظر آیا، نہ گلزار۔ مگر ایک میدان پُر خار تھا وہاں مجھے پیشاب لگا، میں بول کرنے کو بیٹھا۔ اپنے پیچھے چمک تلوار کی سی دیکھی، مڑکر دیکھوں تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھ پر تلوار ماری کہ سر دو پارہ ہوگیا۔ جب تلک بولوں کہ اے ظالم! مجھے کیوں مارتا ہے؟ بڑے بھائی نے شانے

پر لگائی ۔ دونوں زخم کاری لگے، تیورا کر گرا۔ تب ان دونوں بے رحموں نے بہ خاطر جمع میرے تئیں چُور زخمی کیا اور لہولہان کر دیا۔ یہ کتا میرا احوال دیکھ کر ان بھپکا اس کو بھی گھائل کیا۔ بعد اس کے اپنے ہاتھوں سے اپنے بدنوں میں زخموں کے نشان کیے اور سرو پا برہنہ قافلے میں گئے اور ظاہر کیا کہ حرامیوں نے اس میدان میں ہمارے بھائی کو شہید کیا اور ہم بھی لڑبھڑ کر زخمی ہوئے۔ جلدی کوچ کرو نہیں تو اب کارواں پر گر کر سب کو ننگیا لیں گے۔ قافلے کے لوگوں نے بدوؤں کا نام جو سنا، وونہیں بدحواس ہوئے اور گھبرا کر کوچ کیا اور چل نکلے۔ میرے قبیلے نے سلوک اور خوبیاں ان کی سُن رکھی تھیں، جو جو مجھ سے دعائیں کی تھیں، یہ واردات ان کا ذبوں سے سُن کر، جلد خنجر سے اپنے تئیں ہلاک کیا جاں بحق تسلیم ہوئی۔ اے درویشو! اس خواجۂ سگ پرست نے جب اپنی کیفیت اور مصیبت اس طرح سے یہاں تلک کہی، سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آیا۔ وہ سوداگر دیکھ کر کہنے لگا کہ قبلۂ عالم! اگر بے ادبی نہ ہوتی، تو برہنہ ہوکر میں اپنا سارا بدن کھول کر دکھاتا۔ تس پر بھی اپنی راستی پر گریبان مونڈھے تلک چیر کر دکھایا۔ واقعی چار انگل تن اس کا بغیر زخم کے ثابت نہ تھا۔ میرے حضور سر سے عمامہ اُتارا، کھوپری میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سموچا اس میں سماوے۔ ارکان دولت جتنے حاضر تھے، سب نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، طاقت دیکھنے کی نہ رہی۔

پھر خواجہ بولا کہ پادشاہ سلامت! جب یہ بھائی اپنی دانست میں میرا کام تمام کرکے چلے گئے۔ ایک طرف میں اور ایک طرف یہ سگ میرے نزدیک زخمی پڑا تھا۔ لہو اتنا بدن سے گیا کہ مطلق طاقت اور ہوش کچھ باقی نہ تھا۔ کیا جانوں دم کہاں اٹک رہا تھا کہ جیتا تھا۔ جس جگہ میں پڑا تھا۔ ولایت سراندیپ کی سرحد تھی اور ایک شہر بہت آباد اس کے قریب تھا۔ اس شہر میں بڑا بت خانہ تھا اور وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی، نہایت قبول صورت اور صاحب جمال۔

اکثر پادشاہ اور شہزادے اس کے عشق میں خراب تھے۔ وہاں رسم حجاب کی نہ تھی اس سے وہ لڑکی تمام دن ہم جولیوں کے ساتھ سیر شکار کرتی پھرتی۔ ہم سے نزدیک ایک پادشاہی باغ تھا۔ اس روز پادشاہ سے اجازت لے کر اسی باغ میں آئی تھی۔ سیر کی خاطر اس

میدان میں پھرتی پھرتی آنکلی، کئی خواصیں بھی ساتھ سوار تھیں۔ جہاں میں پڑا تھا، آئیں، میرا کراہنا سن کر پاس کھڑی ہوئیں۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ بھاگیں اور شہزادی سے کہا کہ ایک مردوا اور ایک کتا لہو میں شُور بُور پڑا ہے۔ ان سے یہ سن کر آپ ملکہ میرے سر پر آئی، افسوس کھا کر کہا: دیکھو تو کچھ جان باقی ہے؟ دوچار دائیوں نے اُتر کر دیکھا اور عرض کی: اب تلک تو جیتا ہے۔ تُرت فرمایا کہ امانت قالیچے پر لٹا کر باغ میں لے چلو۔

وہاں لے جا کر جراح سرکار کا بلا کر، میرے اور میرے کتے کے علاج کی خاطر بہت تاکید کی اور امیدوار انعام و بخشش کا کیا۔ اس حجام نے سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خاک و خون سے پاک کیا اور شراب سے دھو دھا کر زخموں کو ٹانکے دے کر، مرہم لگایا اور بیدمُشک کا عرق پانی کے بدلے حلق میں چُوایا۔ ملکہ آپ میرے سرہانے بیٹھی رہتی اور میری خدمت کرواتی اور تمام دن رات میں دوچار بار کچھ شوربا یا شربت اپنے ہاتھ سے پلاتی۔ بارے مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ ملکہ نہایت افسوس سے کہتی ہے: کس ظالم خوں خوار نے تجھ پر یہ ستم کیا۔ بڑے بُت سے بھی نہ ڈرا، بعد دس روز کے عرق اور شربت اور معجونوں کی قوّت سے میں نے آنکھ کھولی، دیکھا تو اِندر کا اکھاڑا میرے آس پاس جمع ہے اور ملکہ سرہانے کھڑی ہے۔ ایک آہ بھری اور چاہا کہ کچھ حرکت کروں، طاقت نہ پائی پادشاہ زادی مہربانی سے بولی کہ اے عجمی! خاطر جمع رکھ کُڑھ مت، اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بت نے مجھ کو تجھ پر مہربان کیا ہے، اب چنگا ہوجاوے گا۔

قسم اس خدا کی جو واحد اور لاشریک ہے، میں اسے دیکھ کر پھر بے ہوش ہوگیا۔ ملکہ نے بھی دریافت کیا اور گلاب پاش سے گلاب اپنے ہاتھ سے چھڑکا۔ بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے اور انگور کر لائے۔ ملکہ ہمیشہ رات کو جب سو جاتے، میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی۔ غرض ایک چلّے میں غسل کیا۔ بادشاہ زادی نہایت خوش ہوئی۔ حجام کو انعام بہت سا دیا اور مجھ کو پوشاک پہنوائی۔ خدا کے فضل سے اور خبر گیری اور سعی سے ملکہ کی، خوب چاق چوبند ہوا۔ اور بدن نہایت تیار ہوا اور کتا بھی فربہ ہوگیا۔ روز مجھے شراب پلاتی اور باتیں سنتی اور خوش ہوتی۔ میں بھی ایک آدھ نقل یا کہانی انوٹھی کہہ کر، اس کے دل

کو بہلاتا۔

ایک دن پوچھنے لگی کہ اپنا احوال تو بیان کرو کہ تم کون ہو اور یہ واردات تم پر کیوں ہوئی؟ میں نے سارا ماجرا اپنا اوّل سے آخر تک کہہ سنایا۔ سن کر رونے لگی اور بولی کہ اب میں تجھ سے ایسا سلوک کروں گی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جاوے گا۔ میں نے کہا خدا تمھیں سلامت رکھے، تم نے نئے سر سے میری جان بخشی کی ہے، اب میں تمہارا ہو رہا ہوں، واسطے خدا کے اسی طرح ہمیشہ مجھ پر اپنی مہربانی کی نظر رکھیو۔ غرض تمام رات اکیلی میرے پاس بیٹھی رہتی اور صحبت رکھتی۔ بعضے دن دائی اس کی بھی ساتھ رہتی۔ ہر ایک طور کا ذکر مذکور سنتی اور کہتی۔ جب ملکہ اُٹھ جاتی اور میں تنہا ہوتا طہارت کر، کونے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتا۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی، میں خاطر جمع سے وضو کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک شہزادی دائی سے بولتی ہوئی آئی کہ دیکھیں، عجمی اس وقت کیا کرتا ہے، سوتا ہے جاگتا ہے؟ مجھے مکان پر جو نہ دیکھا تعجّب میں ہوئی کہ ایں! یہ کہاں گیا ہے؟ کسو سے کچھ لگا تو نہیں لگایا۔ کونا کُھترا دیکھنے لگی۔ اور تلاش کرنے لگی۔ آخر جہاں میں نماز کر رہا تھا، وہاں آنکلی اس لڑکی نے کبھو نماز کاہے کو دیکھی تھی، چپکی کھڑی دیکھا کی۔ جب میں نے نماز تمام کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سجدے میں گیا، بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی: کیا یہ آدمی سودائی ہوگیا، یہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے؟

میں ہنسنے کی آواز سن کر دل میں ڈرا۔ ملکہ آگے آکر پوچھنے لگی کہ اے عجمی! یہ تو کیا کرتا تھا؟ میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ اس میں دائی بولی: بلالوں، تیرے صدقے گئی، مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور لات منات کا دشمن ہے، ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے ملکہ نے یہ سنتے ہی ہاتھ ہاتھ پر مارا، بہت غصّے ہوئی کہ میں کیا جانتی تھی کہ یہ ترک ہے، اور ہمارے خداؤں سے منکر ہے۔ تبھی ہمارے بت کے غضب میں پڑا تھا۔ میں نے ناحق اس کی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا۔ یہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ میں سنتے ہی بدحواس ہوا کہ دیکھیے اب کیا سلوک کرے۔ مارے خوف کے نیند اُچاٹ ہوگئی۔ صبح تک

بے اختیار رویا کیا اور آنسوؤں سے مُنہ دھویا کیا۔

تین دن رات اسی خوف و رَجا میں روتے گزرے، ہرگز آنکھ نہ جھپکی۔ تیسری شب ملکہ شراب کے نشے میں مخمور اور دائی ساتھ لیے میرے مکان پر آئی۔ غصّے میں بھری ہوئی اور تیر کمان ہاتھ میں لیے باہر چمن کے کنارے بیٹھی۔ دائی سے پیالہ شراب کا مانگا، پی کر کہا: وہ عجمی جو ہمارے بڑے بت کے قہر میں گرفتار ہے، موا، یا اب تک جیتا ہے؟ دائی نے کہا: بلّیاں لوں، کچھ دم باقی ہے۔ بولی کہ اب وہ ہماری نظروں سے گرا، لیکن کہہ کر باہر آوے۔ دائی نے مجھے پکارا۔ میں دوڑا، دیکھوں تو ملکہ کا چہرہ مارے غصّے کے تمتما رہا ہے اور سرخ ہوگیا ہے۔ روح قالب میں نہ رہی۔ سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھ کر دائی سے بولی: اگر میں اس دین کے دشمن کو تیر سے ماروں، تو میری خطا بڑا بت معاف کرے گا یا نہیں؟ یہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا ہے کہ میں نے اسے اپنے گھر میں رکھ کر خاطر داری کی۔

دائی نے کہا: پادشاہ زادی کی کیا تقصیر ہے؟ کچھ دشمن جان کر نہیں رکھا تم نے اس پر ترس کھایا۔ تم کو نیکی کے عوض نیکی ملے گی اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ بڑے بت سے پارہے گا۔ یہ سن کر کہا: دائی! اسے بیٹھنے کو کہہ، دائی نے مجھے اشارت کی کہ بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے اور جام شراب کا پیا اور دائی سے کہا کہ اس کم بخت کو بھی ایک پیالہ دے، تو آسانی نے مارا جاوے۔ دائی نے جام دیا۔ میں بلا عذر پیا اور سلام کیا۔ ہرگز میری طرف نگاہ نہ کی۔ مگر کن انکھیوں سے چوری چوری دیکھتی تھی۔ جب مجھے سرور ہوا کچھ شعر پڑھنے لگا۔ ازاں جملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی:

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا؟

سُن کر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی: کیا تجھے نیند آتی ہے؟ دائی نے مرضی پا کر کہا کہ ہاں مجھ پر خواب نے غلبہ کیا ہے۔ وہ تو رخصت ہوکر جہنم واصل ہوئی۔ بعد ایک دم کے ملکہ نے پیالہ مجھ سے مانگا۔ میں جلد بھر کر روبہ رو لے گیا۔ ایک ادا سے میرے ہاتھ

سے لے کر پی لیا۔ تب میں قدموں پر گرا۔ ملکہ نے ہاتھ مجھ پر جھاڑا اور کہنے لگی: اے جاہل! ہمارے بڑے بت میں کیا برائی دیکھی۔ جو غایب خدا کی پرستش کرنے لگا؟ میں نے کہا: انصاف شرط ہے، تک غور فرمائیے کہ بندگی کے لایق وہ خدا ہے کہ جس نے ایک قطرے پانی سے تم سا رکا محبوب پیدا کیا، اور یہ حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کرڈالو۔ بت کیا چیز ہے کہ کوئی اس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر سنگ تراشوں نے گڑھ کر صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا۔ جن کو شیطان نے ورغلانا ہے، وے مصنوع کو صانع جانتے ہیں۔ جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں، اس کے آگے سر جھکاتے ہیں اور ہم مسلمان ہیں جس نے ہمیں بنایا ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں۔ ان کے واسطے دوزخ، ہمارے لیے بہشت بنایا ہے۔ اگر بادشاہ زادی ایمان خدا پر لاوے، تب اس کا مزا پاوے اور حق و باطل میں فرق کرے۔ اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے۔

بارے ایسی نصیحتیں سن کر اس سنگ دل کا دل ملائم ہوا۔ خدا کے فضل و کرم سے رونے لگی اور بولی: اچھا مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ میں نے کلمہ تلقین کیا۔ ان نے بہ صدق دل پڑھا۔ اور توبہ استغفار کرکر مسلمان ہوئی۔ تب میں اس کے پاؤں پڑا۔ صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رہی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میں تمہارا دین قبول کیا۔ لیکن ماں باپ کافر ہیں، ان کا علاج؟ میں نے کہا: تمہاری بلا سے جو جیسا کرے گا، ویسا پاوے گا۔ بولی کہ مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ہے اور وہ بت پرست ہے، کل کو خدانخواستہ بیاہ ہو اور وہ کافر مجھ سے ملے اور اس کا نطفہ میرے پیٹ میں ٹھہر جاوے تو بڑی قباحت ہے۔ اس کی فکر ابھی سے کیا چاہیے کہ اس بلا سے نجات پاؤں۔ میں نے کہا: تم بات تو معقول کہتی ہو، جو مزاج میں آوے سو کرو۔ بولی کہ اب یہاں نہ رہوں گی، کہیں جاؤں گی۔ میں نے پوچھا: کس صورت سے بھاگنے پاؤ گی اور کہاں جاؤ گی؟ جواب دیا کہ پہلے تم میرے پاس سے جاؤ، مسلمانوں کے ساتھ سرا میں جا رہو، تو سب آدمی سنیں اور تم پر گمان نہ لے جاویں۔ تم وہاں کشتیوں کی تلاش میں رہو۔ جو جہاز عجم کی طرف چلے مجھے خبر کیجو۔ میں اس واسطے دائی کو تمہارے پاس اکثر بھیجا کروں گی۔ جب تم کہلا بھیجو گے میں نکل کر آؤں گی اور کشتی پر

سوار ہوکر چلی جاؤں گی۔ ان کم بخت بے دینوں کے ہاتھ سے مخلصی پاؤں گی۔ میں نے کہا: تمہاری جان و ایمان کے قربان ہوا، دائی کو کیا کروگی؟ بولی اس کی فکر سہل ہے، ایک پیالے میں زہر ہلاہل دوں گی۔ یہی صلاح مقرر ہوئی۔ جب دن ہوا میں کارواں سرا میں گیا۔ ایک حجرہ کرائے پر لیا اور جا رہا۔ اس جدائی میں فقط وصل کی توقع پر جیتا تھا۔ جب دو مہینے میں سوداگر روم و شام، اصفہان کے جمع ہوئے، ارادہ کوچ کا تری کی راہ سے کیا، اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے۔ ایک جگہ رہنے سے اکثر آشنا صورت ہوگئے تھے، مجھ کہنے لگے! کیوں صاحب! تم بھی چلو نہ یہاں کفرستان میں کب تلک رہوگے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن کو جاؤں؟ یہی ایک لونڈی، ایک کتا ایک صندوق بساط میں رکھتا ہوں۔ اگر تھوڑی سی جگہ بیٹھ رہنے کو دو اور اس کا نول مقرر کرو، تو میری خاطر جمع ہو، میں بھی سوار ہوں۔

سوداگروں نے ایک کوٹھری میرے تحت میں کردی، میں نے اس کے نول کا روپیہ بھردیا۔ دل جمعی کرکر، [illegible] انے سے دائی کے گھر گیا اور کہا: اے انا! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں، اب وطن کا جاتا ہوں، اگر بری توجہ سے ایک نظر ملکہ کو دیکھ لوں تو بڑی بات ہے۔ بارے دائی نے قبول کیا۔ میں نے کہا: [illegible] رات کو آؤں گا۔ فلانے مکان پر کھڑا رہوں گا۔ بولی: اچھا۔ میں کہہ کر سرا میں آیا۔ صندوق اور بچھونے اٹھا کر جہاز میں لایا اور ناخدا کو سونپ کر کہا۔ کل فجر کو اپنی کنیز کو لے کر آؤں گا۔ ناخدا بولا: جلد آئیو، صبح ہم لنگر اٹھاویں گے۔ میں نے کہا: بہت خوب۔ جب رات ہوئی اسی مکان پر جہاں دائی سے وعدہ کیا تھا، جا کر کھڑا رہا، پہر رات گئے محل کا دروازہ کھلا اور ملکہ میلے کچیلے کپڑے پہنے ایک پٹی جواہر کی لیے باہر نکلی۔ وہ پٹاری میرے حوالے کی اور ساتھ چلی۔ صبح ہوتے کنارے دریا کے ہم پہنچے۔ ایک لنبوٹ پر سوار ہوکر جہاز میں جا اترے، یہ وفادار کتا بھی ساتھ تھا۔ جب صبح خوب روشن ہوئی، لنگر اٹھایا اور روانہ ہوئے۔ بہ خاطر جمع چلے جاتے تھے۔ ایک بندر سے آواز توپوں کی شلک کی آئی۔ سب حیران اور فکر مند ہوئے۔ جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا کہ شاہ بندر کچھ دغا کرے گا، توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟

اتفاقاً سب سوداگروں کے پاس خوب صورت لونڈیاں تھیں۔ شاہ بندر کے خوف سے کہ مبادا چھین لے۔ سب نے کنیزوں کو صندوقوں میں بند کیا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو صندوق میں بٹھا کر قفل کر دیا۔ اس عرصے میں شاہِ بندر ایک غراب پر بمع نوکر چاکر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ آتے آتے جہاز پر آ چڑھا۔ شاید اس کے آنے کا یہ سبب تھا کہ پادشاہ کو دائی کے مرنے کی اور ملکہ کے غائب ہونے کی جب خبر معلوم ہوئی۔ مارے غیرت کے اس کا تو نام نہ لیا مگر شاہِ بندر کو حکم کیا کہ میں نے سنا ہے عجمی سوداگروں کے پاس لونڈیاں خوب خوب ہیں۔ سو میں شہزادی کے واسطے لیا چاہتا ہوں۔ تم ان کو روک کر، جتنی لونڈیاں جہاز میں ہوں، حضور میں حاضر کرو گے۔ انہیں دیکھ کر، جو پسند آویں گی، ان کی قیمت دی جائے گی۔ نہیں تو واپس ہوں گی۔

بہ موجب حکم پادشاہ کے یہ شاہ بندر اس لیے آپ جہاز پر آیا اور میرے نزدیک ایک اور شخص تھا۔ اُس کے پاس بھی ایک باندی قبول صورت صندوق میں بند تھی۔ شاہ بندر اسی صندوق پر آ کر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ بھلا پادشاہ زادی کا مذکور نہیں۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں شاہ بندر کے آدمیوں نے ناؤ پر چڑھائیں اور وہ شاہ بندر جس صندوق پر بیٹھا تھا، اس کے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا کہ تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی؟ اس احمق نے کہا: آپ کے قدموں کی سوگند میں نے ہی یہ کام نہیں کیا، سبھوں نے تمہارے ڈر سے لونڈیاں صندوقوں میں چھپائی ہیں۔ شاہ بندر نے یہ بات سُن کر سب صندوقوں کا جھاڑا لینا شروع کیا۔ میرا بھی صندوق کھولا اور ملکہ کو نکال کر سب کے ساتھ لے گیا۔ عجب طرح کی مایوسی ہوئی کہ یہ ایسی حرکت پیش آئی کہ تیری جان تو مفت گئی اور ملکہ سے دیکھیے کیا سلوک کرے۔

اُس کی فکر میں اپنی بھی جان کو ڈر بھول گیا۔ سارے دن رات خدا سے دعا مانگتا رہا۔ جب بڑی فجر ہوئی، سب لونڈیوں کو کشتی پر سوار کر کے لائے۔ سوداگر خوش ہوئے، اپنی اپنی کنیزیں لیں۔ سب آئیاں مگر ایک ملکہ ان میں نہ تھی میں نے پوچھا کہ میری لونڈی نہیں آئی۔ اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم واقف نہیں شاید پادشاہ نے پسند کی

ہوگی۔ سب سوداگر مجھے تسلی اور دلاسا دینے لگا کہ خیر جو ہوا سو ہوا تو کُڑھ مت، اس کی قیمت ہم سب بہری کر کر تجھے دیں گے۔ میرے حواس باختہ ہوگئے۔ میں نے کہا کہ اب میں عجم نہیں جانے کا۔ کشتی والوں سے کہا: یارو! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، کنارے پر اتار دیجو۔ وے راضی ہوئے۔ میں جہاز سے اُتر کر، غُراب میں آ بیٹھا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔

جب بندر میں پہنچا ایک صندوقچہ جواہر کا جو ملکہ اپنے ساتھ لائی تھی، اسے تو رکھ لیا اور سب اسباب شاہ بندر کے نوکروں کو دیا اور میں جاسوسی میں ہر کہیں پھرنے لگا کہ شاید خبر ملکہ کی پاؤں، لیکن ہرگز سراغ نہ ملا اور نہ اس بات کا پتا پایا۔ ایک رات کو کسی مکر سے پادشاہ کے بھی محل میں گیا اور ڈھونڈھا کچھ خبر نہ ملی۔ قریب ایک مہینے کے شہر کے کوچے اور محلّے چھان مارے اور اس غم سے اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا اور سودائی سا پھرنے لگا۔ آخر اپنے دل میں خیال کیا کہ غالب ہے شاہ بندر کے گھر میں میری بادشاہ زادی ہووے تو ہووے نہیں تو اور کہیں نہیں۔ شاہ بندر کی حویلی کے گرد پیش دیکھتا پھرتا تھا کہ کہیں سے بھی جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں۔

ایک بدررو نظر پڑی کہ موافق آدمی کی آمد و رفت کے ہے، مگر جالی آہنی اس کے دہانے پر جڑی ہے۔ یہ قصد کیا کہ اس بدررو کی راہ سے چلوں۔ کپڑے بدن سے اتارے اور اس نجس کیچڑ میں اترا ہزار محنت سے اس جالی کو توڑا اور سنڈاس کی راہ سے چور محل میں گیا۔ عورتوں کا سا لباس بنا کر ہر طرف دیکھنے بھالنے لگا۔ ایک مکان سے آواز میرے کان میں پڑی جیسے کوئی مناجات کر رہا ہے۔ آگے جا کر دیکھوں تو ملکہ ہے کہ عجب حالت سے روتی ہے اور نک گھسنی کر رہی ہے اور خدا سے دعا مانگتی ہے کہ صدقے اپنے رسول کے اور اس کی آل پاک کے مجھے اس کفرستان سے نجات دے اور جس شخص نے مجھے اسلام کی راہ بتائی ہے، اس سے ایک بار خیریت سے ملا۔ میں دیکھتے ہی دوڑ کر پاؤں پر گر پڑا۔ ملکہ نے مجھے گلے لگالیا۔ ہم نے دونوں پر ایک دم بے ہوشی کا عالم ہوگیا۔ جب حواس بجا ہوئے، میں نے کیفیت ملکہ سے پوچھی بولی: جب شاہ بندر سب لونڈیوں کو

کنارے پر لے گیا، میں خدا سے، یہی دعا مانگتی تھی کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو اور میں پہچانی نہ جاؤں اور تیری جان آفت نہ آوے۔ وہ ایسا ستار ہے کہ ہرگز کسو نے نہ دریافت کیا کہ یہ ملکہ ہے۔ شاہ بندر ہر ایک کو بہ نظر خریداری دیکھتا تھا۔ جب میری باری ہوئی مجھے پسند کرکر، اپنے گھر میں چپکے بھیج دیا۔ اوروں کو بادشاہ کے حضور گزرانا۔

میرے باپ نے جب ان میں مجھے نہ دیکھا، سب کو رخصت کیا۔ یہ سب پر پیچ میرے واسطے کیا تھا۔ اب یوں مشہور کیا ہے کہ بادشاہ زادی بہت بیمار ہے۔ اگر میں ظاہر نہ ہوئی تو کوئی دن میں میرے مرنے کی خبر سارے ملک میں اڑے گی۔ تو بدنامی بادشاہ کی نہ ہووے۔ لیکن اب میں اس عذاب میں ہوں کہ شاہ بندر مجھ سے اور ارادہ دل مین رکھتا ہے اور ہمیشہ ساتھ سونے کو بلاتا ہے۔ میں راضی نہیں ہوتی۔ از بس کہ چاہتا ہے اب تک میری رضا مندی منظور ہے۔ لہٰذا چپ ہو رہتا ہے۔ پر حیران ہوں اُس طرح کہاں تک نبھے گی۔ سو مین نے بھی جی میں یہ ٹھہرایا ہے کہ جب مجھ سے کچھ اور قصد کرے گا تو میں اپنی جان دوں گی اور مر رہوں گی۔ لیکن تیرے ملنے سے ایک اور تدبیر دل میں سوجھی ہے، خدا چاہے تو سوائے اس فکر کے دوسری کوئی طرح مخلصی کی نظر نہیں آتی۔

میں نے کہا: فرماؤ تو وہ کون سی تدبیر ہے؟ کہنے لگی: اگر تو سعی اور محنت کرے تو ہو سکے۔ میں نے کہا: میں فرماں بردار ہوں اگر حکم کرو تو جلتی آگ میں کود پڑوں اور سیڑھی پاؤں تو تمہاری خاطر آسمان پر چلا جاؤں۔ جو کچھ فرماؤ سو بجا لاؤں۔ ملکہ نے کہا: تو بڑے بت کے بت خانے میں جا اور جس جگہ جوتیاں اتارتے ہیں۔ وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ہے۔ اس ملک کی رسم ہے کہ جو کوئی مفلس اور محتاج ہو جاتا ہے اس جگہ وہ ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھتا ہے، یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں۔ موافق اپنے اپنے مقدور کے اُسے دیتے ہیں۔

جب دو چار دن میں مال جمع ہوتا ہے۔ پنڈے ایک خلعت بڑے بت کی سرکار سے دے کر اسے رخصت کرتے ہیں وہ تونگر ہو کر چلا جاتا ہے۔ کوئی نہیں معلوم کرتا کہ یہ کون تھا۔ تو بھی جا کر اس پلاس کے نیچے بیٹھ اور ہاتھ منہ اپنا خوب طرح چھپا لے اور کسو

سے نہ بول۔ بعد تین دن کے، باہمن اور بت پرست ہر چند تجھے خلعت دے کر رخصت کریں تو وہاں سے ہرگز نہ اٹھ۔ جب نہایت منت کریں، تب تو بولیو کہ مجھے روپیہ پیسہ کچھ درکار نہیں میں مال کا بھوکا نہیں میں مظلوم ہوں، فریاد کو آیا ہوں۔ اگر برہمنوں کی ماتا میری داد دے تو بہتر۔ نہیں بڑا بت میرا انصاف کرے گا اور اس ظالم سے یہی بڑا بت میری فریاد کو پہنچے گا۔ جب تک وہ ماباہمنوں کی آپ تیرے پاس نہ آوے، بہتیرا کوئی مناوے تو راضی نہ ہوجیو۔ آخر لاچار ہو کر وہ خود تیرے نزدیک آوے گی۔ وہ بہت بوڑھی ہے، دو سو چالیس برس کی عمر ہے اور چھتیس بیٹے اس کے جنے ہوئے بت خانے کے سردار ہیں اور اس کا بڑے بت کے پاس بڑا درجہ ہے۔ اس سبب اس کا اتنا بڑا حکم ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے اس ملک کے ہیں، اس کے کہنے کو اپنی سعادت جانتے ہیں۔ جو وہ فرماتی ہے۔ بہ سروچشم مانتے ہیں۔ اس کا دامن پکڑ کر کہیو: اے مائی! اگر مجھ مظلوم مسافر کا انصاف ظالم سے نہ کرے گی، تو میں بڑے بت کی خدمت میں ٹکریں ماروں گا، آخر وہ رحم کھا کر تجھ سے میری سفارش کرے گا۔

جب وہ تیرا احوال پوچھے تو کہیو کہ میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ بڑے بت کی زیارت کی خاطر اور تمہاری عدالت سن کر کالے کوسوں سے یہاں آیا ہوں۔ کئی دنوں آرام سے رہا۔ میری بی بی بھی میرے ساتھ آئی تھی۔ وہ جوان ہے اور صورت شکل بھی اچھی ہے اور آنکھ ناک سے درست ہے۔ معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اُسے کیوں کر دیکھا، بہ زور مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال دیا۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جو نامحرم عورت کو ان کی دیکھے یا چھین لے، تو واجب ہے کہ اسکو جس طرح ہو مارڈالیں اور اپنی جورو کو لے لیں اور نہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں کیوں کہ جب تلک وہ جیتا رہے، وہ عورت خاوند پر حرام ہے۔ اب یہاں لاچار ہو کر آیا ہوں دیکھیے تم کیا انصاف کرتی ہو۔ جب ملکہ نے مجھے یہ سب سکھا پڑھا دیا، میں رخصت ہو، اسی تابدان کی راہ سے نکلا اور وہ جالی آہنی پھر لگا دی۔

صبح ہوتے بت خانے میں گیا اور وہ سیاہ پلاس اوڑھ کر بیٹھا۔ تین روز میں اتنا روپیہ اور اشرفی اور کپڑا میرے نزدیک جمع ہوا کہ انبار لگ گیا۔ چوتھے دن پنڈے بھجن کرتے

اور گاتے بجاتے خلعت لیے میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے۔ میں راضی نہ ہوا
اور دہائی بڑے بت کی دی کہ میں گدائی کرنے نہیں آیا، بلکہ انصاف کے لیے بڑے بت
اور برہمنوں کی ماتا کے پاس آیا ہوں۔ جب تلک اپنی داد نہ پاؤں گا یہاں سے نہ جاؤں
گا۔ وے سن کر اس پیرزال کے رو بہ رو گئے اور میرا احوال بیان کیا۔ بعد اس کے ایک
چوبے آیا اور میرے تئیں کہنے لگا کہ چل ماتا بلاتی ہے میں وونہیں ٹاٹ کالا سر سے پاؤں تک
اوڑھے ہوئے دہرے میں گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک جڑاؤ سنگھاسن پر جس میں لعل، الماس اور
موتی مونگا لگا ہوا ہے، بڑا بت بیٹھا ہے اور ایک کرسی زریں پر فرش معقول بچھا ہے، اس پر
ایک بڑھیا سیاہ پوش مسند پر تکیے لگائے، اور دو لڑکے دس بارہ برس کے ایک داہنے ایک
بائیں، شان و شوکت اور تجمل سے بیٹھی ہے۔ مجھے آگے بلایا، میں ادب سے آگے گیا اور
تخت کے پائے کو بوسہ دیا۔ پھر اس کا دامن پکڑلیا۔ اس نے میرا احوال پوچھا۔ میں نے اسی
طرح جس طور سے ملکہ نے تعلیم کردیا تھا، ظاہر کیا۔

سُن کر بولی کہ مسلمان اپنی استریوں کو اوجھل میں رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں
تمہارے بچوں کی خیر ہو، یہ ہماری رسم قدیم ہے۔ بولی کہ تیرا اچھا مذہب ہے۔ میں ابھی حکم
کرتی ہوں کہ شاہ بندر بہ مع تیری جورو آن کر حاضر ہوتا ہے اور اس گیدی کو ایسی سیاست
کروں کہ بار دیگر ایسی حرکت نہ کرے اور سب کے کان کھڑے ہوں اور ڈریں۔ اپنے
لوگوں سے پوچھنے لگی کہ شاہ بندر کون ہے؟ اس کی یہ مجال ہوئی کہ بگانی تریا کو بہ زور چھین
لیتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ فلانا شخص ہے۔ یہ سن کر ان دونوں لڑکوں کو جو پاس بیٹھے تھے
فرمایا کہ جلدی اس مانس کو ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ماتا فرماتی ہے کہ حکم
بڑے بت کا یہ ہے کہ شاہ بندر آدمیوں پر زور زیادتی کرتا ہے۔ چنانچہ اس غریب کی عورت
کو چھین لیا ہے۔ اس کی تقصیر بڑی ثابت ہوئی۔ جلد اس گمراہ کے مال کا تالیقہ کرکر، اس
ترک کے کہ ہمارا منظور نظر ہے حوالے کر۔ نہیں تو آج رات کو توستیاناس ہوگا اور ہمارے
غضب میں پڑے گا۔ وے دونوں طفل اٹھ کر منڈل سے باہر آئے اور سوار ہوئے، سب
پنڈے سنکھ بجاتے اور آرتی گاتے جلو میں ہولیے۔ غرض وہاں کے بڑے چھوٹے، جہاں

ان لڑکوں کا پانو پڑتا تھا، وہاں کی مٹی تبرک جان کر اٹھالیتے اور آنکھوں سے لگاتے۔ اسی
طرح پادشاہ کے قلعے تک گئے۔ پادشاہ کو خبر ہوئی، ننگے پاؤں استقبال کی خاطر نکل آیا اور
ان کو بڑے مان مہت سے لے جاکر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا: آج کیوں کر
تشریف فرمانا ہوا؟ ان دونوں برہمن بچوں نے، ماں کی طرف سے جو کچھ سن آئے تھے کہا اور
بڑے بت کی خفگی سے ڈرایا۔

پادشاہ نے سنتے ہی فرمایا: بہت خوب اور اپنے نوکروں کو حکم کیا کہ مُتّصل جاویں
اور شاہ بندر کو بہ مع اس عورت کے جلد حضور میں حاضر کریں۔ تو میں تقصیر اس کی تجویز کر کے
سزا دوں، یہ سن کر میں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی۔ اگر شاہ بندر کے
ساتھ ملکہ کو بھی لاویں تو پردہ فاش ہوگا اور میرا کیا احوال ہوگا؟ دل میں نہایت خوف زدہ
ہوکر خدا کی طرف رجوع کی۔ لیکن میرے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اور بدن کانپنے
لگا۔ لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ کر شاید دریافت کیا کہ یہ حکم اس کی مرضی کے موافق نہ ہوا۔
وونہیں خفا و برہم ہوکر اٹھے اور پادشاہ کو جھڑک کر بولے: اے مردک! تو دیوانہ ہوا ہے جو
فرماں برداری سے بڑے بت کی نکلا، اور ہمارے بچن کو جھوٹھ سمجھا، جو دونوں کو بلوا کر تحقیق
کیا چاہتا ہے؟ اب خبردار! تو غضب میں بڑے بت کے پڑا، ہم نے تجھے حکم پہنچادیا، اب
تو جان اور بڑا بت جانے۔

اس کہنے سے بادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا اور سر سے
پاؤں تلک رعشہ ہوگیا۔ منت کرکے منانے لگا۔ یہ دونوں ہرگز نہ بیٹھے لیکن کھڑے رہے۔ اس
میں جتنے امیر امرا وہاں حاضر تھے ایک منہ ہوکر بدگوئی شاہ بندر کی کرنے لگے کہ وہ ایسا ہی
حرام زادہ، بدکار اور پاپی ہے۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ حضور میں پادشاہ کے کیا کیا
عرض کریں؟ جو کچھ برہمنوں کی ماتا نے کہلا بھیجا ہے درست ہے، اس واسطے کہ حکم بڑے
بت کا ہے، یہ دروغ کیوں کر ہوگا؟ پادشاہ نے جب سب کی زبانی ایک ہی بات سنی اپنے
کہنے سے بہت خجل اور نادم ہوا۔ جلد ایک خلعت پاکیزہ مجھے دی۔ اور حکم نامہ اپنے ہاتھ
سے لکھ اس پر دستی مہر کرکر میرے حوالے کیا۔ اور ایک رقعہ مادر برہمناں کو لکھا اور جواب

اشرفیوں کے خوان لڑکوں کے رو بہ رو پیش کش رکھ کر رخصت کیا۔ میں خوشی بہ خوشی بت خانے میں آیا اور اس بڑھیا کے پاس گیا۔

پادشاہ کا خط جو آیا تھا۔ اس کا یہ مضمون تھا: القاب کے بعد، بندگی عجز و نیاز لکھ کر لکھا تھا کہ موافق حکم حضور کے اس مرد مسلمان کو خدمت شاہ بندر کی مقرر ہوئی اور خلعت دی گئی اب یہ اس کے قتل کرنے کا مختار ہے اور سارا مال و اموال اس کا اس ترک کا ہوا۔ جو چاہے سو کرے امید وار ہوں کہ میری تقصیر معاف ہو۔ برہمنوں کی ماں نے خوش ہو کر فرمایا کہ نوبت خانے میں بت خانے کی نوبت بجے اور پانچ سو سپاہی برقنداز جو بال باندھی کوڑی ماریں مسلح میرے ہم راہ کو دیئے اور حکم کیا کہ بندر میں جا کر شاہ بندر کو دست گیر کر کے، اس مسلمان کے حوالے کریں۔ جس طرح کے عذاب سے اس کا جی چاہے اسے مارے اور خبردار! سوائے اس عزیز کے کوئی محل سرا میں داخل نہ ہووے اور اس کے مال و خزانے کو امانت اس کے سپرد کریں۔ جب یہ بہ خوشی رخصت کرے رسید اور صافی نامہ اس سے لے کر پھر آویں۔ اور ایک سرے پاو بت بزرگ کی سرکار سے میرے تئیں دے کر سوار کروا کر وداع کیا۔

جب میں بندر میں پہنچا، ایک آدمی نے بڑھ کر شاہ بندر کو خبر کی۔ وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا پہنچا۔ غصہ تو دل میں بھر ہی رہا تھا، دیکھتے ہی شاہ بندر کو تلوار کھینچ کو ایسی گردن میں لگائی کہ اس کا سر الگ بھٹا سا اڑ گیا۔ اور وہاں کے گماشتے، خزانچی، مشرف، داروغوں کو پکڑوا کر سب دفتر ضبط کیے اور میں محل میں داخل ہوا۔ ملکہ سے ملاقات کی، آپس میں گلے لگ کر روئے اور شکر خدا کا کیا۔ میں نے اُس کے اُس نے میرے آنسو پونچھے، پھر باہر مسند پر بیٹھ کر اہل کاروں کو خلعتیں دیں۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر سب کو بحال کیا۔ نوکر اور غلاموں کو سرفرازی دی۔ وہ لوگ جو منڈپ سے میرے ساتھ متعین ہوئے تھے، ہر ایک کو انعام و بخشش دے کر۔ اور ان کے جمعدار، رسالے دار کو جوڑے پہنا کر رخصت کیا۔ اور جواہر بیش قیمت اور تھان نور بافی اور شال بافی اور زردوزی اور جنس و تحفے ہر ایک ملک کے اور نقد بہت سا پادشاہ کی نذر کی خاطر اور موافق ہر ایک امراؤں کے درجہ بہ درجہ اور پنڈیاین کے لیے اور سب پنڈوں کے تقسیم کرنے کی خاطر اپنے ساتھ لے کر۔ بعد ایک

ہفتے کے میں بت کدے میں آیا اور اس ماتا کے آگے بہ طریق بھینٹ کے رکھا۔

اس نے ایک اور خلعت سرفرازی کی مجھے بخشی اور خطاب دیا۔ پھر پادشاہ کے دربار میں پیش کش گزرانی اور جو جو ظلم و فساد شاہ بندر نے ایجاد کیا تھا۔ اس کے موقوف کرنے کی خاطر عرض کی۔ اس سبب سے بادشاہ اور امیر، سوداگر سب مجھ سے راضی ہوئے۔ بہت نوازش مجھ پر فرمائی اور خلعت اور گھوڑا دے کر، منصب جاگیر عنایت کی اور آبرو حرمت بخشی۔ جب پادشاہ کے حضور سے باہر، شاگرد پیشوں کو اور اہل کاروں کو اتنا کچھ دے کر راضی کیا کہ سب میرا کلمہ پڑھنے لگے۔ غرض میں بہت مَرفہُ الحال ہو گیا اور نہایت چین و آرام سے اس ملک میں ملکہ سے عقد باندھ کر رہنے لگا اور خدا کی بندگی کرنے لگا۔ میرے انصاف کے باعث رعیت پرجا سب خوش تھے۔ مہینے میں ایک بار بت خانے میں اور پادشاہ کے حضور آتا جاتا۔ پادشاہ روز بہ روز سرفرازی فرماتا۔

آخر مصاحبت میں مجھے داخل کیا۔ میری بے صلاح کوئی کام نہ کرتا۔ نہایت بے فکری سے زندگی گزرنے لگی۔ مگر خدا ہی جانتا ہے اکثر ان دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وے کہاں ہوں گے! بعد مدت دو برس کے ایک قافلہ سوداگروں کا ملک زیرباد سے اس بندر میں آیا۔ وے سب قصد عجم کا رکھتے تھے۔ انہوں نے یہ چاہا کہ دریا کی راہ سے اپنے ملک کو جاویں۔ وہاں کا یہ قاعدہ تھا کہ جو کاروان آتا، اس کا سردار سوغات و تحفہ ہر ایک ملک کا میرے پاس لاتا اور نذر گزرانتا۔ دوسرے روز میں اس کے مکان پر جاتا۔ وہ یکی بہ طریق محصول کے اس کے مال سے لیتا اور پروانگی کوچ کی دیتا۔ اسی طرح وہ سوداگر زیرباد کے بھی میری ملاقات کو آئے اور بے بہا پیش کش لائے۔ دوسرے دن میں اُن کے خیمے میں گیا۔ دیکھا تو دو آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے گٹھری بقچے سر پر اٹھا کر میرے رو بہ رو لاتے ہیں۔ بعد ملاحظہ کرنے کے پھر اٹھا لے جاتے ہیں اور بڑی محنت اور خدمت کر رہے ہیں۔

میں نے خوب بجھا کر جو دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں۔ اس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاہا کہ ان کو اس طرح خدمت گاری میں دیکھوں جب اپنے گھر چلا، آدمیوں کو کہا کہ ان دونوں شخصوں کو لیے آؤ۔ جب ان کو لائے، پھر لباس و پوشاک بنوادی

اور اپنے پاس رکھا۔ ان بدذاتوں نے پھر میرے مارنے کا منصوبہ کرکر، ایک روز آدھی رات میں سب کو غافل پاکر چوٹوں کی طرح میرے سرہانے آپہنچے۔ میں نے اپنی جان کے ڈر سے چوکی داروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کتا وفادار میری چارپائی کی پٹی تلے سوتا تھا۔ جوں انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں، پہلے کتے نے بھونک کر ان پر حملہ کیا۔ اس کی آواز سے جاگ پڑے۔ میں بھی بل بلا کر چونکا۔ آدمیوں نے ان کو پکڑا۔ معلوم ہوا کہ آپ ہی ہیں سب لعنتیاں دینے لگے کہ باوجود اس خاطرداری کے یہ کیا حرکت ان سے ظہور میں آئی۔

پادشاہ سلامت! تب تو میں بھی ڈرا۔ مثل مشہور ہے: ایک خطا، دو خطا، تیسری خطا، مادر بہ خطا۔ دل میں یہی صلاح ٹھہری کہ اب ان کو مقید کروں۔ لیکن اگر بندی خانے میں رکھوں تو ان کا کون خبرگیراں رہے گا؟ بھوکھ پیاس سے مرجائیں گے یا کوئی اور سوانگ لائیں گے۔ اس واسطے قفس میں رکھا ہے کہ ہمیشہ میری نظروں کے تلے رہیں تو میری خاطر جمع رہے۔ مبادا آنکھوں سے اوجھل ہوکر کچھ اور مکر کریں اور اس کتے کی عزت اور حرمت اس کی نمک حلالی اور وفاداری کے سبب ہے۔ سبحان اللہ! آدمی بے وفا بدتر حیوان باوفا سے ہے۔ میری یہ سرگذشت تھی جو حضور میں عرض کی، اب خواہ قتل فرمائیے یا جان بخشی کیجیے، حکم بادشاہ کا ہے۔

میں نے سن کر اس جوان باایمان پر آفریں کی اور کہا کہ تیری مروت میں کچھ خلل اور ان کی بے حیائی اور حرمزدگی میں ہرگز قصور نہیں۔ سچ ہے: کتے کی دُم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے۔ اس کے بعد میں نے حقیقت ان بارہوں لعل کی کہ اس کتے کے پٹے میں تھے، پوچھی۔ خواجہ بولا کہ پادشاہ کی صد و بست سال کی عمر ہو۔ اسی بندر میں جہاں میں حاکم تھا۔ بعد تین چار سال کے ایک روز بالا خانے پر محل کے کہ بلند تھا واسطے سیر اور تماشے دریا وصحرا کے میں بیٹھا تھا اور ہر طرف دیکھتا تھا۔ ناگاہ ایک طرف جنگل میں کہ وہاں شاہراہ نہ تھی، دو آدمی کی تصویر سی نظر آئی کہ چلے جاتے ہیں۔ دوربیں لے کر دیکھا تو عجب ہیئت کے انسان دکھائی دیے، چوب داروں کو ان کے بلانے کے واسطے دوڑایا۔

جب وے آئے، معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک مرد ہے۔ رنڈی کو محل سرا میں ملکہ کے پاس بھیج دیا اور مرد کو روبہ رو بلایا۔ دیکھا تو ایک جوان برس بیس بائیس کا، داڑھی مونچھ آغاز ہے۔ لیکن دھوپ کی گرمی سے اس کے چہرے کا رنگ کالے توے کا سا ہو رہا ہے۔ اور سر کے بال اور ہاتھوں کے ناخن بڑھ کر بن مانس کی صورت بن رہا ہے۔ اور ایک لڑکا برس تین چار ایک کا کاندھے پر۔ اور دو آستینیں کرتے کی بھری ہوئیں ہیکل کی طرح گلے میں ڈالے۔ عجب صورت اور عجب وضع اس کی دیکھی۔ میں نے نہایت حیران ہوکر پوچھا؛ اے عزیز! تو کون ہے اور کس ملک کا باشندہ ہے اور یہ کیا تیری حالت ہے؟ وہ جوان بے اختیار رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے زمین پر رکھی اور بولا الجوع ،، الجوع! واسطے خدا کے کچھ کھانے کو دو۔ مدت سے گھاس اور بناس پتیاں کھاتا چلا آتا ہوں، ایک ذرا قوت مجھ میں باقی نہیں رہی۔ وونہیں نان و کباب اور شراب میں نے منگوادی۔ وہ کھانے لگا۔

اتنے میں خواجہ سرا محل سے کئی تھیلیاں اور اس کے قبیلے کے پاس سے لے آیا۔ میں نے ان سب کو کھلوایا۔ ہر ایک قسم کے جواہر دیکھے کہ ایک ایک دانہ ان کا خراج سلطنت کا کہا چاہیے۔ ایک سے ایک ان مول ڈول میں اور تول میں اور آب داری میں۔ اور ان کی چھوٹ پڑنے سے سارا مکان بوقلموں ہوگیا۔ جب اس نے ٹکڑا کھایا اور ایک جام دارو کا پیا اور دل لیا۔ حواس بجا ہوئے۔ تب میں نے پوچھا، یہ پتھر تجھے کہاں ہاتھ لگے؟ جواب دیا کہ میرا وطن ولایت آذربائیجان ہے۔ لڑکپن میں گھربار ماں باپ سے جدا ہوکر بہت سختیاں کھینچیں اور ایک مدت تلک میں زندہ درگور تھا۔ اور کئی بار ملک الموت کے پنجے سے بچا ہوں۔ میں نے کہا: اے مرد آدمی! مفصل کہہ تو معلوم ہو۔ تب وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا کہ میرا باپ سوداگر پیشہ تھا۔ ہمیشہ سفر ہندوستان و روم و چین و خطا و فرنگ کا کرتا۔ جب میں دس برس کا ہوا، باپ ہندوستان کو چلا۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کو چاہا۔ ہرچند والدہ نے اور خالا، موانی، پھوپھی نے کہا کہ ابھی یہ لڑکا ہے۔ لائق سفر کے نہیں ہوا۔ والد نے نہ

مانا اور کہا کہ میں بوڑھا ہوا، اگر یہ میرے روبہ رو تربیت نہ ہوگا تو یہ حسرت گور میں لے جاؤں گا۔ مرد بچہ ہے، اب نہ سیکھے گا تو کب سیکھے گا؟

یہ کہہ کر مجھے خواہ مخواہ ساتھ لیا اور روانہ ہوا۔ خیر وعافیت سے راہ کٹی۔ جب ہندوستان میں پہنچے، کچھ جنس وہاں بیچی اور وہاں کی سوغات لے کر زیر بار کے ملک کو گئے۔ یہ بھی سفر بہ خوبی ہوا۔ وہاں سے بھی خرید وفروخت کر کے جہاز پر سوار ہوئے کہ جلدی وطن میں پہنچیں۔ بعد ایک مہینے کے ایک روز آندھی اور طوفان آیا اور مینہ موسلا دھار برسنے لگا۔ سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہوگیا۔ اور پتوار جہان کی ٹوٹ گئی۔ معلم، ناخدا سر پیٹنے لگے۔ دس دن تلک ہوا اور موج جیدھر چاہتی تھی لیے جاتی تھی۔ گیارہویں روز ایک پہاڑ سے ٹکر کھاکے جہاز پرزے پرزے ہوگیا نہ معلوم ہوا کہ باپ اور نوکر چاکر اور اسباب کہاں گیا؟

میں نے اپنے تئیں ایک تختے پر دیکھا سہ شبانہ روز وہ بیڑا بے اختیار چلا گیا، چوتھے دن کنارے پر جا لگا۔ مجھ میں فقط جان باقی تھی، اس پر سے اتر کر گھٹنیوں چل کر بارے کسو نہ کسو طرح زمین پر پہنچا۔ دور سے کھیت نظر آئے۔ اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے، لیکن سب سیاہ فام اور ننگے مادرزاد۔ مجھ سے کچھ بولے، لیکن میں نے ان کی زبان مطلق نہ سمجھی وہ کھیت چنوں کا تھا۔ وہ آدمی آگ کا الاؤ جلا کر بونٹوں کے ہولے کرتے تھے اور کھاتے تھے۔ اور کئی ایک گھر بھی وہاں نظر آئے۔ شاید ان کی خوراک یہی تھی اور وہیں بستے تھے۔ مجھے بھی اشارت کرنے لگے کہ تو بھی کھا۔ میں نے بھی ایک مٹھی اکھاڑ کر بھونے اور پھانکنے لگا۔ تھوڑا سا پانی پی کر ایک گوشے میں سو رہا۔

بعد دیر کے جب جاگا، ان میں ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا۔ میں نے تھوڑے سے چنے اکھیڑ لیے اور اس راہ پر چلا۔ ایک کفِ دست میدان تھا۔ گویا صحرائے قیامت کا نمونہ کہا چاہیے۔ یہی بونٹ کھاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ بعد چار دن کے ایک قلعہ نظر آیا۔ جب پاس گیا تو ایک کوٹ دیکھا بہت بلند تمام پتھر کا۔ اور ہر ایک النگ اس کی دو دو کوس کی۔ اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہوا۔ ایک قفل بڑا سا جڑا تھا لیکن وہاں انسان

کا نشان نظر نہ پڑا۔ وہاں سے آگے چلا۔ ایک ٹیلا دیکھا کہ اس کی خاک سُرمے کے رنگ سیاہ تھی۔ جب اس تَل کے پار ہوا تو ایک شہر نظر پڑا۔ بہت بڑا گرد شہر پناہ اور جا بہ جا بُرج۔ ایک طرف شہر کے دریا تھا بڑے پاٹ کا۔ جاتے جاتے دروازے پر گیا اور بسم اللہ کہہ کر قدم اندر رکھا۔ ایک شخص کو دیکھا پوشاک اہل فرنگ کی پہنے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہے۔ جوں ان نے مجھے اجنبی مسافر دیکھا اور میرے منہ سے بسم اللہ سنی پکارا کہ آگے آؤ۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا۔ تُرت میز پر پاؤ روٹی اور مِسکہ اور مرغ کا کباب اور شراب رکھ کر کہا: پیٹ بھر کر کھاؤ۔ میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا اور بے خبر ہو کر سویا۔ جب رات ہوگئی تب آنکھ کھلی۔ ہاتھ منہ دھویا۔ پھر مجھے کھانا کھلایا اور کہا: اے بیٹا! اپنا احوال کہہ۔ جو کچھ مجھ پر گذرا تھا، سب کہہ سنایا۔ تب بولا کہ یہاں تو کیوں آیا؟ میں نے دِق ہو کر کہا: شاید تو دیوانہ ہے! میں نے بعد مدت کی محنت کے اب بستی کی صورت دیکھی ہے۔ خدا نے یہاں تلک پہنچایا اور تو کہتا ہے کیوں آیا؟ کہنے لگا اب تو آرام کر کل جو کہنا ہوگا کہوں گا۔

جب صبح ہوئی، بولا: کوٹھری میں پھاوڑا اور چھلنی اور توبڑا ہے، باہر لے آ۔ میں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر کیا محنت مجھ سے کروائے گا۔ لاچار وہ سب نکال کر اس کے رو بہ رو لایا۔ تب اس نے فرمایا کہ اُس ٹیلے پر جا اور ایک گز کے موافق گڑھا کھود۔ وہاں سے جو کچھ نکلے اس چھلنی میں چھان۔ جو نہ چھن سکے، اس توبڑے میں بھر کر میرے پاس لا۔ میں وہ سب چیزیں لے کر وہاں گیا اور وُتنا ہی کھود کر، چھان چھون کر توبڑے میں ڈالا۔ دیکھا تو سب جواہر رنگ بہ رنگ کے تھے۔ ان کی جُوت سے آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اسی طرح تھیلے کو مونہاں منہ بھر کر اس عزیز کے پاس لے گیا۔ دیکھ کر بولا کہ جو اس میں بھرا ہے، تو لے اور یہاں سے جا کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ صاحب نے اپنی جانب میں بڑی مہربانگی کی کہ اتنا کچھ کنکر پتھر دیا۔ لیکن میرے کس کام کا؟ جب بھوکا ہوں گا تو نہ ان کو بچا سکوں گا، نہ پیٹ بھرے گا، پس اگر اور بھی دو تو میرے کس

کام آئیں گے؟ وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ مجھ کو تجھ پر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہماری مانند ملکِ عجم کا موطن، ہے اس لیے میں منع کرتا ہوں۔نہیں تو جان ۔اگر خواہ نخواہ تیرا یہی قصد ہے کہ شہر میں جاؤں تو میری انگوٹھی لیتا جا۔ جب بازار کے چوک میں جاوے تو ایک شخص سفید ریش وہاں بیٹھا ہوگا۔اوراس کی صورت شکل مجھ سے بہت مشابہ ہے، میرا بڑا بھائی ہے۔ اس کو یہ چھاپ دیجو تو وہ تیری خبر گیری کرے گا۔ اور جو کچھ وہ کہے اسی موافق کام کیجو۔نہیں تو مفت مارا جائے گا۔اور میرا حکم یہیں تلک ہے،شہر میں میرا دخل نہیں۔ میں نے وہ خاتم اس سے لی اور سلام کرکر رخصت ہوا۔ شہر میں گیا۔ بہت خاصا شہر دیکھا۔کوچہ و بازار صاف اور زن و مرد بے حجاب آپس میں خرید وفروخت کرتے۔ سب خوش لباس میں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا جب چوک کے چوراہے میں پہنچا،ایسا ازدحام تھا کہ تھالی پھینکیے تو آدمیوں کے سر پر چلی جائے۔خلقت کا یہ ٹھٹ کا بندھ رہا تھا کہ آدمی کو راہ چلنا مشکل تھا۔ جب کچھ بھیڑ چھٹی، میں بھی دھکم دھکا کرتا ہوا آگے گیا۔بارے اس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ہے اور ایک جڑاؤ چماق روبہ رو دھرا ہے۔میں نے جاکر سلام کیا اور وہ مہر دی۔نظر غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا کیوں تو یہاں آیا اور اپنے تئیں بلا میں ڈالا؟ مگر میرے بے وقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا؟

میں نے کہا: انہوں نے کہا تو کہا۔لیکن میں نے نہ مانا۔اور تمام کیفیت اپنی ابتدا سے انتہا کہہ سنائی۔وہ شخص اٹھا اور مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چلا۔ اس کا مکان پادشاہوں کا سا دیکھنے میں آیا اور بہت سے نوکر چاکر اس کے تھے، جب خلوت میں جاکر بیٹھا۔ بہ ملائمت بولا کہ اے فرزند! یہ کیا تو نے حماقت کی کہ اپنے پاؤں سے گور میں آیا؟ کوئی بھی اس کم بخت طلسماتی شہر میں آتا ہے؟میں نے کہا: میں اپنا احوال پیشتر کہہ چکا ہوں،اب تو قسمت لے آئی ۔ لیکن شفقت فرما کر یہاں کی راہ و رسم سے مطلع کیجئے۔تو معلوم کروں کہ اس واسطے تم نے اور تمہارے بھائی نے مجھے منع کیا۔ تب وہ جوان مرد بولا کہ پادشاہ اور تمام رئیس اس شہر کے راندے ہوئے ہیں۔عجب طرح کا ان کا رویہ اور

مذہب ہے۔ یہاں بت خانے میں ایک بت ہے کہ شیطان اس کے پیٹ میں سے نام اور ذات اور دین ہرکسو کا بیان کرتا ہے۔پس جو کوئی غریب مسافر آتا ہے پادشاہ کو خبر ہوتی ہے، اسے منڈپ میں لے جاتا ہے اور بُت کو سجدہ کرواتا ہے ۔ اگر ڈنڈوت کی تو بہتر نہیں تو بے چارے کو دریا میں ڈبوادیتا ہے۔ اگر وہ چاہے کہ دریا سے نکل کر بھاگے تو آلت اور خصیے اس کے لمبے ہوجاتے ہیں ایسے کہ زمین میں گھسٹتے ہیں۔ایسا کچھ طلسم اس شہر میں بنایا ہے ۔مجھ کو تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں کہ بھلا کوئی دن تو تو جیتا رہے اور اس عذاب سے بچے۔

میں نے پوچھا: وہ کیا صورت تجویز کی ہے؟ ارشاد ہو ۔کہنے لگا: تجھے کتخدا کروں اور وزیر اپنی بیٹی مجھ سے مفلس کو کب دے گا؟ مگر جب ان کا دین قبول کروں؟ سو یہ مجھ سے نہ ہوسکے گا۔ کہنے لگا اس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اس بت کو سجدہ کرے اگر فقیر ہو اور پادشاہ کی بیٹی کو مانگے تو اس کی خوشی کی خاطر حوالے کریں اور اسے رنجیدہ نہ کریں۔ اور میرا بھی پادشاہ کے نزدیک اعتبار ہے اور عزیز رکھتا ہے لہٰذا سب ارکان اور اکابر یہاں کے میری قدر کرتے ہیں۔اور درمیان ایک ہفتے کے دو دن بت کدے میں زیارت کو جاتے ہیں اور عبادت بجالاتے ہیں۔ چنانچہ کل سب جمع ہوویں گے۔ میں تجھے لے جاؤں گا۔

یہ کہہ کر کھلا پلا کر سُلا رکھا۔ جب صبح ہوئی مجھے ساتھ لے کر بُت خانے کی طرف چلا۔ وہاں جاکر جو دیکھا تو آدمی آتے جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں۔پادشاہ اور امیر بُت کے سامنے پنڈوں کے پاس سر ننگے کیے ادب سے دو زانو بیٹھے تھے۔اور ناکتخدا لڑکیاں اور لڑکے خوب صورت جیسے حور و غلمان چاروں طرف صف باندھے کھڑے تھے ۔تب وہ عزیز مجھ سے مخاطب ہوا کہ اب میں جو کہوں سو کر۔میں نے قبول کیا کہ جو فرماؤ،سو بجالاؤں۔ بولا کہ پہلے بادشاہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دے۔ بعد اس کے وزیر کا دامن پکڑ ۔میں نے ویسا ہی کیا۔پادشاہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے؟ اس مرد نے کہا یہ جوان میرے رشتے میں ہے،پادشاہ کی قدم بوسی کی آرزو میں دور سے آیا ہے اس توقع پر کہ وزیر اس کو

اپنی غلامی میں سربلند کرے۔ اگر حکم بُت کلاں کا اور مرضی حضور کی ہووے۔ پادشاہ نے پوچھا کہ ہمارا مذہب اور دین و آئین قبول کرے گا تو مبارک ہے۔ وونہیں بُت خانے کا نقارخانہ بجنے لگا۔ اور بھاری خلعت مجھے پہنائی ۔اور ایک رسی سیاہ میرے گلے میں ڈال کر کھینچے ہوئے بُت کے سنگھاسن کے آگے لے جا کر سجدہ کروا کر کھڑا کیا۔

بُت سے آواز نکلی کہ اے خواجہ زادے! خوب ہوا کہ تو ہماری بندگی میں آیا، اب ہماری رحمت اور عنایت کا امیدوار رہ۔ یہ سن کر سب خلقت نے سجدہ کیا اور زمین میں لوٹنے لگے اور پکارے۔ دھن ہے، کیوں نہ ہو تم ایسے ہی ٹھاکر ہو، جب شام ہوئی پادشاہ اور وزیر سوار ہو کر وزیر کے محل میں داخل ہوئے۔ اور وزیر کی بیٹی کو اپنے طور کی ریت رسم کر کے میرے حوالے کیا۔ اور بہت سا دان دہیز دیا۔ اور بہت منت دار ہوئے کہ بہ موجب حکم بڑے بُت کے اسے تمہاری خدمت میں دیا ہے۔ ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا اس نازنین کو جو میں نے دیکھا تو فی الواقع اس کا عالم پری کا سا تھا۔ نکھ سکھ سے درست۔ جو جو خوبیاں پدمنی کی سنی جاتی ہیں، سو سب اس میں موجود تھیں۔ بہ فراغت تمام میں نے صحبت کی اور حظ اُٹھایا۔ صبح کو غسل کر کے، پادشاہ کے حجرے میں حاضر ہوا۔ پادشاہ نے خلعت دامادی کی عنایت کی۔ اور حکم فرمایا کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہا کرے۔ آخر کو بعد چند روز کے پادشاہ کی مصاحبت میں داخل ہوا۔

پادشاہ میری صحبت سے نہایت محظوظ ہوتے اور اکثر خلعت اور انعام عنایت کرتے، اگرچہ دنیا کے مال سے میں غنی تھا، اس واسطے کہ میرے قبیلے کے پاس اتنا نقد وجنس اور جواہر تھا کہ جس کی حدّ و نہایت نہ تھی۔ دو سال تک بہت عیش و آرام سے گزری۔ اتفاقاً وزیر زادی کو پیٹ رہا۔ جب ستوانسا ہوا اور ان گنا مہینہ گزر کر پورے دن ہوئے پیریں لگیں دائی جنائی آئی تو موا لڑکا پیٹ میں سے نکلا۔ اس کا بس بچّے کو چڑھا۔ وہ بھی مرگئی۔ میں مارے غم کے دیوانہ ہو گیا کہ یہ کیا آفت ٹوٹی! اس کے سرہانے بیٹھا روتا تھا۔ ایک بارگی رونے کی آواز سارے محل میں بلند ہوئی اور چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں۔ جو

آتی تھی ایک دوہتڑ میرے سر پر مارتی اور اپنی کُس اور کُون کو ننگا کر کے میرے منہ کے مقابل کھڑی رہتی اور رونا شروع کرتی۔ اتنی رنڈیاں اکٹھی ہوئیں کہ میں ان کے جوتڑوں میں چھپ گیا۔ نزدیک تھا کہ جان نکل جاوے۔

اتنے میں کسو نے پیچھے سے گریبان میرا کھینچ کر گھسیٹا۔ دیکھوں تو وہی مردِ عجمی ہے جس نے مجھے بیاہا تھا۔ کہنے لگا کہ احمق! تو کس لیے روتا ہے؟ میں نے کہا: اے ظالم! یہ تو نے کیا بات کہی؟ میری پادشاہت لُٹ گئی۔ آرام خانہ داری کا گیا گزرا تو کہتا ہے کیوں غم کرتا ہے؟ وہ عزیز تبسم کر کے بولا کہ اب اپنی موت کی خاطر رو۔ میں نے پہلے ہی تجھے کہا تھا کہ شاید اس شہر میں تیری اجل لے آئی ہے، سو ہی ہوا۔ اب سوائے مرنے کے تیری رہائی نہیں۔ آخر لوگ مجھے پکڑ کر بت خانے میں لے گئے۔ دیکھا تو پادشاہ اور امرا اور چھتیس فرقہ رعیت پرجا وہاں جمع ہیں۔ اور وزیر زادی کا مال اموال سب دھرا ہے جو چیز جس کا جی چاہتا ہے لیتا ہے اور اس کی قیمت کے روپے دھر دیتا ہے۔

غرض سب اسباب کے نقد روپے ہوئے۔ اُن رُوپوں کا جواہر خریدا گیا اور ایک صندوقچے میں بند کیا۔ اور ایک دوسرے صندوق میں نان، حلوا اور گوشت کے کباب اور میوہ خشک و تر اور کھانے کی چیزیں لے کر بھریں۔ اور لاش اُس بی بی کی ایک صندوق میں رکھ کر، صندوق آڑتے کا ایک اونٹ پر لدوا دیا۔ اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواہر کا میری بغل میں دیا اور سارے باہمن آگے آگے بھجن کرتے سنکھ بجاتے چلے۔ اور پیچھے ایک خلقت مبارک بادی کہتی ہوئی ساتھ ہولی۔ اس طور سے اسی دروازے سے کہ میں پہلے آیا تھا شہر کے باہر نکلا۔ جونہیں داروغہ کی نگاہ مجھ پر پڑی رونے لگا اور بولا کہ اے کم بخت اجل گرفتہ! میری بات نہ سنی اور اس شہر میں جا کر مفت اپنی جان دی۔ میری تقصیر نہیں، میں نے منع کیا تھا۔ ان نے یہ بات کہی، لیکن میں تو ہکا بکا ہو رہا تھا۔ نہ زبان یاری دیتی تھی کہ جواب دوں، نہ اوسان بجا تھے کہ دیکھیے انجام میرا کیا ہوتا ہے؟

آخر اسی قلعے کے پاس جس کا میں نے پہلے روز دروازہ دیکھا تھا، لے گئے اور

بہت سے آدمیوں نے مل کر قفل کو کھولا اور تابوت اور صندوق کو اندر لے چلے۔ ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا کہ مانس ایک دن جنم پاتا ہے اور ایک روز ناس ہوتا ہے۔ دنیا کا یہی آواگون ہے۔ اب یہ تیری استری اور پوت اور دھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ہے، اس کو لے اور یہاں رہ جب تلک بڑا بُت تجھ پر مہربان ہووے۔ میں نے غصے میں چاہا کہ اس بُت پر اور وہاں کے رہنے والوں پر اور ریت رسم پر لعنت کہوں اور اس باہمن کو دھول چھکڑ کروں۔ وہی مرد عجمی اپنی زبان میں مانع ہوا کہ خبردار! ہرگز دم مت مار۔ اگر کچھ بھی بولا تو اسی وقت تجھے جلا دیں گے۔ خیر جو تیری قسمت میں تھا سو ہوا۔ اب خدا کے کرم سے امیدوار رہ شاید اللہ تجھے یہاں سے جیتا نکالے۔

آخر سب مجھے تن تنہا چھوڑ کر اس حصار سے باہر نکلے اور دروازہ پھر مقفل کر دیا اس وقت میں اپنی تنہائی اور بے بسی پر رویا اور اس عورت کی لوتھ پر لاتیں مارنے لگا کہ اے مُردار! اگر تجھے جنتے ہی مرجانا تھا، بیاہ کاہے کو کیا تھا اور پیٹ سے کیوں ہوئی تھی؟ مار مور کر پھر چپکا بیٹھا۔ اس میں دن چڑھا اور دھوپ گرم ہوئی۔ سر کا بھیجا پکنے لگا اور تعفن کے مارے روح نکلنے لگی۔ جیدھر دیکھتا ہوں۔ مردوں کی ہڈیاں اور صندوق جواہر کے ڈھیر لگے ہیں۔ تب کئی صندوق پرانے لے کر نیچے اوپر رکھے کہ دن کو دھوپ سے اور رات کو اُوس سے بچاؤ ہو۔ آپ پانی کی تلاش کرنے لگا۔ ایک طرف جھرنا سا دیکھا کہ قلعے کی دیوار میں پتھر کا تراشا ہوا گھڑے کے منہ کے موافق ہے۔ بارے کئی دن اس پانی اور کھانے سے زندگی ہوئی۔

آخر آزقہ تمام ہوا۔ میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ دروازہ کوٹ کا کھلا اور ایک مُردے کو لائے۔ اس کے ساتھ ایک پیر مرد آیا۔ جب اسے بھی چھوڑ کر گئے، یہ دل میں آیا کہ اس بوڑھے کو مار کر اس کے کھانے کا صندوق سب کا سب لے لے۔ ایک صندوق کا پایا ہاتھ میں لے کر اس کے پاس گیا۔ وہ بیچارہ سر زانو پر دھرے حیران بیٹھا تھا۔ میں نے پیچھے سے آکر اس کے سر میں ایسا مارا کہ سر پھٹ کر مغز کا

گودا نکل پڑا اور فی الفور جان بحق تسلیم ہوا۔ اس کا آزقہ لے کر میں کھانے لگا۔ مدت تلک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مردے کے ساتھ آتا، اسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لے کر بہ فراغت کھاتا۔

بعد اتنی مدت کے ایک مرتبہ ایک لڑکی تابوت کے ہم راہ آئی، نہایت قبول صورت، میرے دل نے نہ چاہا کہ اسے بھی ماروں ان نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بے ہوش ہوگئی۔ میں اس کا بھی آزقہ اٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔ لیکن اکیلا نہ کھاتا، جب بھوک لگتی کھانا اس کے نزدیک لیجاتا اور ساتھ مل کر کھاتا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا، دن بہ دن اس کی وحشت کم ہوئی اور رام ہوتی چلی۔ میرے مکان میں آنے جانے لگی۔ ایک روز اس کا احوال پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ کے وکیل مطلق کی بیٹی ہوں۔ اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی۔ شب عروسی کے دن اسے قولنج ہوا۔ ایسا درد سے تڑپنے لگا کہ ایک آن کی آن میں مرگیا۔ مجھے اس کے تابوت کے ساتھ لاکر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ تب اس نے میرا احوال پوچھا میں نے بھی تمام وکمال بیان کیا اور کہا: خدا نے تجھے میری خاطر یہاں بھیجا ہے۔ وہ مسکرا کر چپکی ہو رہی۔

اسی طرح کئی دن میں آپس میں محبت زیادہ ہوگئی۔ میں نے اسے ارکان مسلمانی کے سکھا کر کلمہ پڑھایا۔ اور مُتعہ کر کر صُحبت کی۔ وہ بھی حاملہ ہوئی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قریب تین برس کے اسی صورت سے گزری۔ جب لڑکے کا دودھ بڑھایا ایک روز بی بی سے کہا کہ یہاں کب تلک رہیں گے اور کس طرح یہاں سے نکلیں گے؟ وہ بولی: خدا نکالے تو نکلیں، نہیں تو ایک روز یونہیں مرجائیں گے۔ مجھے اس کے کہنے پر اور اپنے رہنے پر کمال رقت آئی اور روتے روتے سو گیا۔ ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے: پرنالے کی راہ سے نکلنا ہے تو نکل۔ میں مارے خوشی کے چونک پڑا اور جورو کو کہا کہ لوہے کی میخیں اور سیخیں جو پرانے صندوقوں میں ہیں جمع کر کے لے آؤ تو اس کو کشادہ کروں۔ غرض میں اس موری کے منہ پر میخ رکھ کر پتھروں سے ایسا ٹھونکتا کہ تھک جاتا۔ ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ

اتنا بڑا ہوا کہ آدمی نکل سکے۔

بعد اس کے مُردوں کی آستینوں میں اچھے اچھے جواہر چُن کر بھرے۔اور ساتھ لے کر ایسی راہ سے ہم تینوں باہر نکلے۔خدا کا شکر کیا اور بیٹے کو کاندھے پر بٹھالیا۔ ایک مہینا ہوا ہے کہ سر راہ چھوڑ کر مارے ڈر کے جنگل پہاڑوں کی راہ سے چلا آتا ہوں۔جب گرسنگی ہوتی ہے گھاس پات کھاتا ہوں قوت بات کہنے کی مجھ میں نہیں۔ یہ میری حقیقت ہے جو تم نے سنی۔بادشاہ سلامت! میں نے اس کی حالت پر ترس کھایا اور حمام کروا کر اچھا لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا۔اور میرے گھر میں ملکہ سے کئی لڑکے پیدا ہوئے، لیکن خورد سالی میں مر مر گئے۔ایک بیٹا پانچ برس کا ہو کر موا، اس کے غم میں ملکہ نے بھی وفات ہوئی مجھے کمال غم ہوا اور وہ ملک بغیر اس کے کاٹنے لگا۔ دل اداس ہوگیا۔ ارادہ عجم کا کیا۔ بادشاہ سے عرض کرکر۔خدمت شاہ بندری کی اس جوان کو دلوادی۔ اس عرصے میں بادشاہ بھی مرگیا۔ میں اس وفادار کتے کو اور سب مال خزانہ جواہر ساتھ لے کر نیشاپور میں آرہا۔اس واسطے کہ میرے بھائیوں کے احوال سے کوئی واقف نہ ہووے۔ میں خواجۂ سگ پرست مشہور ہوا۔اور اس بدنامی میں دگنا محصول آج تک پادشاہ ایران کی سرکار میں بھرتا ہوں۔

اتفاقاً یہ سوداگر بچہ وہاں گیا، اس کے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا۔ میں نے پوچھا کیا یہ تمہارا فرزند نہیں؟ خواجہ نے جواب دیا: قبلۂ عالم! یہ میرا بیٹا نہیں۔آپ ہی کی رعیت ہے۔لیکن اب میرا مالک اور وارث جو کچھ کہیے سو یہی ہے۔ یہ سن کر سوداگر بچے سے میں نے پوچھا کہ تو کس تاجر کا لڑکا ہے اور تیرے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟ اس لڑکے نے زمین چومی اور جان کی امان مانگی اور بولا کہ یہ لونڈی سرکار کے وزیر کی بیٹی ہے۔ میرا باپ حضور کے عتاب میں بہ سبب اسی خواجہ کے لعلوں کے پڑا۔اور حکم یوں ہوا کہ اگر ایک سال تک اس کی بات کرسی نشین نہ ہوگی۔تو جان سے مارا جاوے گا۔ میں نے سن کر یہ بھیس بنایا اور اپنے تئیں نیشاپور پہنچایا۔ خدا نے خواجہ کو بہ مع کتے اور لعلوں کے حضور میں حاضر کردیا۔آپ نے تمام احوال سُن لیا۔ امید وار ہوں کہ میرے بوڑھے باپ کی مخلصی ہو۔

یہ بیان وزیر زادی سے سن کر خواجہ نے ایک آہ کی اور بے اختیار گر پڑا۔جب گلاب اس پر چھڑکا گیا۔تب ہوش میں آیا اور بولا کہ ہائے کم بختی! اتنی دور سے یہ رنج و محنت کھینچ کر میں اس توقع پر آیا تھا کہ اس سوداگر بچے کو متبنیٰ کرکر اپنا فرزند کروں گا۔ اور اپنے مال متاع کا اس کو ہبہ نامہ لکھ دوں گا۔تو میرا نام رہے گا اور سارا عالم اسے خواجہ زادہ کہے گا۔جو میرا خیال خام ہوا۔ اور بالعکس کام ہوا۔ ان نے عورت ہوکر مجھ مرد پیر کو خراب کیا۔ میں رنڈی کے چرتر میں پڑا۔اب میری وہ کہاوت ہوئی ۔ گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے۔مونڈ منڈا فضیحت بھئے۔

القصہ مجھے اس کی بے قراری اور نالہ و زاری پر رحم آیا۔خواجہ کو نزدیک بلایا اور کان میں مژدہ اس کے وصل کا سنایا کہ غمگین مت ہو۔ اسی سے تیری شادی کردیں گے۔ خدا چاہے تو اولاد تیری ہوگی اور یہی تیری مالک ہوگی۔اس خوش خبری کے سننے سے فی الجملہ اس کو تسلی ہوئی۔تب میں نے کہا کہ وزیر زادی کو محل میں لے آؤ۔ اور وزیر کو بندی خانے سے لے آؤ۔اور حمام میں نہلاؤ اور خلعت سرفرازی کی پہناؤ اور جلدی میرے پاس لاؤ۔ جس وقت وزیر آیا۔لبِ فرش تک اس کا استقبال فرمایا۔ اور اپنا بزرگ جان کر گلے لگایا اور نئے سر سے قلمدان وزارت کا عنایت فرمایا۔ اور خواجہ کو بھی جاگیر و منصب دیا۔ اور ساعتِ سعید دیکھ کر وزیر زادی سے نکاح پڑھوا کر منسوب کیا۔کئی سال میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اس کے گھر میں پیدا ہوئے۔چنانچہ بڑا بیٹا ملکُ التجّار ہے اور چھوٹا ہماری سرکار کا مختار ہے۔ اے درویشو! میں نے اس لیے یہ نقل تمہارے سامنے کہ کل کی رات دو فقیروں کی سرگذشت میں نے سنی تھی۔اب تم دونوں بھی جو باقی رہے ہو۔ یہ سمجھو کہ ہم اسی مکان میں بیٹھے ہیں اور مجھے اپنا خادم اور اس گھر کو اپنا تکیہ جانو۔ بے وسواس اپنی اپنی سیر کا احوال کہو، اور چندے میرے پاس رہو۔ جب فقیروں نے پادشاہ کی طرف سے بہت خاطر داری دیکھی، کہنے لگے: خیر، جب تم نے گداؤں سے اُلفت کی تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں۔ سنیے:

☆☆☆

سیر تیسرے درویش کی

تیسرا درویش گوٹ باندھ بیٹھا اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا۔

احوال اس فقیر کا اے دوستاں سنو!
یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سنو!
جو کچھ کہ شاہ عشق نے مجھ سے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اس کا بیاں سنو!

کہ یہ کم ترین پادشاہ زادہ عجم کا ہے میرے ولی نعمت وہاں کے پادشاہ تھے۔ اور سوائے میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے۔ میں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ، گنجیفہ، شطرنج، تختہ نرد کھیلا کرتا۔ یا سوار ہو کر سیر و شکار میں مشغول رہتا۔ ایک دن کا یہ ماجرا ہے کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لے کر میدان کی طرف نکلا۔ باز، بہری، جُرہ، باشا، سُرخاب اور تیتروں پر اُڑاتا ہوا دور نکل گیا۔ عجب طرح کا ایک قطعہ بہار کا نظر آیا کہ جیدھر نگاہ جاتی تھی، کوسوں تلک سبز اور پھولوں سے لال زمین نظر آتی تھی۔ یہ سما دیکھ کر گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں۔ اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ ناگاہ اس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن اس پر زربفت کی جھول اور بھنور کلی مرصع کی اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے، خاطر جمع سے اس میدان میں کہ جہاں انسان کا دخل نہیں اور پرندہ پر نہیں مارتا، چرتا پھرتا ہے۔ ہمارے گھوڑوں کے سُم کی آہٹ

پا کر چوکنا ہوا اور سر اٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا۔

مجھے اس کے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ تم یہیں کھڑے رہو، میں اُسے جیتا پکڑوں گا۔ خبردار، تم قدم آگے نہ بڑھائیو اور میرے پیچھے نہ آئیو اور گھوڑا میری رانوں تلے ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر، اُن کی کر چھالوں کو بھلا کر، ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لیے تھے۔ اس کے عقب دوڑایا، وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہَوا ہوا۔ گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا لیکن اس کی گرد کو نہ پہنچا۔ وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا اور میری بھی جیب مارے پیاس کے چٹخنے لگی پر کچھ بس نہ چلا۔ شام ہونے لگی اور میں کیا جانوں کہاں سے کہاں نکل آیا؟ لاچار ہو کر اُسے بھلاوا دیا۔ اور ترکش میں سے تیر نکال کر اور قربان سے کمان سنبھال کر، چلّے میں جوڑ کر کشش کان تلک لا کر ران کو اس کی تاک اللہ اکبر کہہ کر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اس کے پاؤں میں ترازو ہوا، تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور پا پیادہ اس کے پیچھے لگا۔ اس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ کئی اتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا۔ جب پاس پہنچا ایک باغچہ اور ایک چشمہ دیکھا۔ وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا۔ میں نہایت تھکا تھا، ہاتھ پاؤں دھونے لگا۔

ایک بارگی آواز رونے کی اس بُرج کے اندر سے میرے کان میں آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے بچّے! جس نے تجھے تیر مارا، میری آہ کا تیر اس کے کلیجے میں لگیو۔ وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے اور خدا اس کو میرا سا دکھیا بنا دے! میں یہ سن کر وہاں گیا۔ دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے اور ہرن آگے لیٹا ہے اس کی جانگ سے تیر کھینچتا ہے اور بددعا دیتا ہے۔ میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا حضرت سلامت! یہ تقصیر نادانستہ اس غلام سے ہوئی، میں یہ نہ جانتا تھا خدا کے واسطے معاف کرو۔ بولا کہ بے زبان کو تو نے ستایا ہے۔ اگر ان جان یہ حرکت تجھ سے ہوئی، اللہ معاف کرے گا۔ میں پاس جا بیٹھا اور تیر نکالنے میں شریک ہوا۔ بڑی دقّت سے تیر کو نکالا اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا۔ پھر ہاتھ دھو کر اس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اس وقت موجود تھی مجھے

کھلائی۔ میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لمبی تانی۔

ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا۔ اس نیند میں آواز نوحہ و زاری کی کان میں آئی۔ آنکھیں مَل کر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے۔ نہ کوئی اور ہے۔ اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے۔ چاروں طرف بھیانک ہوکر دیکھنے لگا۔ ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا، وہاں جاکر اسے اٹھایا، دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اس پر ایک پری زاد عورت برس چودہ ایک کی، مہتاب کی سی صورت اور زلفیں دونوں طرف چھوٹیں ہوئیں، ہنستا چہرہ فرنگی لباس پہنے ہوئے عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے۔ اور وہ بزرگ اپنا سر اس کے پاؤں پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے، اور ہوش حواس کھو رہا ہے میں اس پیر مرد کا یہ احوال اور اس نازنین کا حسن و جمال دیکھ کر مُرجھا گیا اور مردے کی طرح بے جان ہوکر گر پڑا۔ وہ مردِ بزرگ یہ میرا حال دیکھ کر شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا۔ جب میں جیتا اٹھ کر، اس معشوق کے مقابل جاکر سلام کیا اس نے ہرگز نہ ہاتھ اٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا۔ میں نے کہا: اے گل بدن! اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا، کس مذہب میں درست ہے؟

کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ منہ نہ کھولے

واسطے اس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے۔ کچھ تو مُنہ سے بول، ہم بھی اتفاقاً یہاں آنکلے ہیں۔ مہمان کی خاطر ضرور ہے۔ میں نے بہتیری باتیں بنائیں، لیکن کچھ کام نہ آئیں۔ وہ چپکی بت کی طرح بیٹھی سنا کی۔ تب میں نے بھی آگے بڑھ کر، ہاتھ پاؤں پر چلایا۔ جب پاؤں کو چھیڑا تو سخت معلوم ہوا۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے اور آزر نے اس بت کو بنایا ہے۔ تب اس پیر مردِ بت پرست سے پوچھا کہ میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپرا مارا، تو نے اس عشق کے ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا۔ تیری دعا قبول ہوئی۔ اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے اور تو نے بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے؟ تجھ پر جو کچھ بیتا ہے، مجھ سے کہہ۔

جب اس کا بہت پیچھا لیا، تب اس نے جواب دیا کہ اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سن کر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: لو اب بہت مکر چلتر کیا۔ مطلب کی بات کہو، نہیں تو مار ڈالوں گا۔ مجھے نہایت درپے دیکھ کر بولا: اے جوان! حق تعالیٰ ہر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے۔ دیکھ تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہیں! عشق ہی کے مارے عورت خاوند کے ساتھ ستی ہوتی ہے اور اپنی جان کھوتی ہے اور فرہاد و مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ہے تو اس کے سننے سے کیا پھل پاوے گا؟ ناحق گھر بار دولت دنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جاوے گا میں نے جواب دیا۔ بس اپنی دوستی تہ کر رکھو، اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو۔ اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو۔ لاچار ہوکر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا کہ مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے کہ بندے کا نام نعمان سیاح ہے۔ میں بڑا سوداگر تھا۔ اس سن میں تجارت کے سبب ہفت اقلیم کی سیر کی اور سب بادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی۔

ایک بار یہ خیال جی میں آیا کہ چاروں دانگ ملک تو پھرا لیکن جزیرۂ فرنگ کی طرف نہ گیا اور وہاں کے پادشاہ کو اور رعیت و سپاہ کو نہ دیکھا اور رسم و راہ وہاں کی کچھ نہ دریافت ہوئی۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیے۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لے کر، ارادہ مصمم کیا اور تحفہ ہدایا جہاں تہاں کا، جو وہاں کے لائق تھا لیا اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر، جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوا، ہَوا جو موافق پائی کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ہوا۔ شہر میں ڈیرا کیا۔ عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا۔ ہر ایک بازار و کوچے میں پختہ سڑکیں بنی ہوئی اور چھڑکاؤ کیا ہوا، صفائی ایسی کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا، کوڑے کا تو کیا ذکر ہے اور عمارتیں رنگ بہ رنگ کی اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بہ قدم روشنی اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے، کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہوں گے جو وہاں کی تعریف کروں، سو بجا ہے۔

غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا۔ ایک خواجہ سرا معتبر سوار ہوکر کئی خدمت گار ساتھ لے کر قافلے میں آیا اور بیوپاریوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون سا ہے؟ سبھوں نے میری طرف اشارت کی۔ وہ محلی میرے مکان میں آیا، میں تعظیم بجالایا۔ باہم سلام علیک

ہوئی۔ اس کو سوزنی پر بٹھایا، تکیے کی تواضع کی۔ بعد اس کے میں نے پوچھا کہ صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے۔ جواب دیا کہ شاہزادی نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں اور بہت جنس لائے ہیں لہٰذا مجھ کو حکم کیا کہ جاکر ان کو حضور میں لے آؤ۔ پس تم جو کچھ اسباب لائق پادشاہوں کی سرکار کے ہو، ساتھ لے کر چلو اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو۔

میں نے جواب دیا کہ آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں، کل جان و مال سے حاضر ہوں۔ جو کچھ اس عاجز کے پاس موجود ہے۔ نذر گزرانوں گا۔ جو پسند آوے، مال سرکار کا ہے۔ یہ وعدے کرکر اور عطر پان دے کر خواجہ کو رخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بلاکر جو جو تحفہ جس کے پاس تھا، لے لے کر جمع کیا اور جو میرے گھر میں تھا وہ بھی لیا اور صبح کے وقت دروازے پر پادشاہی محل کے حاضر ہوا۔ باری داروں نے میری خبر عرض کی۔ حکم ہوا کہ حضور میں لاؤ، وہی خواجہ سرا نکلا اور میرا ہاتھ ہاتھ میں لے کر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ہوا لے چلا۔ پہلے خواص پُرے سے ہوکر، ایک مکان عالی شان میں لے گیا۔ اے عزیز! تو باور نہ کرے گا! یہ عالم نظر آیا گویا پَر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی۔ پاؤں زمین سے اکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ہوا رو بہ رو پہنچا۔ جونہیں پادشاہ زادی پر نظر پڑی غش کی نوبت ہوئی اور ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہوگیا۔

بہ ہر صورت سلام کیا۔ دونوں طرف دستِ راست اور دستِ چپ صف بہ صف نازنینانِ پری چہرہ دست بستہ کھڑیں تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواہر اور پارچۂ پشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جب کئی کشتیاں حضور میں چنیں گئیں، از بس کہ سب جنس لائق پسند کے تھی، خوش ہوکر خانساماں کے حوالے ہوئی اور فرمایا کہ قیمت اس کی بہ موجب فرد کے کل دی جائے گی۔ میں تسلیمات بجالایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہوگا۔ جب رخصت ہوکر باہر آیا تو سودائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے کچھ نکلتا تھا۔ اسی طرح سرا میں آیا، لیکن حواس بجا نہ تھے سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا حالت

ہے؟ میں نے کہا اتنی آمد و رفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ہے۔

غرض وہ رات تلپھتے کاٹی۔ فجر کو پھر جاکر حاضر ہوا اور اسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہنچا۔ وہی عالم جو کل دیکھا تھا، دیکھا پادشاہ زادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا۔ جب پر چھا ہوا، خلوت میں اٹھ گئیں اور مجھے طلب کیا۔ جب میں وہاں گیا، بیٹھنے کا حکم کیا۔ میں آداب بجا لاکر بیٹھا فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا اس میں منافع کتنا منظور ہے؟ میں نے عرض کی کہ آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی سو خدا نے میسر کی۔ اب میں نے سب کچھ بھر پایا اور دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور قیمت جو کچھ فہرست میں ہے، نصف کی خرید ہے اور نصفِ نفع ہے۔ فرمایا نہیں، جو قیمت تو نے لکھی ہے وہ عنایت ہوگی بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا۔ بہ شرطیکہ ایک کام تجھ سے ہوسکے تو حکم کروں۔

میں نے کہا کہ غلام کا جان و مال اگر سرکار کے کام آوے تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں اور آنکھوں سے کروں یہ سن کر قلم دان یاد فرمایا۔ ایک شُقّہ لکھا اور موتیوں کی ڈلمیان میں رکھ کر ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے انگلی سے اتار دی اور کہا کہ اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے، دل کشا اس کا نام ہے وہاں تو جاکر ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے، اس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجو اور ہماری طرف سے دعا کہیو اور اس رقعے کا جواب مانگیو۔ لیکن جلد آئیو۔ اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دوں گی کہ تو دیکھے گا۔ میں رخصت ہوا اور پوچھتا پوچھتا چلا۔ قریب دو کوس کے جب گیا وہ باغ نظر پڑا۔ جب پاس پہنچا، ایک عزیز مسلح مجھ کو پکڑ کے دروازے میں باغ کے لے گیا۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی سی صورت، سونے کی کرسی پر زرہ داؤدی پہنے، چار آئینہ باندھے، فولادی خود سر پر دھرے نہایت شان و شوکت سے بیٹھا اور پانسے جوان تیار ڈھال تلوار ہاتھ میں لیے، اور ترکش کمان باندھے، مستعد پَرا باندھے کھڑے ہیں۔

میں نے سلام کیا مجھے نزدیک بلایا۔ میں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کرکر

وہ رومال دکھایا، اور شقّے کے بھی لانے کا احوال کہا۔ اسنے سنتے ہی انگلی دانتوں سے کاٹی اور سر دُھن کر بولا! کہ شاید تیری اجل تجھ کو لے آئی ہے۔ خیر باغ کے اندر جا، سرو کے درخت میں ایک آہنی پنجرہ لٹکتا ہے۔ اس میں ایک جوان قید ہے۔ اس کو یہ خط دے کر جواب لے کر جلدی پھر آ۔ میں شتاب باغ میں گھسا۔ باغ کیا تھا، گویا جیتے جی بہشت میں گیا۔ ایک ایک چمن رنگ بہ رنگ کا پھول رہا تھا اور فوارے چھوٹ رہے تھے جانور چہچہے مار رہے تھے۔ میں سیدھا چلا گیا اور اس درخت میں وہ قفس دیکھا۔ اس میں ایک جوان حسین نظر آیا۔ میں نے ادب سے سرنہوڑایا اور سلام کیا، اور وہ خریطہ سر بہ مہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا۔

ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ہوئی اور چاروں طرف سے مجھ پر آٹوٹی اور بے تحاشہ برچھی وتلوار مارنے لگی۔ ایک ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چور زخمی کر دیا۔ مجھے کچھ اپنی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ پھر جو ہوش آیا اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اٹھائے لیے جاتے ہیں اور آپس میں بتیاتے ہیں۔ ایک نے کہا: اس مُردے کی لُوتھ کو میدان میں پھینک دو، کتے کوے کھا جائیں گے۔ دوسرا بولا: اگر پادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے تو جیتا گڑوا دے اور بال بچوں کو کولہو میں پروادے۔ کیا ہمیں اپنی جان بھاری پڑی ہے جو ایسی نامعقول حرکت کریں۔

میں نے یہ گفتگو سن کر دونوں یاجوج ماجوج سے کہا کہ واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو۔ ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ہے۔ جب مرجاؤں گا، جو تمہارا جی چاہے گا سو کیجو۔ مردہ بہ دستِ زندہ۔ لیکن یہ تو کہو، مجھ پر یہ کیا حقیقت بیتی، مجھے کیوں مارا۔ اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ۔ تب انہوں نے رحم کھا کر کہا کہ وہ جوان جو قفس میں بند ہے، اس پادشاہ کا بھتیجا ہے۔ اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا۔ رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی کہ ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ہے لڑکا اور بے شعور ہے۔ کاربار پادشاہت کا خیر خواہی اور ہوشیاری سے تم کیا کیجو۔ جب یہ بالغ ہو، اپنی بیٹی سے شادی اس کی کر دیجو۔ اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کیجو۔

یہ کہہ کر انہوں نے وفات پائی اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی۔ اس نے وصیت پر عمل نہ کیا بلکہ دیوانہ اور سودائی مشہور کر کے پنجرے میں ڈال دیا۔ اور چوکی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے، لیکن زندگی زبردست ہے، اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلپھے ہے اور یہ قفس میں تڑپھے ہے۔ تیرے ہاتھ شوق کا نامہ اس نے بھیجا۔ یہ خبر ہرکاروں نے بہ جنس پادشاہ کو پہنچائی۔ حبشیوں کا دستہ متعین ہوا۔ تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اس بے گناہ کو پادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے مار ڈالے۔

میں نے کہا: چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہوکر وہ دونوں اور میں زخمی چپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو تخت پر پادشاہ بیٹھا ہے۔ اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر روبہ رو کھڑا کیا۔ ملکہ جلاّد بن کر، شمشیر برہنہ لیے ہوئے اپنے عاشق کے قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی۔ اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ ایسے مرنے پر میں راضی ہوں۔ یہاں بھی تیری آرزو ہے، وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔ ملکہ بولی کہ اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔ بادشاہ یہ حرکت دیکھ کر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ تو یہ تماشا مجھے دکھانے کو لایا تھا؟ محلی ملکہ کو جدا کر کے محل میں لے گئے۔ اور وزیر نے خفا ہوکر تلوار اٹھائی اور پادشاہ زادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام اس بچارے کا تمام کرے۔ جوں چاہتا ہے کہ تیغا چلادے، غیب سے ایک تیر ناگہانی اس کی پیشانی پر [illegible] دوسار ہوگیا اور وہ گر پڑا۔

پادشاہ یہ واردات دیکھ کر محل میں گھس گئے۔ جوان کو پنجرے [illegible] باغ میں لے گئے۔ میں بھی وہاں سے نکلا۔ راہ میں سے ایک آدمی مجھے [illegible] لے گیا۔ مجھے گھائل دیکھ کر ایک جراح کو بلوایا اور نہایت تقید سے فرمایا کہ اس جوان [illegible]

چنگا کر کے غسل شفا کا دے، یہی تیرا مجرا ہے۔ اس کے اوپر جتنی محنت تو کرے گا۔ ویسا ہی انعام اور سرفرازی پاوے گا۔ غرض وہ جراح بہ موجب ارشاد ملکہ کے تگ و دو کر کے ایک چلّے میں نہلا دھلا مجھے حضور میں لے گیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ اب تو کچھ کسر باقی نہیں رہی؟ میں نے کہا آپ کی توجہ سے اب ہٹا کٹا ہوں۔ تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت سے روپے جو فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی دو چند عطا کیے اور رخصت کیا۔

میں نے وہاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لے کر کوچ کیا۔ جب اس مقام پر پہنچا، سب کو کہا: تم اپنے وطن کو جاؤ۔ اور میں نے اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر اپنا رہنا مقرر کیا۔ اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ہر ایک کی قدر کے رُوپے دے کر آزاد کیا۔ اور یہ کہہ دیا کہ جب تلک میں جیتا رہوں، میرے قوت کی خبر گیری تمہیں ضرور ہے، آگے مختار ہو۔ اب وہی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ہیں۔ اور میں بہ خاطر جمع اس بُت کی پرستش کرتا ہوں، جب تلک جیتا ہوں، میرا یہی کام ہے۔ یہ میری سرگذشت ہے جو تو نے سنی۔ یا فقراللہ! میں نے بہ مجرد سننے اس قصے کے کفنی گلے میں ڈالی اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے ملک کے دیکھنے کے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصے میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا۔ مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا۔ گلی کوچے میں باولا سا پھرنے لگا۔ اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا۔ لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تلک رسائی ہو۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کر کر گیا۔ وہ مطلب ہاتھ نہ آیا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایک بارگی آدمی بھاگنے لگے اور دکان دار دکانیں بند کر کے چلے گئے۔ یا وہ رونق تھی یا سنسان ہو گیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا کلّہ جڑا، شیر کی مانند گونجتا، اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا زرہ بکتر گلے میں اور ٹوپ جھلم کا سر پر اور طمنچے کی جوڑی کمر میں، کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا۔ اور اس کے پیچھے دو غلام بنات کی پوشاک پہنے، ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہوا سر پر لیے چلے آتے ہیں۔

میں نے یہ تماشا دیکھ کر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا، مجھے منع کرتا۔ لیکن میں کب سنتا ہوں؟ رفتہ رفتہ وہ جواں مرد ایک عالی شان مکان میں چلا۔ میں بھی ساتھ ہوا۔ اس نے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے۔ میں نے اسے قسم دی کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں، میں نے اپنا خون معاف کیا۔ کسو طرح مجھے اس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت تنگ آیا ہوں۔ میں جان بوجھ کر تیرے سامنے آیا ہوں، دیر مت کر، مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھ کر خدا نے اس کے دل میں رحم ڈالا اور غصہ بھی ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟

میں نے کہا: ذرا بیٹھیے تو کہوں، میرا قصہ بہت دور دراز ہے۔ اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں۔ اس سبب سے لاچار ہوں۔ یہ سن کر اس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ منہ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا۔ مجھے بھی باعث ہوا۔ جب فراغت کر کے بیٹھا، بولا کہہ تجھ پر کیا گزری؟ میں نے سب واردات اس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنے وہاں جانے کی کہہ سنائی۔ پہلے سن کر رویا اور یہ کہا کہ اس کم بخت نے کس کس کا گھر گھالا۔ لیکن بھلا تیرا علاج میرے ہاتھ میں ہے۔ اغلب ہے کہ اس عاصی کے سبب سے تو اپنی مراد کو پہنچے۔ اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھ۔ حجام کو فرمایا کہ اس کی حجامت کر کے، حمام کروائے۔ ایک جوڑا کپڑا اس کے غلام نے لا کر پہنایا۔ تب مجھ سے کہنے لگا۔ کہ یہ تابوت جو تو نے دیکھا اسی شہزادۂ مرحوم کا ہے، جو قفص میں مقید تھا۔ اس کو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا۔ اس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ میں اس کا کوکا ہوں۔ میں نے بھی اس وزیر کو بہ ضرب شمشیر مارا اور پادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا۔ پادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے اسے نامرد جان کر چھوڑ دیا۔ جب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمعرات (جمیرات) کو میں اس تابوت کو اسی طرح شہر میں لیے پھرتا ہوں، اور اس کا ماتم کرتا ہوں۔

اس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ چاہے گا تو میرا مقصد

برآوے گا۔ خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان کیا۔ سچ ہے خدا مہربان ہو تو کل مہربان۔ جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ہوا۔ اس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لے کر چلا۔ فرمانے لگا کہ ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں تیری سفارش تا بہ مقدور کروں گا۔ تو ہرگز دم نہ ماریو، چپکا بیٹھا سنا کیجو۔ میں نے کہا۔ جو کچھ صاحب فرماتے ہیں، سو ہی کروں گا، خدا تم کو سلامت رکھے، جو میرے احوال پر ترس کھاتے ہو۔ اس جوان نے قصد پادشاہی باغ کا کیا۔ جب اندر داخل ہوا۔ ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ہشت پہلو باغ کے صحن میں تھا اور اس پر ایک نم گیرہ سفید بادلے کا ، موتیوں کی جھالر لگی ہوئی، الماس کے استادوں پر کھڑا تھا۔ اور ایک مسند مغرق بچھی ہوئی تھی، گاؤ تکیہ اور بغلی تکیے زربفت کے لگے ہوئے۔ وہ تابوت وہاں رکھوایا۔ اور ہم دونوں کو فرمایا کہ اس درخت کے پاس جا کر بیٹھو۔

بعد ایک ساعت کے مشعل کی روشنی نظر آئی ملکہ آپ، کئی خواصیں پس و پیش اہتمام کرتی ہوئیں تشریف لائیں۔ لیکن اداسی اور خفگی چہرے پر ظاہر تھی۔ آکے مسند پر بیٹھیں۔ یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا رہا۔ پھر ادب سے دور فرش کے کنارے مؤدب بیٹھا۔ فاتحہ پڑھیں اور کچھ باتیں کرنے لگا۔ میں کان لگائے سن رہا تھا۔ آخر اس جوان نے کہا کہ ملکہ جہاں سلامت! ملک عجم کا شہزادہ، آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں غائبانہ سن کر اپنی سلطنت کو برباد دے، فقیر بن، مانند ابراہیم ادہم کے تباہ ہوا اور بڑی محنت کھینچ کر یہاں تلک آپہنچا ہے۔ سائیں تیرے کار نے چھوڑا شہر بلخ اور اس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے۔ آخر وہ قصد مرنے کا کر کے میرے ساتھ لگ چلا۔ میں نے تلوار سے ڈرایا، اس نے گردن آگے دھر دی اور قسم دی کہ اب میں یہی چاہتا ہوں، دیر مت کر۔ غرض تمہارے عشق میں ثابت ہے۔ میں نے خوب آزمایا، سب طرح پورا پایا، اس سبب سے اس کو مذکور میں درمیان لایا۔ اگر حضور سے اس کے احوال پر مسافر جان کر توجہ ہو، تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں۔

یہ ذکر ملکہ نے سن کر فرمایا: کہاں ہے؟ اگر شہزادہ ہے تو کیا مضائقہ؟ روبہ رو

آوے۔ وہ کوکا وہاں سے اُٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لے کر گیا۔ میں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ہوا۔ لیکن عقل و ہوش برباد ہوئے۔ عالم سکوت کا ہو گیا۔ یہ ہیاؤ نہ پڑا کہ کچھ کہوں۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا۔ گھر آکر بولا کہ میں نے تیری سب حقیقت اوّل سے آخر تک ملکہ کو کہہ سنائی اور سفارش بھی کی، اب ہمیشہ رات کو بلا ناغہ جایا کر اور عیش خوشی منایا کر۔ میں اس کے قدم پر گر پڑا اس نے گلے لگالیا۔ تمام دن گھڑیاں گنتا رہا کہ کب سانجھ ہو، جو میں جاؤں۔ جب رات ہوئی میں اس جوان سے رخصت ہو کر چلا اور پائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگا کر جا بیٹھا۔ بعد ایک گھڑی کے ملکہ تن تنہا ایک خواص کو ساتھ لے کر آہستہ آہستہ آکر مسند پر بیٹھیں۔ خوش طالعی سے دن میّسر ہوا۔ میں نے قدم بوس کیا۔ انہوں نے سر میرا اٹھالیا اور گلے سے لگالیا اور بولیں کہ اس فرصت کو غنیمت جان اور میرا کہا مان۔ مجھے یہاں سے لے نکل، کسو اور ملک کو چل۔ میں نے کہا: چلیے یہ کہہ کر ہم دونوں باغ کے باہر تو ہوئے، پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور راہ بھول گئے اور ایک طرف کو چلے جاتے تھے، پر کچھ ٹھکانا نہیں پاتے تھے۔ ملکہ برہم ہو کر بولی کہ اب میں تھک گئی تیرا مکان کہاں ہے؟ جلد چل کر پہنچ نہیں تو کیا کیا چاہتا ہے؟ میرے پاؤں میں پھپھولے پڑ گئے ہیں، رستے میں کہیں بیٹھ جاؤں گی۔

میں نے کہا کہ میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے۔ اب آپہنچے خاطر جمع رکھو اور قدم اٹھاؤ۔ جھوٹھ تو بولا پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لے جاؤں؟ عین راہ پر ایک دروازہ مقفل نظر پڑا۔ جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے بھیتر گئے۔ اچھی حویلی، فرش بچھا ہوا، شراب کے شیشے بھرے قرینے سے طاق میں دھرے اور باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے۔ ماندگی کمال ہو رہی تھی، ایک ایک گلابی شراب پرتگالی کی اس گزک کے ساتھ لی اور ساری رات باہم خوشی کی۔ جب اس چین سے صبح ہوئی شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی۔ محلّہ محلّہ کوچہ کوچہ منادی پھرنے لگی اور کٹنیاں اور ہرکارے چھوٹے کہ جہاں سے ہاتھ آوے، پیدا کریں اور سب دروازوں پر شہر کے پادشاہی غلاموں کی چوکی آبیٹھی۔ گذربانوں کو حکم ہوا کہ بغیر پروانگی چیونٹی باہر شہر کے نہ نکل سکے۔ جو کوئی سراغ ملکہ کا لاوے گا، ہزار اشرفی

اور خلعت انعام پاوے گا، تمام شہر میں تنبیاں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں۔

مجھے جو کم بختی لگی، دروازہ بند نہ کیا۔ ایک بڑھیا شیطان کی خالا اُس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے۔ برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پا کر ندھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی! تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے! میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دو جی سے پورے دنوں دردِ زہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی وُسعت نہیں کہ اڈھی کا تیل چراغ میں جلاؤں، کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں۔ اگر مرگئی تو گور کفن کیوں کر کروں گی؟ اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دوں گی؟ اور بچا کو ستھوارا، اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے۔ اے صاحب زادی! اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا، تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو۔ ملکہ نے ترس کھا کر، اپنے نزدیک بلا کر چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی چھنگلیا سے اتار کر حوالے کی اس کو بیچ باچ کر گہنا پاتا بنا دیجو اور خاطر جمع سے گزران کیجو، تیرا گھر ہے۔ اس نے اپنے دل کا مدعا جس کی تلاش میں آئی تھی بہ جنس پایا۔ خوشی سے دعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ہوئی۔ ڈیوڑھی میں نان کباب پھینک دیئے۔ مگر انگوٹھی کو مٹھی میں لے لیا کہ پتا ملکہ کے ہاتھ کا میرے ہاتھ آیا۔ خدا اس آفت سے جو بچایا چاہے، اس مکاں کا مالک جوان مرد سپاہی تازی گھوڑے پر چڑھا ہوا، نیزہ ہاتھ میں لیے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے، آ پہنچا اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے، اس دلالہ کو نکلتے دیکھا۔ مارے غصے کے ایک ہاتھ اُس کے جھونٹے پکڑ کر لٹکایا اور گھر میں آیا۔ اس کے دونوں پاؤں میں رسّی باندھ کر ایک درخت کی ٹہنی میں لٹکایا۔ سر تلے پاؤں اوپر کیے۔ ایک دم میں تڑپھ تڑپھ کر مرگئی۔ اس مرد کی صورت دیکھ کر یہ ہیبت غالب ہوئی کہ ہوائیاں اڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجہ کانپنے لگا۔ اس عزیز نے ہم دونوں کو بدحواس دیکھ کر تسلی دی کہ بڑی نادانی تم نے کی، ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا۔

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ شہزادہ اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے آیا اور مجھ کو پھسلایا۔ اس نے التماس کیا کہ شہزادے نے بیان واقعی کہا۔ جتنی خلق اللہ ہے۔ پادشاہوں

کی لونڈی غلام ہیں۔ انہیں کی برکت اور فیض سے سب کی پرورش اور نباہ ہے۔ یہ غلام بے دام درم زر خرید تمہارا ہے لیکن بھید چھپانا عقل کا مقتضا ہے۔ اے شاہ زادے! تمہارا اور ملکہ کا اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اور تشریف لانا میری سعادت دونوں جہان کی ہے، اور اپنے فدوی کو سرفراز کیا۔ میں نثار ہونے کو تیار ہوں، کسو صورت میں جان مال سے دریغ نہ کروں گا۔ آپ شوق سے آرام فرمائیے اب کوڑی بھر خطرہ نہیں۔ یہ مُردار کٹنی اگر سلامت جاتی تو آفت لاتی۔ اب جب تلک مزاج شریف چاہیے بیٹھے رہیے اور جو کچھ درکار ہو۔ اس خانہ زاد کو کہیے سب حاضر کرے گا۔

اور پادشاہ تو کیا چیز ہے۔! تمہاری خبر فرشتے کو بھی نہ ہوگی۔ اس جواں مرد نے ایسی ایسی باتیں تسلی کی کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی۔ تب میں نے کہا: شاباش! تم بڑے مرد ہو۔ اس مروت کا عوض ہم سے بھی جب ہوسکے گا۔ تب ظہور میں آوے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ غلام کا اسم بہزاد خاں ہے۔ غرض چھ مہینے تک جتنی شرط خدمت کی تھی، بہ جان و دل بجا لایا۔ خوب آرام سے گزری۔

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ماں باپ یاد آئے اور اس لئے نہایت متفکر بیٹھا تھا۔ میرا چہرہ ملین دیکھ کر بہزاد خاں رو بہ رو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اس فدوی سے اگر کچھ تقصیر چرن برداری میں واقع ہوئی ہو تو ارشاد ہو۔ میں نے کہا: از برائے خدا، یہ کیا مذکور ہے! تم نے ایسا سلوک کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے، جیسے اپنی ماں کے پیٹ میں کوئی رہتا ہے۔ نہیں تو یہ ایسی حرکت ہم سے ہوئی تھی کہ تنکا تنکا ہمارا دشمن تھا۔ ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے۔ خدا تمہیں خوش رکھے بڑے مرد ہو، تب اس نے کہا: اگر یہاں سے دل برداشتہ ہوا ہو، تو جہاں حکم ہو۔ وہاں خیر و عافیت سے پہنچادوں فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والدین کو دیکھوں۔ میری تو یہ صورت ہوئی، خدا جانے ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میں جس واسطے جلاوطن ہوا تھا میری تو آرزو بر آئی، اب ان کی قدم بوسی واجب ہے۔ میری خبر ان کو کچھ نہیں کہ موا یا جیتا ہے، ان کے دل پر کیا قلق گزرتا ہوگا۔ وہ جواں مرد بولا کہ بہت مبارک ہے۔ چلیے یہ کہہ کے ایک راس گھوڑا اٹرکی سو کوس چلنے والا

اور ایک گھوڑی جلد جس کے پر نہیں کٹے تھے لیکن شایستہ، ملکہ کی خاطر لایا اور ہم دونوں کو سوار کروایا۔ پھر زرہ بکتر پہن سلاح باندھ، اُوچی بن اپنے مرکب پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا: غلام آگے ہولیتا ہے، صاحب خاطر جمع سے گھوڑے دبائے ہوئے چلے آویں۔

جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ بڑ چودو! اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خاں ملکہ مہر نگار اور شہزادۂ کام گار کو جو تمہارا داماد ہے ہانکے پکارے لیے جاتا ہے۔ اگر مردی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور ملکہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہیو کہ چپ چاپ لے گیا۔ نہیں تو قلعے میں بیٹھے آرام کیا کرو۔ یہ خبر پادشاہ کو جلد جا پہنچی، وزیر اور میر بخشی کو حکم ہوا ان تینوں بدذات مفسدوں کو باندھ کر لاؤ یا ان کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاؤ۔ ایک دم کے بعد غٹ فوج کا نمود ہوا اور تمام زمین و آسمان گرد باد ہو گیا۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک در میں پُل کے کہ بارہ پلے اور جون پور کے پُل کے برابر تھا، کھڑا کیا اور آپ گھوڑے کو تنگیا کر اس فوج کی طرف پھرا اور شیر کے مانند گونج کر مرکب کو ڈپٹ کر فوج کے درمیان گھسا، تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا۔ دونوں کے سر کاٹ لیے۔ جب سردار مارے گئے، لشکر تتر بتر ہو گیا۔ وہ کہاوت ہے: سر سے سرواہ جب بیل پھوٹی، رائی رائی ہو گئی۔ وونہیں آپ پادشاہ کتنی فوج بکتر پوشوں کی ساتھ لے کر کمک کو آئے، ان کی بھی لڑائی اُس یکّا جوان نے ماردی، شکست فاش کھائی۔

پادشاہ پس پا ہوئے، سچ ہے فتح دادِ الٰہی ہے۔ لیکن بہزاد خاں نے ایسی جواں مردی کی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہوسکتی۔ جب بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہوا، اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کرے گا۔ بے وسواس ہو کر اور خاطر جمع کر جہاں ہم کھڑے تھے، آیا اور ملکہ کو اور مجھ کو ساتھ لے کر چلا۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے، تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی پادشاہ کے حضور، میں جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے، لکھ کر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھ کر شاد ہوئے، دوگانہ شکر کا ادا کیا، جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا۔ خوش ہو کر سب امیروں کو جلو میں لے کر اس عاجز کے استقبال کی خاطر لب دریا آکر کھڑے ہوئے اور نواڑوں کے واسطے امیر بحر کو حکم ہوا۔ میں

نے دوسرے کنارے پر سواری پادشاہ کی کھڑی دیکھی، قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ ہیلہ مار کر حضور میں حاضر ہوا۔ مجھے مارے اشتیاق کے کلیجے سے لگالیا۔

اب ایک اور آفت ناگہانی پیش آئی کہ جس گھوڑے پر سوار تھا، شاید وہ بچہ اسی مادیان کا تھا جس پر ملکہ سوار تھا۔ یا جنسیت کے باعث میرے مرکب کو دیکھ کر گھوڑی نے جلدی کر کر، اپنے تئیں ملکہ سمیت میرے پیچھے دریا میں گرایا اور پیرنے لگی، ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی۔ وہ منہ کی نرم تھی اُلٹ گئی۔ بلکہ غوطے کھا کے بہ مع گھوڑی دریا میں ڈوب گئی کہ پھر ان دونوں کا نشان نظر نہ آیا۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھ کر اپنے تئیں گھوڑے سمیت ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا۔ وہ بھی اس بھنور میں آگیا، پھر نکل نہ سکا۔ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے کچھ بس نہ چلا، ڈوب گیا۔ جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھ کر مہا جال منگوا کر پھنکوایا اور ملّاحوں اور غوطہ خوروں کو فرمایا۔ انہوں نے سارا دریا چھان مارا، تھاہ کی مٹی لے کر آئے پروے دونوں ہاتھ نہ آئے۔ یا فقرا! یہ حادثہ ایسا ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا: ان نینوں کا یہی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی، یا مرجاتی تو دل کو تسلّی آتی۔ پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا۔ لیکن جب نظروں کے روبہ روغرق ہو گئی تو کچھ بس نہ چلا۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں، شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں۔

ایک روز رات کو اسی دریا میں بیٹھا اور ڈوبنے کا ارادہ کر کر گلے تک پانی میں گیا۔ چاہتا ہوں کہ آگے پاؤں رکھوں اور غوطہ کھاؤں وہی سوار برقع پوش جنہوں نے تم کو بشارت دی ہے آ پہنچے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ خاطر جمع رکھ۔ ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ہیں، تو اپنی جان ناحق کیوں کھوتا ہے؟ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو۔ اگر جیتا رہے گا، تو تیری ملاقات ان دونوں سے ایک نہ ایک روز ہورہے گی۔ اب تو روم کی طرف جا اور بھی دو درویش دل ریش وہاں گئے ہیں۔ ان سے تو جب ملے گا۔ اپنی مراد کو پہنچے گا۔ یا فقرا! بہ موجب حکم اپنے ہادی کے میں بھی خدمت شریف میں آکر حاضر ہوا ہوں۔ امید قوی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مطلب کو پہنچے۔ اس ٹکڑ گدا کا یہ احوال تھا، جو تمام کمال کہہ سنایا۔

☆☆☆

سیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنی سیر کی حقیقت رو رو کر اس طرح دہرانے لگا ؎

قصہ ہماری بے سرو پائی کا اب سنو!
ٹک اپنا دھیان رکھ کے ہمرا حال سب سنو!
کس واسطے میں آیا ہوں یاں تک تباہ ہو!
سارا بیان کرتا ہوں اس کا سبب سنو!

یا مرشد اللہ! ذرا متوجہ ہو۔ یہ فقیر جو اس حالت میں گرفتار ہے، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ نازونعمت سے پرورش پائی اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے برے سے کچھ واقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ یونہی ہمیشہ نبھے گی۔ عین بے فکری میں یہ حادثہ رو بکار ہوا۔ قبلۂ عالم جو والد اس یتیم کے تھے انہوں نے رحلت فرمائی جان کندنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو، جو میرے چچا، ہیں بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تو سب مال ملک چھوڑ کر ارادہ کوچ کا کیا، لیکن یہ وصیت میری تم بجا لائیو اور بزرگی کو کام فرمائیو۔ جب تلک شہزادہ جو مالک اس تخت و چھتر کا ہے جوان ہو اور شعور سنبھالے اور اپنا گھر دیکھے بھالے تم اس کی نیابت کرو اور سپاہ و رعیت کو خراب نہ ہونے دیجو، جب وہ بالغ ہو۔ اس کو سب کچھ سمجھا بجھا کر تخت حوالے کرنا اور روشن اختر جو تمہاری بیٹی ہے سے شادی کر کے، تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا، اس سلوک سے بادشاہت ہمارے خاندان میں قائم رہے گی۔ کچھ خلل نہ آوے گا۔ یہ کہہ کر

آپ تو جاں بحق تسلیم ہوئے، چچا بادشاہ ہوا اور بندوبست ملک کا کرنے لگا۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے۔ جب تلک جوان نہ ہو، باہر نہ نکلے۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا اور کھیلا کودا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سن کر شاد تھا اور اس امید پر بے فکر رہتا اور دل میں کہتا کہ اب کوئی دن میں بادشاہت بھی ہاتھ لگے گی اور کتخدائی بھی ہوگی، دنیا بہ اُمید قائم ہے۔ ایک حبشی مبارک نام کہ والد مرحوم کی خدمت میں تربیت ہوا تھا اور اس کا بڑا اعتبار تھا اور صاحب شعور اور نمک حلال تھا، میں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا۔ وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا کہ الحمد للہ! اے شاہزادے اب تم جوان ہوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارا عمو ظلِ سبحانی کی نصیحت پر عمل کرے گا، اپنی بیٹی اور تمہارے والد کا تخت تمہیں دے گا۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنیٰ سہیلی نے بے گناہ میرے تئیں ایسا طمانچہ کھینچ کر مارا کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کا نشان اکھڑ آیا۔ میں روتا ہوا مبارک کے پاس گیا۔ ان نے مجھے گلے سے لگا لیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا کہ چلو آج تمہیں بادشاہ پاس لے چلوں۔ شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لائق سمجھ کر تمہارا حق تمہیں دے۔ اسی وقت چچا کے حضور میں لے گیا۔ چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی اور پوچھا کہ کیوں دل گیر ہو اور آج یہاں کیوں کر آئے؟ مبارک بولا کہ کچھ عرض کرنے آئے ہیں۔ یہ سن کر خود بخود کہنے لگا کہ اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں۔ مبارک نے کہا: بہت مبارک ہے۔ وونہی نجومی اور رمالوں کو رو بہ رو طلب کیا اور اُوپری دل سے پوچھا کہ اس سال کون سا مہینہ اور کون سا دن اور گھڑی مہورت مبارک ہے کہ سر انجام شادی کو کروں؟ انہوں نے مرضی پا کر گن گنا کر عرض کیا کہ قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی۔ اگر یہ سال تمام بہ خیر و عافیت کٹے تو آئندہ کارِ خیر کے لیے بہتر ہے۔

بادشاہ نے مبارک کی طرف دیکھا اور کہا شاہ زادے کو محل میں لے جا۔ خدا چاہے تو اس سال کے گزرنے سے اس کی امانت اس کے حوالے کر دوں گا، خاطر جمع رکھے اور پڑھے لکھے۔ مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا محل میں پہنچا دیا۔ دو تین دن کے بعد

میں مبارک کے پاس گیا، مجھے دیکھتے ہی رونے لگا۔ میں حیران ہوا اور پوچھا کہ دادا! خیر تو ہے تمہارے رونے کا کیا باعث ہے؟ تب وہ خیر خواہ کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا، بولا کہ میں اس روز تمہیں اس ظالم کے پاس لے گیا کاش کہ اگر یہ جانتا تو نہ لے جاتا۔ میں نے گھبرا کر کہا میرے جانے میں کیا ایسی قباحت ہوئی؟ کہو تو صحیح۔ تب اس نے کہا کہ سب امیر اور وزیر، ارکانِ دولت چھوٹے بڑے تمہارے باپ کے وقت کے، تمہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے کہ اب ہمارا صاحب زادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لائق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حق دار کو ملے گا۔ تب ہماری قدردانی کرے گا۔ اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا۔ یہ خبر اس بے ایمان کو پہنچی۔ اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔ مجھے خلوت میں بلا کر کہا: اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسی فریب سے مار ڈال، اور اس کا خطرہ میرے جی سے نکال، جو میری خاطر جمع ہو۔ تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا۔ جونہی مبارک سے یہ خبر نا مبارک میں نے سنی بغیر مارے مرگیا اور جان کے ڈر سے اس کے پاؤں پر گر پڑا کہ واسطے خدا کے! میں سلطنت سے گزرا کسو طرح میرا جی بچے۔ اس غلامِ باوفا نے میرا سر اٹھا کر چھاتی سے لگالیا، اور جواب دیا کہ کچھ خطرہ نہیں۔ ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے اگر راست آئی تو کچھ پرواہ نہیں، زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

اغلب ہے کہ اس فکر سے تیری جان بھی بچے اور اپنے مطلب سے کامیاب ہو۔
یہ بھروسہ دے کر مجھے ساتھ لے کر اس جگہ جہاں بادشاہ مغفور یعنی والد اس فقیر کے سوتے بیٹھتے تھے، گیا اور میری بہت خاطر جمع کی۔ وہاں ایک کرسی بچھی تھی، ایک طرف مجھے کہا اور ایک طرف آپ پکڑ کر صندلی کو سرکایا اور کرسی کے تلے کا فرش اٹھایا اور زمین کو کھودنے لگا ایک بارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قفل اس میں لگا ہے۔ مجھے بلایا۔ میں اپنے دل میں مقرر یہ سمجھا کہ میرے ذبح کرنے اور گاڑ دینے کو یہ گڑھا اس نے کھودا ہے۔ موت آنکھوں کے آگے پھر گئی۔ لاچار چپکے چپکے کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا۔ دیکھتا ہوں تو اس دریچے کے اندر عمارت ہے اور چار مکان ہیں۔ ہر ایک دالان میں دس دس خُمیں سونے کی

زنجیروں میں جکڑی ہوئی لٹکتی ہیں اور ہر ایک گولی کے منہ پر ایک سونے کی اینٹ اور ایک بندر جڑاؤ کا بنا ہوا بیٹھا ہے۔ انتالیس گولیاں چاروں مکان میں گنیں اور ایک خُم کو دیکھا کہ مونہا مونہہ اشرفیاں بھری ہیں۔ اس پر نہ میمون ہے نہ خشت ہے اور ایک حوض جواہر سے لبالب بھرا ہوا دیکھا۔ میں نے مبارک سے پوچھا کہ اے دادا! یہ کیا طلسم ہے اور کس کا مکان ہے اور یہ کس کام کے ہیں؟ بولا کہ یہ بوزنے جو دیکھتے ہو، ان کا یہ ماجرا ہے کہ تمہارے باپ نے جوانی کے وقت سے ملک صادق جو بادشاہوں جنوں کا ہے اس کے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی۔

چنانچہ ہر سال میں ایک دفعہ کئی طرح کی تحفہ خوشبوئیں اور اس ملک کی سوغاتیں لے جاتے اور ایک مہینے کے قریب اس کی خدمت میں رہتے۔ جب رخصت ہوتے تو ملک صادق ایک بندر زمرد کا دیتا۔ ہمارا بادشاہ اُسے لا کر اس تہہ خانے میں رکھتا۔ اس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مطلع نہ تھا۔ ایک مرتبہ غلام نے عرض کی جہاں پناہ لاکھوں روپے کے تحفے لے جاتے ہیں اور وہاں سے ایک بوزنہ پتھر کا مُردہ آپ لے آتے ہیں اس کا آخر فائدہ کیا ہے؟ جواب میری اس بات کا مسکرا کر فرمایا: خبردار کہیں ظاہر نہ کیجو، خبر شرط ہے۔ یہ ایک ایک میمون بے جان جو تو دیکھتا ہے، ہر ایک کے ہزار دیو زبردست تابع اور فرماں بردار ہیں لیکن جب تلک میرے پاس چالیسوں بندر پورے جمع نہ ہوویں تب تک یہ سب نکمے ہیں کچھ کام نہ آویں گے۔ سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اُسی برس بادشاہ نے وفات پائی۔
اتنی محنت کچھ نیک نہ لگی۔ اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا۔ اے شاہ زادے تیری یہ حالت بے کسی کی دیکھ کر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا، کسو طرح تجھ کو ملک صادق کے پاس لے چلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں۔ غالب ہے کہ وہ دوستی تمہارے باپ کی یاد کر کر، ایک بوزنہ جو باقی ہے تجھے دے۔ تب ان کی مدد سے تیرا ملک تیرے ہاتھ آوے اور چین ماچین کی سلطنت تو بہ خاطر جمع کرے اور بالفعل اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے اگر اور کچھ نہ ہو تو اس ظالم کے ہاتھ سے سوائے اس تدبیر کے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی۔ میں نے اس کی زبانی یہ سب کیفیت سن کر کہا کہ دادا جان! اب تو میری

جان کا مختار ہے۔ جو میرے حق میں بھلا ہو، سو کر۔ میری تسلی کر کے، آپ عطر اور بخور اور جو کچھ وہاں کے لے جانے کی خاطر مناسب جانا خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اس کافر چچا کے پاس جو بجائے ابوجہل کے تھا، گیا اور کہا: جہاں پناہ! شہزادے کے مارڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ہے اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ وہ کم بخت خوش ہوکر بولا: وہ کیا تدبیر ہے؟ تب مبارک نے کہا کہ اس کے مارڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے۔ مگر میں اسے باہر جنگل میں لے جا کر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ داب کر چلا آؤں ہرگز کوئی محرم نہ ہوگا کہ کیا ہوا۔ یہ بندش مبارک سے سن کر بولا کہ بہت مبارک، میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سلامت نہ رہے۔ اس کا دغدغہ میرے دل میں ہے۔ اگر مجھے اس فکر سے تو چھڑادے گا تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پاوے گا۔ جہاں تیرا جی چاہے، لے جا کر کھپادے اور مجھے یہ خوش خبری لادے۔

مبارک نے بادشاہ کی طرف سے اپنی دل جمعی کر کے مجھے ساتھ لیا اور وے تحفے لے کر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا اور اُتّر کی سمت چلا۔ ایک مہینے تلک پیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک بولا کہ شکر خدا کا اب منزل مقصود کو پہنچے۔ میں نے سُن کر کہا دادا! یہ تو نے کیا کہا: کہنے لگا: اے شہزادے! جنوں کا لشکر کیا نہیں دیکھتا؟ میں نے کہا: مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مبارک نے ایک سرمے دانی نکال کر سلیمانی سرمے کی سلائیاں میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں۔ وونہیں جنوں کی خلقت اور لشکر کے تنبو قنات نظر آنے لگے۔ لیکن سب خوش رو اور خوش لباس۔ مبارک کو پہچان کر ہر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملتا اور مزاحیں کرتا۔

آخر جاتے جاتے بادشاہی سراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ہوئے دیکھتا ہوں تو روشنی قرینے سے روشن ہے اور صندلیاں طرح طرح کی دو رویہ بچھی ہیں اور عالم، فاضل، درویش اور امیر، وزیر، میر بخشی، دیوان ان پر بیٹھے ہیں۔ اور یساؤل، گرز بردار احدی، چیلے، ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور درمیان میں ایک تخت مرصّع کا بچھا ہے۔ اس پر ملک صادق تاج اور چارقب موتیوں کی پہنے ہوئے۔ مسند پر تکیے لگائے بڑی شان و شوکت

سے بیٹھا ہے۔ میں نے نزدیک جا کر سلام کیا۔ مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا۔ پھر کھانے کا چرچا ہوا بعد فراغت کے دسترخوان بڑھایا گیا۔ تب مبارک کی طرف متوجہ ہوکر احوال میرا پوچھا۔ مبارک نے کہا کہ اب ان کے باپ کی جگہ پر چچا ان کا بادشاہت کرتا ہے۔ اور ان کا دشمن جانی ہوا ہے۔ اس لیے میں انہیں وہاں سے لے بھاگ کر، آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں اور سلطنت ان کا حق ہے۔ لیکن بغیر مربی کسو سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ حضور کی دست گیر کے باعث اس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے۔ ان کے باپ کی خدمت کا حق یاد کر کے ان کی مدد فرمایئے اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجیے جو چالیسوں پورے ہوں اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر تمہارے جان و مال کی دعا دیں، سوائے صاحب کی پناہ کے۔ کوئی ان کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

یہ تمام کیفیت سن کر صادق نے تامّل کر کے کہا واقعی حقوق خدمت اور دوستی پادشاہِ مغفور کے ہمارے اوپر بہت تھے اور یہ بچارا تباہ ہوکر اپنی سلطنت موروثی چھوڑ کر جان بچانے کے واسطے یہاں تلک آیا ہے اور ہمارے دامن دولت میں پناہ لی ہے۔ تا مقدور کسو طرح ہم سے کمی نہ ہوگی اور درگذر نہ کروں گا، لیکن ایک کام ہمارا ہے اگر وہ اس سے ہوسکا اور خیانت نہ کی اور بخوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اُترا تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ زیادہ پادشاہ سے سلوک کروں گا اور جو یہ چاہے گا سو دوں گا میں نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا کہ اس فدوی سے تا بہ مقدور جو خدمت سرکار کی ہوسکے گی، بہ سروچشم بجا لاوے گا اور اس کو بہ خوبی و دیانت داری اور ہوشیاری سے کرے گا اور اپنی سعادت دونوں جہان کی سمجھے گا۔ فرمایا کہ تو ابھی لڑکا ہے اس واسطے بار بار تاکید کرتا ہوں مبادا خیانت کرے اور آفت میں پڑے۔ میں نے کہا: خدا پادشاہ کے اقبال سے آسان کرے گا اور میں حتی المقدور کوشش کروں گا اور امانت حضور تک لے آؤں گا۔

یہ سُن کر ملک صادق نے مجھ کو قریب بلایا اور ایک کاغذ دستگی سے نکال کر میرے تئیں دکھلایا اور کہا: یہ جس شخص کی شبیہ ہے اسے جہاں سے جانے، تلاش کر کے میری خاطر پیدا کر کے لا۔ اور جس گھڑی تو اس کا نام و نشان پاوے اور سامنے جاوے، میری طرف

سے بہت اشتیاق ظاہر کیجو۔اگر یہ خدمت تجھ سے سرانجام ہوئی تو جتنی توقع تجھے منظور ہے۔
اس سے زیادہ غور پرداخت کی جائے گی۔ والّا نہ جیسا کرے گا ویسا پاوے گا۔میں نے اس
کاغذ کو جو دیکھا ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا،بہ زور مارے ڈر کے اپنے تئیں
سنبھالا اور کہا: بہت خوب،میں رخصت ہوتا ہوں اگر خدا کو میرا بھلا کرنا ہے تو بہ موجب حکم
حضور کے مجھ سے عمل میں آوے گا۔یہ کہہ کر مبارک کو ہم راہ لے کر جنگل کی راہ لی۔گاؤں
گاؤں،بستی بستی،شہر شہر،ملک ملک پھرنے لگا اور ہر ایک سے اس کا نام ونشان تحقیق کرنے
۔کسو نے نہ کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں یا کسی سے مذکور سنا ہے۔سات برس تک اسی عالم میں
حیرانی و پریشانی سہتا ہوا ایک نگر میں وارد ہوا۔عمارت عالی اور آباد۔لیکن وہاں کا ہر ایک
متنفس اسمِ اعظم پڑھتا تھا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا تھا۔

ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا۔لیکن کسو نے ایک کوڑی یا ایک نوالہ
نہ دیا۔مجھے تعجب آیا اور اس کے اوپر رحم کھایا۔جیب میں سے ایک اشرفی نکال کر اس کے
ہاتھ دی۔وہ لے کر بولا کہ اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے،تو شاید مسافر ہے،اس شہر کا باشندہ
نہیں۔ میں نے کہا: فی الواقع سات برس سے میں تباہ ہوا ہوں۔جس کام کو نکلا ہوں،اس
کا سراغ نہیں ملتا۔آج اس بلدے میں آ پہنچا ہوں۔ وہ بوڑھا دعائیں دے کر چلا،میں اس
کے پیچھے لگ لیا۔باہر شہر کے ایک مکان عالی شان نظر آیا۔وہ اس کے اندر گیا میں بھی چلا۔
دیکھا تو جابجا عمارت گر پڑی ہے اور بے مرمت ہو رہی ہے۔

میں نے دل میں کہا کہ یہ محل لائق پادشاہوں کے ہے۔جس وقت تیاری اس کی
ہوگی، کیا ہی مکان دل چسپ بنا ہوگا!اور اب تو ویرانی سے کیا صورت بن رہی ہے! پر
معلوم نہیں کہ اجاڑ کیوں پڑا ہے اور یہ نابینا اس محل میں کیوں بستا ہے۔وہ کور لاٹھی ٹیکتا ہوا
چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے باپ!خیر تو ہے آج سویرے کیوں
پھر لے آتے ہو؟ پیر مرد نے سن کر جواب دیا کہ بیٹی! خدا نے ایک جوان مسافر کو میرے
احوال پر مہربان کیا،اس نے ایک مہر مجھ کو دی۔بہت دنوں سے پیٹ بھر کر اچھا کھانا نہ کھایا

تھا؛ سو گوشت،مصالح، گھی تیل،آٹا،لون مول لیا۔اور تیری خاطر کپڑا جو ضرور تھا،خرید کیا۔
اب اس کو قطع کر اور سی کر پہن ۔ اور کھانا پکا،تو کھا پی کے اس سخی کے حق میں دعا دیں۔
اگرچہ مطلب اس کے دل کا معلوم نہیں، پر خدا دانا بینا ہے، ہم بے کسوں کی دعا قبول
کرے۔ میں نے یہ احوال اس کی فاقہ کشی کا جو سنا،بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں
اوراس کو دوں۔لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا،تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اسی
معشوق کی تھی۔تصویر کو نکال کر مقابل کیا،سرِ مو تفاوت نہ دیکھا۔ایک نعرہ دل سے نکلا اور
بے ہوش ہوا۔مبارک میرے تئیں بغل میں لے کر بیٹھا اور پنکھا کرنے لگا۔مجھ میں ذرا سا
ہوش آیا،اس کی طرف تاک رہا تھا۔جو مبارک نے پوچھا کہ تم کو کیا ہوگیا؟ ابھی منہ سے
جواب نہیں نکلا، وہ نازنین بولی کہ اے جوان! خدا سے ڈر، اور بگانی استری پر نگاہ مت کر،
حیا اور شرم سب کو ضرور ہے۔

اس لیاقت سے گفتگو کی کہ میں اس کی صورت اور سیرت پر محو ہوگیا۔مبارک
میری خاطرداری بہت سی کرنے لگا۔لیکن دل کی حالت کی اس کو کیا خبر تھی؟ لاچار ہو کر میں
پکارا کہ اے خدا کے بندو اور اس مکان کے رہنے والو!میں غریب مسافر ہوں، اگر اپنے
پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو تو بڑی بات ہے۔ اس اندھے نے نزدیک بلایا اور آواز
پہچان کر گلے لگایا۔اور جہاں وہ گل بدن بیٹھی تھی، اس مکان میں لے گیا۔وہ ایک کونے میں
چھپ گئی۔اس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ اپنا ماجرا کہہ کہ کیوں گھر بار چھوڑ کر اکیلا پڑا
پھرتا ہے اور تجھے کس کی تلاش ہے؟ میں نے ملک صادق کا نام نہ لیا اور وہاں کا کچھ ذکر
مذکور نہ کیا۔اس طور سے کہا کہ یہ بے کس شہزادہ چین و ماچین کا ہے۔چنانچہ میرے ولی
نعمت ہنوز پاشا ہیں۔ ایک سوداگر سے لاکھوں روپے دے کر یہ تصویر مول لی تھی۔ اس کے
دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا،اور فقیر کا بھیس بن کر تمام دنیا چھان ماری۔اب یہاں
میرا مطلب ملا ہے،سو تمہارا اختیار ہے۔

یہ سن کر اندھے نے ایک آہ ماری اور بولا: اے عزیز! میری لڑکی بڑی مصیبت

میں گرفتار ہے۔ کسو بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پاوے۔ میں نے کہا:
امید وار ہوں کہ مفصل بیان کرو۔ تب اس مردِ عجمی نے اپنا ماجرا اس طور سے ظاہر کیا کہ سن
اے پادشاہ زادے! میں رئیس اور اکابر اس کم بخت شہر کا ہوں۔ میرے بزرگ نام آور اور
عالی خاندان تھے۔ حق تعالیٰ نے یہ بیٹی مجھے عنایت کی۔ جب بالغ ہوئی تو اس کی خوب
صورتی اور نزاکت اور سلیقے کا شور ہوا۔ اور سارے ملک میں مشہور ہوا کہ فلانے کے گھر میں
ایسی لڑکی ہے کہ اس کے حسن کے مقابل حور پری شرمندہ ہے۔ انسان کا تو کیا منہ ہے کہ
برابری کرے؟ یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سنی۔ غائبانہ بغیر دیکھے بھالے عاشق ہوا،
کھانا پینا چھوڑ دیا، اٹھواٹھی کھٹواٹی لے کر پڑا۔

آخر پادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی۔ میرے تئیں رات کو خلوت میں بلایا اور یہ
مذکور درمیان میں لایا اور مجھے باتوں میں پھسلایا حتی کہ نسبت ناتا کرنے میں راضی کیا۔ میں
بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ہوئی تو کسو نہ کسو سے بیاہا ہی چاہیے۔ پس اس سے کیا
بہتر ہے کہ پادشاہ زادے سے منسوب کردوں؟ اس میں پادشاہ بھی منت دار ہوتا ہے۔ میں
قبول کر کے رخصت ہوا۔ اسی دن سے دونوں طرف تیاری بیاہ کی ہونے لگی۔ ایک روز اچھی
ساعت میں قاضی، مفتی، عالم، فاضل، اکابر، سب جمع ہوئے، نکاح باندھا گیا اور مہر معیّن
ہوا۔ دلہن کو بڑی دھوم دھام سے لے گئے۔ سب رسم رسومات کر کے فارغ ہوئے۔ نوشہ
نے رات کو جب قصد جماع کا کیا، اس مکان میں ایک شور غل ایسا ہوا کہ جو باہر لوگ چوکی
میں تھے، حیران ہوئے۔ دروازہ کوٹھری کا کھول کر چاہا دیکھیں کہ یہ کیا آفت ہے، اندر سے
ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے۔ ایک دم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی۔ پٹ کی چول
اُکھاڑ کر دیکھا تو دولھا سرکٹا ہوا پڑا تڑپتا ہے، اور دُلہن کے منہ سے کف چلا جاتا ہے اور
اسی مٹی لہو میں لتھڑی ہوئی بے حواس پڑی لوٹتی ہے۔

یہ قیامت دیکھ کر سب کے ہوش جاتے رہے۔ ایسی خوشی میں یہ غم ظاہر ہوا۔
پادشاہ کو خبر پہنچی، سر پیٹتا ہوا دوڑا۔ تمام ارکان سلطنت کے جمع ہوئے، کسو کی عقل کام نہیں

کرتی کہ اس احوال کو دریافت کرے۔ نہایت کو پادشاہ نے اس قلق کی حالت میں حکم کیا کہ
اس کم بخت بھونڈ پیری دُلہن کا بھی سر کاٹ ڈالو۔ یہ بات پادشاہ کی زبان سے جو نہیں نکلی
پھر ویسا ہی ہنگامہ برپا ہوا۔ پادشاہ ڈرا اور اپنی جان کے خطرے سے نکل بھاگا اور فرمایا کہ
اسے محل سے باہر نکال دو۔ خواصوں نے اس لڑکی کو میرے گھر میں پہنچا دیا۔ یہ چرچا دنیا میں
مشہور ہوا۔ جن نے سنا، حیران ہوا، اور شہزادے کے مارے جانے کے سبب سے خود پادشاہ
اور جتنے باشندے اس شہر کے ہیں میرے دشمن جانی ہوئے۔

جب ماتم داری سے فراغت ہوئی اور چہلم ہو چکا، پادشاہ نے ارکان دولت سے
صلاح پوچھی کہ اب کیا کیا چاہیے؟ سبھوں نے کہا: اور کچھ ہو نہیں سکتا، پر ظاہر میں دل کی
تسلی اور صبر کے واسطے، اس لڑکی کو اس کے باپ سمیت مروا ڈالیے اور گھر بار ضبط کر لیجیے۔
جب میری یہ سزا مقرر کی، کوتوال کو حکم ہوا۔ اس نے آکر چاروں طرف سے میری حویلی کو
گھیر لیا، اور نرسنگا دروازے پر بجایا، اور چاہا کہ اندر گھسیں اور پادشاہ کا حکم بجا لاویں۔ غیب
سے اینٹ پتھر ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لا سکی، اپنا سر منہ بچا کر جیدھر تدھر
بھاگی۔ اور ایک آواز مہیب پادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سنی کہ کیوں کم بختی آئی ہے، کیا
شیطان لگا ہے؟ بھلا چاہتا ہے تو اس نازنین کے احوال کا معترض نہ ہو۔ نہیں تو جو کچھ
تیرے بیٹے نے اس سے شادی کر کر دیکھا، تو بھی اس کی دشمنی سے دیکھے گا۔ اب اگر ان کو
ستاوے گا، تو مزا پاوے گا۔

پادشاہ کو مارے دہشت کے تپ چڑھی۔ وونہیں حکم کیا کہ ان بدبختوں سے کوئی
مزاحم نہ ہو، کچھ کہو نہ سنو، حویلی میں پڑا رہنے دو، زور ظلم ان پر نہ کرو۔ اس دن سے عامل
باد بتاس جان کر دعا تعویذ اور سیانے جنتر منتر کرتے ہیں۔ اور سب باشندے اس شہر کے
اسم اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ہیں، مدت سے یہ تماشا ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک کچھ اسرار
معلوم نہیں ہوا، اور مجھے بھی ہرگز اطلاع نہیں۔ مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی
آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی کہ اور تو کچھ میں نہیں جانتی، لیکن یہ نظر آیا کہ جس وقت

میرے خاوند نے قصد مباشرت کا کیا۔ چھت پھٹ کر ایک تخت مرصع کا نکلا اس پر ایک جوان خوب صورت شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اس مکان میں آئے اور شہزادے کے قتل کے مستعد ہوئے۔اور وہ شخص سردار میرے نزدیک آیا اور بولا کیوں جانی! اب ہم سے کہاں بھاگوگی؟ ان کی صورتیں آدمی کی سی تھیں ۔لیکن پاؤں بکریوں کے سے نظر آئے۔ میرا کلیجا دھڑکنے لگا۔اور خوف سے غش میں آ گئی۔ پھر مجھے کچھ سدھ نہیں کہ آخر کیا ہوا۔

تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اس پھوٹے مکان میں ہم دونوں جی پڑے رہتے ہیں۔ پادشاہ کے غصے کے باعث اپنے رفیق سب جدا ہوگئے۔اور میں گدائی کرنے جو نکلتا ہوں۔تو کوئی کوڑی نہیں دیتا۔ بلکہ دکان پر کھڑے رہنے کے روادار نہیں۔ اس کم بخت لڑکی کے بدن پر لتا نہیں کہ ستر چھپاوے اور کھانے کو میسر نہیں جو پیٹ بھر کھاوے ۔ خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ موت ہماری آوے ،یا زمین پھاڑے اور یہ ناشدنی سماوے۔اس جینے سے مرنا بھلا ہے۔ خدا نے شاید ہمارے ہی واسطے تجھے بھیجا ہے۔ جو تو نے رحم کھا کر ایک مہر دی۔ کھانا بھی مزیدار پکا کر کھایا اور بیٹی کی خاطر کپڑا بھی بنایا۔خدا کی درگاہ میں شکر کیا اور تجھے دعا دی۔اگر اس پر آسیب جن یا پری کا نہ ہوتا تو تیری خدمت میں لونڈی کی جگہ دیتا اور اپنی سعادت جانتا۔یہ احوال اس عاجز کا ہے۔تو اس کے درپے مت ہو۔اور اس قصد سے درگزر۔

یہ سب ماجرا سن کر میں نے بہت منت و زاری کی کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر۔ جو میری قسمت میں بدا ہوگا۔وہ پیر مرد ہرگز راضی نہ ہوا۔ شام جب ہوئی،اس سے رخصت ہوکر سرا میں آیا۔مبارک نے کہا لو شہزادے! مبارک ہو، خدا نے اسباب تو درست کیا ہے،بارے یہ محنت اکارت نہ گئی۔ میں نے کہا آج کتنی خوشامد کی، پر وہ اندھا بے ایمان راضی نہیں ہوتا۔ خدا جانے دیوے گا یا نہیں، پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی کہ کب صبح ہو۔تو پھر جا کر حاضر ہوں۔کبھو یہ خیال آتا تھا اگر وہ مہربان ہو اور قبول کرے تو مبارک ملک صادق کی خاطر لے جائے گا۔پھر کہتا بھلا ہاتھ تو آوے مبارک

کو منا ونا کر میں عیش کروں گا۔ پھر جی میں یہ خطرہ آتا کہ اگر مبارک بھی قبول کرے تو جنوں کے ہاتھ سے دہی نوبت میری ہوگی جو پادشاہ زادے کی ہوئی۔اور اس شہر کا پادشاہ کب چاہے گا کہ اُس کا بیٹا مارا جائے اور دوسرا خوشی منائے۔

تمام رات نیند اُچاٹ ہوگئی اور اسی منصوبے کے الجھیڑے میں کٹی۔ جب روز روشن ہوا ، میں چلا۔چوک میں سے اچھے اچھے تھان پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک و تر خرید کر کے اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت خوش ہوکر بولا کہ سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔ پر اگر میری جان بھی تیرے کام آوے تو دریغ نہ کروں۔اور اپنی بیٹی ابھی تیرے حوالے کروں۔لیکن یہی خوف آتا ہے کہ اس حرکت سے تیری جان کو خطرہ نہ ہو،کہ یہ داغ لعنت کا میرے اوپر تا قیامت رہے۔میں نے کہا اب اس بستی میں بے کس واقع ہوں اور تم میرے دین دنیا کے باپ ہو۔ میں اس آرزو میں مدت سے کیا کیا تباہی اور پریشانی کھینچتا ہوا اور کیسے کیسے صدمے اٹھاتا ہوا۔یہاں تک آیا۔اور مطلب کا بھی سراغ پایا۔خدا نے تمہیں بھی مہربان کیا۔ جو بیاہ دینے پر رضا مند ہوئے ۔لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو۔ ذرا منصف ہو کر غور فرماؤ تو عشق کی تلوار سے سر بچانا اور اپنی جان کو چھپانا کس مذہب میں درست ہے؟ ہرچہ باداباد۔ میں نے سب طرح اپنے تئیں برباد دیا ہے۔ معشوق کے وصال کو میں زندگی سمجھتا ہوں۔اپنے مرنے جینے کی مجھے کچھ پرواہ نہیں ۔ بلکہ اگر ناامید ہوں گا تو بن اجل مرجاؤں گا،اور تمہارا قیامت میں دامن گیر ہوں گا۔

غرض اس گفت و شنید اور ہاں نا نہ میں قریب ایک مہینے کے خوف و رجا میں گزرا۔ ہر روز اس بزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا اور خوشامد برآمد کیا کرتا۔اتفاقاً وہ بوڑھا کاہلہ ہوا۔ میں اس کی بیماری میں حاضر رہا۔ ہمیشہ قارورہ حکیم پاس لے جاتا۔جو نسخہ لکھ دیتا اسی ترکیب سے بنا کر پلاتا۔اور شولا اور غذا اپنے ہاتھ سے پکا کر کوئی نوالہ کھلاتا۔ایک دن مہربان ہوکر کہنے لگا:اے جوان ! تو بڑا ضدی ہے۔میں نے ہر چند ساری قباحتیں کہہ سنائیں اور منع کرتا ہوں کہ اس کام سے باز آ۔ جی ہے تو جہان ہے۔ پر خواہ مخواہ کنویں میں

گرا چاہتا ہے۔اچھا آج اپنی لڑکی سے تیرا مذکور کروں گا۔دیکھوں وہ کیا کہتی ہے۔ یا فقر
اللہ! یہ خوشخبری سن کر میں ایسا پھولا کہ کپڑوں میں نہ سمایا۔آداب بجالایا اور کہا کہ اب آپ
نے میرے جینے کی فکر کی۔رُخصت ہو کر مکان پر آیا اور تمام شب مبارک سے یہی ذکر مذکور
رہا۔کہاں کہ نیند اور کہاں کی بھوک؟ صبح کو نور کے وقت پھر جا کر موجود ہوا۔سلام کیا فرمانے
لگا کہ لو،اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی۔خدا مبارک کرے۔تم دونوں کو خدا کی حفظ و امان میں
سونپا۔جب تلک میرے دم میں دم ہے، میری آنکھوں کے سامنے رہو۔جب میری آنکھ مُند
جائے گی، جو تمہارے جی میں آوے گا۔سو کیجو، مختار ہو۔

کتنے دن پیچھے وہ مردِ بُزرگ جاں بحق تسلیم ہوا۔رُو پیٹ کر تجہیز تکفین کیا۔بعد
تیجے کے، اس نازنین کو مبارک ڈولی کر کر کارواں سرا میں لے آیا۔اور مجھ سے کہا کہ یہ
امانت ملک صادق کی ہے۔خبردار، خیانت نہ کیجو اور یہ محنت مشقت برباد نہ دیجو۔میں نے کہا
اے کاکا! ملک صادق یہاں کہاں ہے، دل نہیں مانتا، میں کیوں کر صبر کروں، جو کچھ ہو
وہ ہو،جیوں یا مروں،اب تو عیش کر لوں۔مبارک نے دق ہو کر ڈانٹا کہ لڑکپن نہ کرو۔ابھی
ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ملک صادق کو دور جانتے ہو، جو اس کا فرمانا نہیں مانتے
ہو؟ اس نے چلتے وقت پہلے ہی اونچ نیچ سب سمجھا دی ہے۔اگر اس کے کہنے پر رہو گے اور صحیح
سلامت اس کو وہاں تک لے چلو گے،تو وہ بھی بادشاہ ہے،شاید تمہاری محنت پر توجہ کر کے
تمہیں کو بخش دے تو کیا اچھی بات ہووے۔پیت کی پیت رہے اور میت کا میت ہاتھ لگے۔

بارے اس کے ڈرانے اور سمجھانے سے میں حیران ہو کر چپکا ہو رہا۔سوسانڈنیاں
خریدکیں،اور کجاؤں پر سوار ہو کر ملک صادق کے ملک کی راہ لی۔چلتے چلتے ایک میدان میں
آواز غل شور کی آنے لگی۔مبارک نے کہا شکر خدا کا، ہماری محنت نیک لگی یہ لشکر جنوں کا
آپہنچا۔بارے مبارک نے ان سے مل جُل کر پوچھا کہ کہاں کا ارادہ کیا ہے؟ وہ بولے کہ
بادشاہ نے تمہارے استقبال کے واسطے ہمیں تعینات کیا اب تمہارے فرماں بردار ہیں اگر کہو
تو ایک دم میں رو بہ رو لے چلیں۔مبارک نے کہا دیکھو، کس کس محنتوں سے خدا نے بادشاہ

کے حضور میں ہمیں سُرخ رُو کیا،اب جلدی کیا ضرور ہے؟ اگر خدانخواستہ کچھ خلل ہو جاوے تو
ہماری محنت اکارت ہو اور جہاں پناہ کی غضبی میں پڑیں۔سبھوں نے کہا کہ اس کے تم مختار
ہو، جس طرح جی چاہے چلو۔اگرچہ سب طرح کا آرام تھا، پر رات دن چلنے سے کام تھا۔

جب نزدیک جا پہنچے، میں مبارک کو سوتا دیکھ کر اس نازنین کے قدموں پر سر رکھ کر
اپنے دل کی بے قراری اور ملک صادق کے سبب سے لاچاری نہایت منّت داری سے کہنے
لگا۔کہ جس روز سے تمہاری تصویر دیکھی ہے، اب و خورش اور آرام میں نے اپنے اوپر
حرام کیا ہے۔اب جو خدا نے یہ دن دکھایا تو محض بے گانہ ہو رہا ہوں۔فرمانے لگی کہ میرا بھی
دل تمہاری طرف مائل ہے کہ تم نے میری خاطر کیا کیا ہرج مرج اٹھایا اور کس کس مشقتوں
سے لے آئے ہو۔خدا کو یاد کرو۔اور مجھے بھول نہ جائیو۔دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا
ہے۔یہ کہہ کر ایسی بے اختیار ڈاڑھ مار کر روئی کہ ہچکی لگ گئی۔ایدھر میرا یہ حال اُدھر اس کا
وہ احوال۔اس میں مبارک کی نیند ٹوٹ گئی۔وہ ہم دونوں مشتاقوں کا رونا دیکھ کر، رونے
لگا اور بولا: خاطر جمع رکھو، ایک روغن میرے پاس ہے،اس گُل بدن کے بدن میں مل دوں
گا۔اس کی بو سے ملک صادق کا جی ہٹ جائے گا۔غالب ہے کہ تمہیں کو بخش دے۔

مبارک سے یہ تدبیر سن کر دل کو ڈھارس ہوگئی۔اس کے گلے سے لگ کر لاڑ کیا
اور کہا: اے دادا! اب تو میرے باپ کی جگہ ہے۔تیرے باعث میری جان بچی اب بھی
ایسا کام کر، جس میں میری زندگانی ہو۔نہیں تو اس غم میں مرجاؤں گا۔اس نے ڈھیری تسلی
دی۔جب روز روشن ہوا۔آواز جنوں کی معلوم ہونے لگی۔دیکھا تو کئی خواص ملک صادق
کے آئے ہیں اور دو بسرے پاؤ بھاری ہمارے لیے لائے ہیں اور ایک جو ڈول موتیوں کی
توڑ پڑی ہوئی ان کے ساتھ ہے۔مبارک نے اس نازنین کو وہ تیل مل دیا۔اور پوشاک
پہنا، بناؤ کرواکر،ملک صادق کے پاس لے چلا۔بادشاہ نے دیکھ کر مجھے بہت سرفراز کیا۔
اور عزت و حرمت سے بٹھایا اور فرمانے لگا کہ تجھ سے میں ایسا سلوک کروں گا کہ کسو نے
آج تک کسو سے نہ کیا ہوگا۔بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے۔علاوہ اب تو میرے

بیٹنے کی جگہ ہوا۔ بے توجہ کی باتیں کر رہا تھا اتنے میں وہ نازنین بھی روبرو آئی اس روغن کی بُو سے یک بہ یک دماغ پراگندہ ہوا اور حال بے حال ہوگیا، تاب اس باس کی نہ لا سکا، اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اور ہم دونوں کو بلوایا اور مبارک کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ کیوں جی! خوب شرط بجا لائے!

میں نے خبردار کردیا تھا کہ اگر خیانت کروگے تو خفگی میں پڑوگے۔ یہ بُو کیسی ہے؟ اب دیکھو تمہارا کیا حال کرتا ہوں۔ بہت جز بز ہوا۔ مبارک نے مارے ڈر کے اپنا اِزار بند کھول کر دکھادیا کہ پادشاہ سلامت! جب حضور کے حکم سے اس کام کے ہم متعین ہوئے تھے۔ غلام نے پہلے ہی اپنی علامت کاٹ کر، ڈبیا میں بند کرکے سر بہ مہر سرکار کے خزانچی کے سُپرد کردی تھی، اور مرہم سلیمانی لگا کر روانہ ہوا تھا، مبارک سے یہ جواب سُن کر میری طرف آنکھیں نکال کو گھورا اور کہنے لگا: تو یہ تیرا کام ہے! اور طیش میں آکر منہ سے برا بھلا بکنے لگا۔ اس وقت اس کے بَت کہاؤ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید جان سے مجھے مروا ڈالے گا۔ جب میں نے اس کے بُشرے سے یہ دریافت کیا! اپنے جی سے ہاتھ دھوکر اور جان کھو کر سر غلاف مبارک کی کمر سے کھینچ کر ملک صادق کی توند میں ماری۔ چھری کے لگتے ہی نہڑا اور جھوما۔ میں نے حیران ہوکر جانا کہ مقرر مرگیا۔ پھر اپنے دل میں خیال کیا کہ زخم تو ایسا کاری نہیں لگا۔ یہ کیا سبب ہوا میں کھڑا دیکھتا تھا کہ وہ زمین پر لوٹ لاٹ، گیند کی صورت بن کر آسمان کی طرف اُڑ چلا۔ ایسا بلند ہوا کہ آخر نظروں سے غائب ہوگیا۔ پھر ایک پل کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصے میں کچھ بے معنی بکتا ہوا نیچے آیا اور مجھے ایک لات ماری کہ میں تیورا کر چاروں شانے چت گر پڑا۔ اور جی ڈوب گیا، خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا۔ آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں کہ جہاں سوائے کیکڑا اور ٹینٹی اور جھڑبیری کے درختوں کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اب اس گھڑی عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں! ناامیدی سے ایک آہ بھر کر ایک طرف کی راہ لی۔ اگر کہیں کوئی آدمی کی صورت نظر پڑتی تو ملک صادق کا نام پوچھتا۔ وہ دیوانہ جان کر جواب دیتا کہ

ہم نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔

ایک روز پہاڑ پر جاکر میں نے بھی ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا کر ضائع کروں۔ جوں مستعد گرنے کا ہوا وہی سوار صاحب ذوالفقار، برقع پوش آپہنچا اور بولا کہ کیوں تو اپنی جان کھوتا ہے؟ آدمی پر دکھ درد سب ہوتا ہے۔ اب تیرے بُرے دن گئے اور بھلے دن آئے۔ جلد روم کو جا، تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں، ان سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے مل۔ تم پانچوں کا مطلب ایک ہی جگہ ملے گا۔ اس فقیر کی سیر کا یہ ماجرا ہے جو عرض کیا۔ بارے! بشارت سے اپنے مولا مشکل کشا کی مرشدوں کے حضور میں آ پہنچا ہوں۔ اور پادشاہِ ظلّ اللہ کی بھی ملازمت حاصل ہوئی۔ چاہیے کہ اب سب کی خاطر جمع ہو۔

یہ باتیں چار درویش اور پادشاہ آزاد بخت میں ہورہی تھیں کہ اتنے میں ایک محلّی بادشاہ کے محل میں سے دوڑا ہوا آیا اور مبارک باد کی تسلیمیں بادشاہ کے حضور بجالایا اور عرض کی کہ اس وقت شاہ زادہ پیدا ہوا کہ افتاب و مہتاب اس کے حسن کے روبرو شرمندہ ہیں بادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ ظاہر میں کسو کو حمل نہ تھا، یہ آفتاب کس کے برج حمل سے نمودار ہوا؟ اس نے التماس کیا کہ ماہ روخواص، جو بہت دنوں سے غضب بادشاہی میں پڑی تھی، کسوں کی مانند ایک کونے میں رہتی تھی اور مارے ڈر کے اس کے نزدیک کوئی نہ جاتا، نہ احوال پوچھتا تھا۔ اس پر یہ فضل الٰہی ہوا کہ چاند سا بیٹا اس کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

پادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادیٔ مرگ ہوجائے۔ چاروں فقیر نے دعا دی کہ بھلا بابا! تیرا گھر آباد رہے اور اس کا قدم مبارک ہو، تیرے سائے کے تلے بوڑھا بڑا ہو، پادشاہ نے کہ یہ تمہارے قدم کی برکت ہے۔ والّا نہ، اپنے تو سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی اجازت ہو تو جاکر دیکھوں، درویشوں نے کہا: بسم اللہ، سدھاریے، پادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ شہزادے کو گود میں لیا اور شکر پروردگار کی جناب میں کیا۔ کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ وونہیں چھاتی سے لگائے ہوئے لاکر فقیروں کے قدموں پر ڈالا، درویشوں نے دعائیں پڑھ کر جھاڑ پھونک دیا، پادشاہ نے جشن کی تیاری کی، دوہری نوبتیں جھڑنے لگیں۔ خزانے کا منہ کھول دیا۔ داد و دہش سے ایک کوڑی کے محتاج کو لکھ پتی کردیا۔ ارکان دولت جتنے تھے

سب کو دو چند جاگیر و منصب کے فرمان ہو گئے۔ جتنا لشکر تھا۔ انہیں پانچ برس کی طلب انعام ہوئی، مشائخ اور اکابر کو مدد معاش اور آلتمغا عنایت ہوا۔ بے نواؤں کے بیتے اور تنگ مداؤں کے چملے اشرفی اور روپوں کی کھچڑی سے بھر دیئے اور تین برس کا خزانہ رعیت کو معاف کیا کہ جو کچھ بو دیں جوتیں دونوں حصے اپنے گھروں میں اٹھالے جائیں۔

تمام شہر میں ہزاری بزاری کے گھروں میں جہاں دیکھو وہاں تھئی تھئی ناچ ہو رہا ہے۔ مارے خوشی کے ہر ایک ادنا اعلا بادشاہ وقت بن بیٹھا۔ عین شادی میں ایک بارگی اندرون محل سے رونے پیٹنے کا غل اٹھا۔ خواصیں اور ترکنیاں اور اردابیگنیاں اور اردبیگنیاں اور مغلی، خوجے، سر میں خاک ڈالتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اور بادشاہ سے کہا کہ جس وقت شہزادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو انگا بے ہوش پڑی ہے اور شہزادہ غائب ہو گیا۔ یہ کیا قیامت ٹوٹی! بادشاہ یہ تعجبات سن کر حیران ہو رہا اور تمام ملک میں واویلا پڑی۔ دو دن تلک کسو کے گھر ہانڈی نہ چڑھی۔ شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے۔

غرض زندگانی سے لاچار تھے جو اس طرح جیتے تھے جب تیسرا دن ہوا، وہی بادل پھر آیا اور ایک پنگھولا جڑاؤ موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی لایا۔ اسے محل میں رکھ کر آپ ہوا ہوا۔ لوگوں نے شہزادے کو اس میں انگوٹھا چوستے ہوئے پایا۔ بادشاہ بیگم نے جلدی بلائیں لے کر، ہاتھوں میں اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ دیکھا تو کرتا آب رواں کا، موتیوں کا دردامن ٹکا ہوا گلے میں ہے اور اس پر شلوکا تمامی کا پہنایا ہے اور ہاتھ پاؤں میں کڑوے مرصع کے اور گلے میں ہیکل نورتن کی پڑی ہے۔ اور جھنجھنا، چسنی، چٹنے بٹنے، جڑاؤ، دھرے ہیں۔ سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگیں اور دعائیں دینے لگیں کہ تیری ماں کا پیٹ ٹھنڈا رہے اور تو بوڑھا آڑھا ہو۔

بادشاہ نے ایک بڑا محل نیا تعمیر کروا اور فرش بچھوا، اس میں درویشوں کو رکھا۔ جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتی، تب آ بیٹھتے اور سب طرح سے خدمت اور خبر گیری کرتے۔ لیکن ہر چاند کی نوچندی جمیرات کو وہی پارۂ ابر آتا اور شہزادے کو لے جاتا۔ بعد

دو دن کے تحفے، کھلونے اور سوغاتیں ہر ایک ایک ملک کی اور ہر ایک قسم کی شہزادے کے ساتھ لے آتا، جن کے دیکھنے سے عقل انسان کی حیران ہو جاتی۔ اسی قاعدے سے بادشاہ زادے نے خیریت سے ساتویں برس میں پاؤں دیا۔ عین سال گرہ کے روز بادشاہ آزاد بخت نے فقیروں سے کہا کہ سائیں اللہ! کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لے جاتا ہے بڑا تعجب ہے۔ دیکھیے انجام اس کا کیا ہوتا ہے۔ درویشوں نے کہا: ایک کام کرو ایک شقہ شوقیہ اس مضمون کا لکھ کر شہزادے کے گہوارے میں رکھ دو کہ تمہاری مہربانگی اور محبت دیکھ کر اپنا بھی دل مشتاق ملاقات کا ہوا ہے اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجئے۔ تو خاطر جمع ہو اور حیرانی بالکل دفع ہو۔ بادشاہ نے موافق صلاح درویشوں کے افشانی کاغذ پر ایک رقعہ اسی عبارت کا ترقیم کیا۔ اور مہدِ زرّیں میں رکھ دیا۔

شہزادہ بہ موجب قاعدۂ قدیم کے غائب ہوا۔ جب شام ہوئی آزاد بخت درویشوں کے بستروں پر آ کر بیٹھے اور کلمہ کلام ہونے لگا۔ ایک کاغذ لپٹا ہوا۔ بادشاہ کے پاس آ پڑا۔ کھول کر پڑھا تو جواب اسی شقے کا تھا۔ یہی دو سطریں لکھی تھیں کہ ہمیں بھی اپنا مشتاق جانیے سواری کے لیے تخت جاتا ہے، اس وقت اگر تشریف لائیے تو بہتر ہے ملاقات ہو۔ سب اسباب عیش و طرب کا مہیا ہے صاحب ہی کی جگہ خالی ہے۔ بادشاہ آزاد بخت درویشوں کو ہم راہ لے کر تخت پر بیٹھے۔ وہ تخت حضرت سلیمان کے تخت کے مانند ہوا۔ پر چلا۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اُترے کہ عمارت عمارتِ عالی شان اور تیاری کا سامان نظر آتا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی ہے یا نہیں۔ اتنے میں کسو نے ایک ایک سلائی سلیمانی سرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں۔ پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ استقبال کی خاطر گلاب پاشیں لیے ہوئے اور رنگ بہ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے کھڑا ہے۔

آزاد بخت آگے چلے تو دو رویہ ہزاروں پری زاد مؤدب کھڑے ہیں۔ اور صدر میں ایک تخت زمرد کا دھرا ہے۔ اس پر ملک شہبال شاہ رخ کا بیٹا تکیے لگائے بڑے تزک سے بیٹھا ہے۔ اور ایک پری زادلڑکی رو بہ رو بیٹھی شہزادۂ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے اور

دونوں بغلوں میں کرسیاں اور صندلیاں قرینے سے بچھی ہیں ان پر عمدہ پری زاد بیٹھے ہیں۔ ملک شہبال پادشاہ کو دیکھتے ہی سروقد اٹھا، اور تخت سے اتر کر بغل گیر ہوا اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑے اپنے برابر تخت پر لاکر بٹھایا اور بڑے تپاک اور گرم جوشی سے باہم گفتگو ہونے لگی تمام روز ہنسی خوشی کھانے اور میوے اور خوشبوؤں کی ضیافت رہی اور راگ رنگ سنا کئے، دوسرے دن جب پھر دونوں بادشاہ جمع ہوئے شہبال نے پادشاہ سے درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیت پوچھی۔

پادشاہ نے چاروں بے نواؤں کا ماجرا جو سنا تھا۔ مفصل بیان کیا اور سفارش کی اور مدد چاہی کہ انہوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے، اب صاحب کی توجہ سے اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم ہے اور یہ مخلص بھی تمام عمر شکرگزار رہے گا۔ آپ کی نظر توجہ سے ان سب کا بیڑا پار ہوتا ہے۔ ملک شہبال نے سن کر کہا بہ سروچشم میں تمہارے فرمانے سے قاصر نہیں۔ یہ کہہ کر نگاہِ کرم سے دیوؤں اور پریوں کی طرف دیکھا اور بڑے بڑے جن جو جہاں سردار تھے ان کو نامے لکھے کہ اس فرمان کے دیکھتے ہی اپنے تئیں حضور پُر نور میں حاضر کرو۔ اگر کسی کے آنے میں توقف ہوگا تو اپنی سزا پاوے گا اور پکڑا آوے گا اور آدم زاد خواہ عورت خواہ مرد، جس کے پاس ہو۔ اسے اپنے ساتھ لیے آوے اگر کوئی پوشیدہ کر رکھے گا اور ثانی الحال ظاہر ہوگا تو اس کا زن و بچہ کولھو میں پیرا جائے گا اور اس کا نام نشان باقی نہ رہے گا۔

یہ حکم نامہ لے کر وہ چاروں طرف متعین ہوئے یہاں دونوں بادشاہوں میں صحبت گرم ہوئی اور باتیں اختلاط کی ہونے لگیں اس میں ملک شہبال درویشوں سے مخاطب ہوکر بولا کہ اپنے تئیں بھی بڑی آرزو لڑکے ہونے کی تھی۔ اور دل میں یہ عہد کیا تھا کیا کہا اگر خدا بیٹا دے یا بیٹی، تو اس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوگا اس سے کروں گا۔ اس نیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ بیگم پیٹ سے ہیں۔ بارے دن اور گھڑیاں، اور مہینے گنتے گنتے پورے دن ہوئے اور یہ لڑکی پیدا ہوئی۔ موافق وعدے کے تلاش کرنے کے واسطے عالم جنیات کو میں نے حکم کیا؛ چاردانگ دنیا میں جستجو کرو، جس

بادشاہ شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہو، اس کو بہ جنس احتیاط دے جلد اٹھا کر آؤ۔ وونہیں یہ جب فرمان کے پری زاد چاروں سمت پراگندہ ہوئے۔ بعد دیر کے اس شہزادے کو میرے پاس لے آئے۔

میں نے شکر خدا کا کیا اور اپنی گود میں لے لیا۔ اپنی بیٹی سے زیادہ اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جدا کردں۔ لیکن اس خاطر بھیج دیتا ہوں کہ اگر اس کے ماں باپ نہ دیکھیں گے۔ تو ان کا کیا احوال ہوگا۔ لہٰذا ہر مہینے میں ایک بار منگا لیتا ہوں۔ کئی دن اپنے نزدیک رکھ کر کچھ بھیج دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب ہمارے تمہارے ملاقات ہوئی، اس کی کتخدائی کردیتا ہوں۔ موت حیات سب کو لگی پڑی ہے۔ بھلا جیتے جی ان کا سہرا دیکھ لیں۔

پادشاہ آزاد بخت یہ باتیں ملک شہبال کی سُن کر اور اس کی خوبیاں دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے اور بولے: پہلے ہم کو شہزادے کے غائب ہوجانے اور پھر آجانے سے عجب عجب طرح کے خطرے دل میں آتے تھے۔ لیکن اب صاحب کی گفتگو سے تسلی ہوئی۔ یہ بیٹا اب تمہارا ہے۔ جس میں تمہاری خوشی ہو سو کیجیے۔ غرض دونوں بادشاہوں کی صحبت مانند شکر شیر کے رہتی اور عیش کرتے۔ دس پانچ دن کے عرصے میں بڑے بڑے پادشاہ گلستان ارم کے و کوہستان کے اور جزیروں کے جن کے طلب کی خاطر لوگ تعنیات ہوئے تھے سب آکر حضور میں حاضر ہوئے پہلے ملک صادق سے فرمایا کہ تیرے پاس جو آدم زاد ہے، حاضر کر۔ اس نے نپٹ غم غصہ کھا کر لاچار اس گل عذار کو حاضر کیا اور ولایت عمان کے بادشاہ سے شہزادی جن کی، جس کے واسطے شہزادی ملک نیم روز کا گاؤ سوار ہوکر سودائی بنا تھا، مانگی اس نے بھی بہت سی عذر معذرت کرکے حاضر کی۔ جب بادشاہ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا، سب منکر پاک ہوئے اور حضرت سلیمانؑ کی قسم کھانے لگے۔

آخر دریائے قلزم کے پادشاہ سے جب پوچھنے کی نوبت آئی تو وہ سر نیچا کرکے چپ ہو رہا۔ ملک شہبال نے اس کی خاطر کی اور قسم دی اور امیدوار سرفرازی کا کیا اور کچھ دھونس دھڑ کا بھی دیا۔ تب وہ بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ بادشاہ سلامت! حقیقت یہ

ہے کہ جب بادشاہ اپنے بیٹے کے استقبال کی خاطر دریا پر آیا اور شہزادے نے مارے جلدی
کے گھوڑا دریا میں ڈالا، اتفاقاً میں اس روز سیر و شکار کی خاطر نکلا تھا۔ اس جگہ میرا گزر ہوا۔
سواری کھڑی کر کے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس میں شہزادی کو بھی گھوڑی دریا میں لے گئی،
میری نگاہ جو اس پر پڑی دل بے اختیار ہوا۔ پری زادوں کو حکم کیا کہ شہزادی کو بہ مع گھوڑی
لے آؤ۔ اس کے پیچھے بہزاد خاں نے گھوڑا پھینکا۔ جب وہ بھی غوطے کھانے لگا، اس کی
دلاوری اور مردانگی پسند آئی اس کو بھی ہاتھوں ہاتھ پکڑلیا۔ ان دونوں کو لے کر میں نے
سواری پھیری۔ سو یے دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں۔

یہ احوال کہہ کر دونوں رو بہ رو بلایا اور سلطان شام کی شہزادی کی تلاش بہت کی اور
سبھوں سے بہ سختی و ملائمت استفسار کیا۔ لیکن کسو نے حامی نہ بھری اور نہ نام و نشان بتایا۔ تب
ملک شہبال نے فرمایا کہ کوئی بادشاہ یا سردار غیر حاضر بھی ہے یا سب آچکے؟ جنوں نے عرض
کی کہ جہاں پناہ! سب حضور میں آئے ہیں مگر ایک مسلسل جادو جس نے کوہ قاف کے پردے
میں ایک قلعہ جادو کے علم سے بنایا ہے، وہ اپنے غرور سے نہیں آیا ہے اور ہم غلاموں کی
طاقت نہیں جو بہ زور اس کو پکڑ لاویں۔ وہ بڑا قلب مکان ہے اور وہ خود بھی بڑا شیطان ہے۔

یہ سُن کر ملک شہبال کو طیش آیا اور لڑاکی فوج جنوں اور عفریتوں اور پری زادوں
کی تعنیات کی اور فرمایا: اگر راستی میں اس شہزادی کے ساتھ لے کر حاضر ہو۔ فبہا، والاّ نہ اس
کو زیر و زبر کر کے مشکیں باندھ کر لے آؤ۔ اور اس کے گڑھ اور ملک کو نیست نابود کر کے
گدھے کا ہل پھروا دو۔ وونہیں حکم ہوتے ہی ایسی کتنی فوج روانہ ہوئی کہ ایک آدھ دن کے
عرصے میں ویسے جوش خروش والے سرکش کو حلقہ بہ گوش کر کے پکڑ لائے اور حضور میں دست
بستہ کھڑا کیا۔ ملک شہبال نے ہرچند سرزنش کر کے پوچھا لیکن اس مغرور نے سوائے نا نا کے
ہاں نہ کی۔ نہایت کو غصّے ہوکر فرمایا کہ اس مردود کے بند بند جدا کرو اور کھال کھینچ کر بھس
بھرو اور پری زاد کے لشکر کو تعین کیا کہ کوہ قاف میں جا کر ڈھونڈ ڈھانڈھ کر پیدا کرو۔ وہ لشکر
متعینہ شہزادی کو بھی تلاش کر کے لے آیا اور حضور میں پہنچایا۔ اُن سب اسیروں نے اور
چاروں فقیروں نے ملک شہبال کا حکم اور انصاف دیکھ کر دعائیں دیں اور شاد ہوئے۔ پادشاہ

آزاد بخت بھی بہت خوش ہوا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ مردوں کو دیوانِ خاص میں اور
عورتوں کو پادشاہی محل میں داخل کرو۔ اور شہر میں آئینہ بندی کو حکم کرو۔ اور شادی کی تیاری
جلدی ہو۔ گویا حکم کی دیر تھی۔

ایک روز نیک ساعت اور مبارک مہورت دیکھ کر شہزادہ بختیار کا عقد اپنی بیٹی
روشن اختر سے باندھا۔ اور خواجہ زادۂ یمن کو دمشق کی شہزادی سے بیاہا۔ اور ملک فارس کے
شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کردیا اور عجم کے بادشاہ زادے کو فرنگ کی ملکہ سے
منسوب کیا اور نیم روز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا اور شہزادۂ نیم روز کو جن کی
شہزادی حوالے کی۔ اور چین کے شہزادے کو اس پیر مردِ عجمی کی بیٹی سے جو ملک صادق کے
قبضے میں تھی، کتخدا کیا۔ ہر ایک نامراد، بہ دولت ملک شہبال کے اپنے اپنے مقصد اور مراد کو
پہنچا۔ بعد اس کے چالیس دن تلک جشن فرمایا اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے۔

آخر ملک شہبال نے ہر ایک پادشاہ زادے کو تحفے اور سوغاتیں اور مال اسباب
دے دے کر اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب بہ خوشی و خاطر جمعی روانہ ہوئے اور بہ خیر و
عافیت جا پہنچے اور بادشاہت کرنے لگے مگر ایک بہزاد خاں اور خواجہ زادہ یمن کا اپنی خوشی
سے بادشاہ آزاد کی رفاقت میں رہے۔ آخر یمن کے خواجہ زادے کو خانساماں اور بہزاد خاں
کو میر بخشی شہزادۂ صاحبِ اقبال یعنی بختیار کی فوج کا کیا۔ جب تلک جیتے رہے، عیش کرتے
رہے، الٰہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے، اسی
طرح ہر ایک نامراد کا مقصد دلی اپنے کرم اور فضل سے بدلا۔ بہ طفیل پنجتن پاک دوازدہ
چہاردہ معصوم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے۔ آمین یا الٰہ العٰلمین۔

جب یہ کتاب فضل الٰہی سے اختتام کو پہنچی، جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا
رکھوں کہ اسی میں تاریخ نکلے۔ جب حساب کیا تو بارہ سو پندرہ ہجری کے آخر سال میں کہنا
شروع کیا تھا۔ باعثِ عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سنہ کی ابتدا میں انجام ہوئی۔ اس فکر میں
تھا کہ دل نے کہا ''باغ و بہار'' اچھا نام ہے کہ ہم نام و ہم تاریخ اس میں نکلتی ہے۔ تب
میں نے یہی نام رکھا۔ جو کوئی اس کو پڑھے گا گویا باغ کی سیر کرے گا بلکہ باغ کو آفت

خزاں کی بھی ہے اور اس کو نہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز رہے گا۔

مرتب ہوا جب یہ "باغ و بہار" تھی سنہ بارہ سو سترہ در شمار
کرو سیراب اس کی تم رات دن کہ ہے نام و تاریخ "باغ و بہار"
خزاں کا نہیں اس میں آسیب کچھ ہمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار
مرے خونِ دل سے یہ سیراب ہے اور لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جاویں گے سب بعد مرگ رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھ کو کرے یہی قاریوں سے مرا ہے قرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں مرکّب ز سہو و خطا یہ چوکے گا، ہرچند ہو ہوشیار
میں اس کے سوا چاہتا کچھ نہیں یہی ہے دعا میری اے کردگار
تری یاد میں میں رہوں دم بہ دم کٹے اس طرح میرا لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھ پر کبھو نہ شب گور کی اور نہ روزِ شمار
تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا! بہ حق رسولِ کبار

☆☆☆

فرہنگ

آ

آب دار: وہ شخص جو بادشاہوں، امیروں کے یہاں پانی پلانے پر مقرر ہو

آب دار خانہ: پانی رکھنے کی جگہ

آب رواں: ایک قسم کا باریک کپڑا

آبشورہ: شورے میں ٹھنڈا کیا ہوا پانی، لیموں کا شربت۔

آبھرن: زیورات

آب و دانہ: دانہ پانی، رزق، کھانا پینا۔

آخرش: آخرکار انجام کار

آذوقہ: تھوڑی سی غذا

آفتاب دو نیزے بلند ہوا: دن چڑھ گیا، دن نکل آیا

آفتابہ: بڑا لوٹا جس کے دونوں طرف دستی اور منہ پر ڈھکن ہو۔

آگیا: حکم

آلتمغا: انعام میں دی گئی ایسی جاگیر جو بعد میں اولاد کو بھی ملے، فرمان شاہی

آویزہ: کان کا زیور، بندہ

آئینہ بندی: شہر کو سجانا

ا

اپرالا کرنا / اپرالا کرنا: مدد کرنا، کرنا، طرفداری کرنا، حفاظت کرنا۔

اتارا: مجمع، جمگھٹ، ہجوم

اتالیق: اُستاد، تربیت دینے والا

اتاول: جلدی

اٹاری: کوٹھا، بالا خانہ، اوپر کا مکان

اٹھائی گیرا: معمولی چور، آنکھ بچا کر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چُرا لینے والا

اٹھوارے میں: آٹھ دن میں۔

اٹھوانی کھٹوانی لے کر پڑنا: غم یا غصے کے سبب سے الگ پڑ رہنا۔

اجل گرفتہ: جس پر موت، منڈلا رہی ہو۔

اچھوانی: ایک قسم کا حریرہ جو زچہ کو دیا جاتا ہے

احدی: تیرانداز۔ اکبر نے ایک خاص قسم کے تیر اندازوں کا نام احدی رکھا تھا، یہ مالگذاری وصول کرنے کا کام کرتے تھے، سُست، کاہل

ادقچہ: سفید حاشیہ کی چادر جو سجاوٹ کے لیے توشک کے نیچے بچھاتے ہیں

اُدھار: ناشتہ یعنی آدھا کھانا

اَدھی: پرانے پیسے کا آٹھواں حصہ

ادینہ: جمعہ

اُردابیگنی: شاہی محلوں میں ہتھیار بند پہرہ دینے والی عورتیں

استخواں: ہڈی

اسم اعظم: خدا کے ناموں میں سب سے بڑا نام

اسم بامسمّٰی: اپنے نام جیسی صفت رکھنے والا شخص

اشرف الاشراف: نہایت شریف

اصیل: خادمہ

افسوں: منتر، جادو

افشانی کاغذ: وہ کاغذ جس پر افشاں چھڑکی ہو

اقلیم: ملک

اُکت: اپج ذہانت

اُلاق: کشتی

الجوع: بھوک

اُلش خاص: بادشاہ کی طرف سے خصوصی طور پر عطا کیا گیا کھانا، اسے التفات اور عزت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

النگ: قلعے کے اطراف کی دیوار

اَمرد: نوعمر خوب صورت لڑکا جس کے ابھی داڑھی مونچھیں نہ نکلی ہوں

اَن چت: اچانک

انگا: انا، دودھ پلائی، دایہ

ان گنا مہینا: حمل کا آٹھواں مہینا، کیونکہ یہ مہینا خطرناک ہوتا ہے اس لیے عورتیں اسے شمار میں نہیں لاتیں۔

انگور کر لائے: زخم بھر گئے، زخم اچھا ہونا

انوکھی: نئی، عجیب

اوبچی: ہتھیار بند، پانچوں ہتھیار باندھے ہوئے سپاہی۔ وہ پانچ ہتھیاری ہیں۔ ۱۔ ڈھال، ۲۔ تلوار، ۳۔ تیر کمان، ۴۔ برچھی، ۵۔ نیزہ

اوسر چوکی ڈومنی گاوے تال بے تال: مثل ہے۔ اَوسَر: موقع، راگوں کا وقت، اوسر چوکنا: بے سُرا ہونا، اس مثل کا مطلب یہ ہے کہ ڈومنی جب راگ اور تال بھول جاتی ہے تو بے سُری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض وقت آدمی اپنی غلطی کے سبب کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے اور ساری عقلمندی رخصت ہو جاتی ہے۔

اونٹ چڑھے کتا کاٹے: مثل ہے۔ عقل کے خلاف اور ناممکن بات کو کہتے ہیں

اونٹ کے گلے میں بلّی: بے میل رشتہ، بیجا الجھاوا

ایک چلّے میں: چالیس دن میں

ب

باٹ : راستہ۔ راہ۔ سڑک

بادامی : گوشت کا ایسا سالن جس میں بادام ڈالے گئے ہوں۔

بادلا : زری کا کپڑا جو ریشم اور چاندی یا سونے کے تاروں سے تیار ہوتا ہے

بادیہ : بڑا کٹورا، پیالہ

باربردار: سامان اٹھانے والے لوگ

بارہ اَبھرن : بارہ زیور

بارہ دری: بارہ دروازوں کی ہوا دار عمارت

باری دار : پہرے دار، پہرے پر موجود سپاہی جو باری باری پہرہ دیتے تھے۔

بارے : آخرکار، الغرض

بازدار : جس کے ذمے باز کو سدھانے کی اور اس کی دیکھ بھال کی خدمت ہو

باشا : ایک شکاری پرندہ، یہ باز کی ایک قسم ہے۔

باقر خانی : ایک قسم کی روغنی روٹی

بالاپوش : پلنگ پوش

بال بال گج موتی پرونا: بہت زیادہ بناؤ سنگار

بال باندھی کوڑی مارنا: نشانہ خطا نہ کرنا، بالکل صحیح نشانہ لگانا

بال بیکا نہیں کرسکتا : کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا

باد سے باتیں کرنا: ہوا سے باتیں کرنا، تیز دوڑنا

باد بتاس : آسیب، کسی بری روح کا سایہ

بت کہاو: بات کرنے کا ڈھنگ، بات کہنے کا انداز

بجرا : ایک قسم کی گول اور خوبصورت کشتی

بجھرا: گھڑے پر چھپانے کا سرپوش، لمبوترا سا بنا ہوا ہوتا ہے بعض گھروں میں مٹی کا بھی ہوتا ہے

بچن : قول، بات، عہد

بخور : وہ چیزیں جن کے آگ پر ڈالنے یا جلانے سے خوش بو نکلتی ہے۔ جیسے لوبان

بدررَو : پانی باہر جانے کا راستہ، موری

بدرہ : تھیلی (جس میں روپے یا اشرفیاں ہوں) توڑا

بدھنا : مٹی کا لوٹا جس میں ٹونٹی ہو

بدوؤں : بدو کی جمع بدو مرد ڈاکو، لٹیرا

برج حمل: آسمان کے برجوں میں سے پہلا برج جس کی شکل مینڈھے کی سی ہے

برقنداز: بندوقچی، عدالت یا پولیس کا سپاہی

بڑی فجر : صبح تڑکے، صبح سویرے

بِس : زہر

بکھر : خاصیت، عادت

بکاول : باورچی، خانساماں

بکتر پوش : زرہ پہنے ہوئے

بگانی تریا : مراد غیر عورت

بل بے : کلمہ تعریف و استعجاب، واہ وا، شاباش، جیا

بُلدہ : شہر، نگر، بستی

بلّی : ناسمجھ، بے وقوف، احمق، بے سلیقہ

بلّیاں : بلائیں

بنا : بنیاد

بنات : (بانات) ایک قسم کا گرم، موٹا، اونی کپڑا

بناس پتیاں: جنگل کی پتیاں، نباتات، گھاس کی پتیاں

بندر : بندرگاہ، جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ

بندوڑ : کلمہ حقارت، نہایت کم رتبہ باندی

بندی : کوئی آرائش کی چیز جیسے کمر میں باندھنے کی مرصع پٹی

بندی خانہ : قید خانہ۔جیل

بندی وان : قیدی

بوائی : سردی کے موسم میں ایڑیوں کے پھٹ جانے سے پڑ جانے والی دراڑیں

بوٹ/ بونٹ : کچے ہرے چنے

بوند : نہایت تیز شراب

بھاٹ : ہر شخص کی تعریف کر کے مانگنے والا،خوشامدی اور لالچی۔گیت بنانے یا سنانے والا

بھچنپا : آتش بازی کی ایک قسم

بہری : چندا

بَہری : ایک شکاری پرندہ شکرہ

بھسم : راکھ

بھگتیے : بھگتیا کی جمع بھگتیا: سوانگ بھرنے والا اور ناچنے والا۔عورتوں کے سے کپڑے پہن کر ناچنے والا

بہنا : بھائی

بھلاوا دینا : دھوکے میں ڈالنا

بہلیے : پرندوں کا شکاری

بھنور کلی : لوہے

بھوئی : سامان اٹھانے والے

بھونڈی پیری : منحوس

بھچک : حیران

بھینٹ : نذر

بیاکل : بے کلی ،بے قرار

بے چوبا: وہ خیمہ جس میں چوبیں نہیں لگائی جاتیں۔(مجازاً) آسمان

بید مشک : ایک درخت کا نام جس کے پھول نہایت نازک اور خوشبودار ہوتے ہیں زرد رنگ کے مگر

مائل بہ سیاہی،اس کے پھولوں کا عرق کھینچا جاتا ہے جو مفرح قلب ہوتا ہے۔

بیرن : بھائی

بے سروپائی: بے سروسامانی

بیل نہ کودا کودی گون یہ تماشا دیکھے کون: مثل ؛ عموماً اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص امید کے خلاف کام کرے۔

بے محابا: بے دھڑک،کچھ سوچے سمجھے بغیر

بے وسواس ہوکر: بے خوف ہوکر۔نڈر ہوکر

پ

پارۂ ابر : بادل کا ٹکڑا

پاکھر : لوہے سے بنی ہوئی زرہ کی مانند ایک پوشاک، جسے جنگ کے موقع پر گھوڑے کو پہنا دیتے تھے

پال : چھوٹا خیمہ، چھولداری

پانی دیوا: لفظی معنی : پانی دینے والا،وارث ، بیٹا

پائیں باغ : قلعہ کے نیچے یا مکان کے پیچھے کا باغ

پایۂ تخت : راج دھانی

پایے پر: اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اپنی مقررہ جگہ پر، کیونکہ شاہی دربار میں مختلف امیروں کے درجے کے مطابق ان کے کھڑے ہونے کی جگہ مقرر ہوتی تھی۔

پت : عزت آبرو

پٹیلی : چوڑے چپٹے کی کشتی جس پر تختے بچھا کر بیل گاڑی کو پار لگاتے ہیں

پچھل پائی : چڑیل

پدمنی : نازک بدن اور خوب صورت عورت

پذیرا ہوا : مان لیا گیا

پر پیچ : جوڑ توڑ داؤ پیچ، چال بازی

پرتل : گھڑ سوار کا جھولا، تھیلا جس میں اس کا سارا سامان آجاتا ہے

پر چھا ہوا : بھیڑ چھٹ گئی، سب چلے گئے

پر چھا ہونے لگا: صبح ہونے لگی یعنی رات کی سیاہی چھٹنے لگی

پرداز : آراستگی، جلا، نقش ونگار، نقاشی

پرند: تیز رفتار، بہت تیز دوڑنے والا

پروانگی : اجازت، حکم

پشمینہ : بیڑ بکری اور دنبے کے بالوں کا پارچہ — اونی کپڑا

پشواز : انگرکھے کی وضع کا گھیردار دامن کا لباس

پکھاوج : ایک قسم کی ڈھولک، مردنگ

پکھروٹا : سونے یا چاندی کا ورق، جو پان کے بیڑے پر لپیٹ دیا جاتا تھا

پلاس : ٹاٹ

پلشت : بدذات، بیسوا، کمینی

پلواڑ : سامان ڈھونے کی کشتی

پن بھتا : پن سے مراد پانی اور بھتا یا بھات بمعنی چاول پتلے پکے ہوئے چاول

پنجتن پاک : مراد ہیں شیعہ حضرات کے معتقدات کے مطابق: رسول اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ

پنڈا : پجاری، مندر کی خدمت کرنے والا برہمن

پنڈت خانہ: قید خانہ

پنڈ حلانا : پھسلانا

پنڈیاین : پجارن

پن سوئی : چھوٹی سی کشتی

پنگھولا : ایک طرح کا جھولا، جس میں نومولود بچے کو سلاتے ہیں

پوکھر : تالاب، جوہڑ

پھانکڑے : مسٹنڈے، بانکے ترچھے، لفنگے

پھساہندا: گندا بدبودار، نامعقول

پھساہندے جو چلے : نامعقول باتیں، بے مزہ اور غیر مناسب نازو انداز کی باتیں

پھول اٹھ چکے : تیجا ہوگیا

پھوئیاں : پھوار

پہلوں : پلنگو، مسہریوں روئی کے پہلوں پر ملائم بچھونا کر کے لٹایا

پھپھڑی : گرمی یا پیاس کے سبب ہونٹوں کی کھال کی خشک ہوجانا اسے پیڑی بھی کہتے ہیں

پھینٹا : چھوٹی پگڑی، صافہ

پیادہ : ہرکارہ، چپراسی، حاکم یا قاضی کی عدالت کا ملازم

پیر : درد

پیرزال : بوڑھی عورت

پیریں لگیں: دردزہ یعنی بچہ پیدا ہونے سے پہلے جو درد ہوتا ہے اس کا شروع ہونا۔

پیزاریں : پیزار کی جمع، جوتیاں

پیکھنے کا کھیل : کٹھ پتلیوں کا کھیل

ت

تاب دان : روشن دان، روزنِ دیوار

تا بہ مقدور : اپنی طاقت بھر، ممکن حد تک

تارکشی کا رومال : عمدہ کڑھائی کا رومال جس میں سونے چاندی کے تاروں سے نقش ونگار بنائے گئے ہوں

تازی : عربی گھوڑا

تالیقہ : مال واسباب کی ضبطی

تبر : کلہاڑی کی وضع کا بنا ہوا ہتھیار

تتری : آوارہ

تجھ سار کے : تجھ جیسے، تیری طرح

تختہ نرد : شطرنج کے انداز کا ایک کھیل اسے چار پانسوں سے کھیلتے تھے

ترپولیا : تین دروں کی شان دار عمارت جس میں بیچ کا در نسبتاً بڑا ہوتا تھا۔ یہ دراہم بازاروں میں یا کسی خاص مقام پر بنائے جاتے تھے شاہی جلوس نکلنے کے لیے

ترت : فوراً

ترقیم کیا : لکھا

ترک حیوانات : گوشت انڈا، مچھلی دودھ دہی، گھی اور وہ چیزیں جن میں یہ ملے ہوئے ہوں ان کا کھانا چھوڑ دینا

تریا : عورت

تکش : ترکش، وہ خانہ جس میں تیر رکھتے ہیں

تکینی : چھوٹا تکیہ

تکیہ : فقیر کے رہنے کی جگہ۔ فقیر کا گھر

تل : ٹیلا

تلپھتے : تڑپتے تڑپتے ہوئے

تمامی : ایک قسم کا ریشمی کپڑا

تم سارکا : تم جیسا

تملق : چاپلوسی، خوشامد، عاجزی

تنکی : بہت پتلی اور چوڑی روٹی جو عام طور پر پلاؤ وغیرہ کی قابوں پر ڈھکنے کے لیے پکائی جاتی تھی تاکہ چاول نرم اور گرم رہیں اسے مانڈا بھی کہتے ہے۔

توبڑا : تھیلا

تورہ پوش : کھانوں کے خوان کو ڈھکنے والا غلاف

توڑ : جھالر

توڑا : ایک ہزار روپے یا اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلی

تھانبنا : تھامنا

تہ پوشی : کلیوں دار پاجامے کی ایک قسم، پیٹی کوٹ

تھل بیڑا : ناؤ یا جہاز کے ٹھہرنے کی جگہ بندگاہ، کنارہ، ساحل

ٹ

ٹک : ذرا

ٹنڈیاں : آدمی کے دونوں بازو

ٹنکیانا : گھوڑے کی ایڑ لگانا

ٹھڈیاں : ٹھڈی کی جمع، بھنے ہوئے اناج کا وہ دانا جو کھلا نہ ہو، خستہ نہ ہوا ہو۔

ٹھہرا اور سادھ کر : دیکھ بھال کر سوچ بچار کر کے اور اچھی طرح حساب لگا کر

ٹھلیا : چھوٹا گھڑا

ٹینٹی : ایک کانٹے دار جھاڑی جسے کریل بھی کہتے ہیں۔ اس کے پھل کو بھی ٹینٹی کہتے ہیں اور اس پھل کا اچار بھی بنایا جاتا ہے

ث

ثابت خانی : مسلح سپاہی

ثانی الحال : اس کے بعد

ج

جاروب کشی : جھاڑو لگانا، صفائی کرنا

جاہی جوہی : ایک قسم کی آتش بازی جس میں جنگلی چنبیلی کی طرح کے بہت سے پھول نکلتے ہیں

جائی : بیٹی

جدی جدی : الگ الگ

جرہ : مشہور شکاری پرندے باز کی ایک قسم ،نر باز

جز بز ہوا : غصے ہوا ناراض ہوا

جس کی نہ پھٹی ہو بوائی ، کیا جانے پیر پرائی: مثل ،جس کی ایڑیاں تک کبھی نہ پھٹی ہوں یعنی جس کو کبھی دکھ نہیں پہنچا وہ دوسرے کے درد کو کیا سمجھے گا

جَس ہوگا : ثواب ملے گا

جوڑا بھونرا : الگ مکان ،تہ خانہ

جھاڑ : بلوریا یا آبگینے یا لوہے پیتل کا ، درخت کی شکل کا فانوس

جھلا بور : چمکیلا ، جگمگاتا ، زرق برق

جھِلم : پتلی زنجیروں کی بنی ہوئی وہ نقاب جو خود میں لٹکتی ہے۔

چ

چار آئینہ : ایک طرح کی زرہ جس میں چار لوہے کے تختے بانات اور مخمل میں منڈھ کر سینے اور پیٹھ کی طرف لگائے جاتے تھے

چار چند : چوگنا

چاردانگ : چاروں سمتیں ۔دانگ بمعنی سمت

چار قُب : صدری کی طرح کا ایک لباس جسے امرا پہنتے تھے

چار گردنے کے گھوڑے : بہت مضبوط اور دم خم رکھنے والے گھوڑے جو بہت دیر تک دوڑ سکیں ،جلدی نہ تھکیں

چاندنی : سفید فرش وہ سفید چادر جو فرشی دری کے اوپر بچھائی جائے

چاؤچوز : لاڈ پیار، ناز ونعمت

چنلا : سونے یا چاندی کا گچھا سا۔ جو چوٹی کے پیچھے عورتیں لگاتی ہیں۔

چتر : مکر ،فریب

چرخی : آتش بازی کی ایک قسم

چرن برداری : خدمت

چرن بردار : امیروں کی جوتیاں اٹھانے والا خادم ،کفش بردار۔ خدمتگار

چک مک : چقماق یا چق مق وہ پتھر جس کے ٹکڑوں کو باہم رگڑنے سے چنگاریاں نکلتی ہیں

چلّا : چالیس دن کی مدت

چلمچی : ہاتھ منہ دھونے کا ایک خاص وضع کا بنا ہوا برتن ،جس کے منہ پر سوراخ دار ڈھکن ہوتا تھا، تاکہ پانی اس کے نیچے پیندے میں جمع ہو۔

چلّہ : کمان میں تانت کا وہ حصہ جہاں پر تیر جوڑ کر چلایا جاتا ہے

چلّے بیٹھنا : چالیس دن تک گوشہ تنہائی میں بیٹھنا اور کسی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے مقررہ وظیفہ پڑھنا

چماق : لوہے کا شش پہلو گرز، موٹا ڈنڈا جس کا سر گرہ دار ہو

چندے : کچھ دن ،تھوڑی سی مدت

چنگیز : پھیلے ہوئے منہ کا برتن یا اُتھلی ٹوکری، جس میں پھول رکھتے ہیں۔ پھولوں کی ٹوکری

چوبدار : محل کا دربان

چوبے : برہمنوں کی ایک شاخ ،مراد مندر کا پجاری

چوپڑ : چوسر، پچیسی، مشہور کھیل اس میں ۱۶ مہرے ہوتے ہیں چھالیا کی شکل کے، چار رنگ کے، انہیں نرد یا گوٹ کہتے ہیں۔چوسر پانسے سے کھیلی جاتی ہے۔اور پچیسی کوڑیوں سے

چوجگی : چار جگ والی ہندوؤں کے عقیدے میں دنیا کی عمر چار جگوں کی ہے ، ہر جگ کئی لاکھ سال کا ہوتا ہے ،مراد بہت پرانی

چوڈول : تام جھام کی طرح کی سواری، جس کو کہار کندھوں پر اٹھاتے تھے ۔ چوپہلا، سکھپال

چوکی : پہرا

چوگان بازی: پولو کی طرح کا ایک پرانا کھیل جو گھوڑے پر بیٹھ کر پولو کی طرح کھیلا جاتا
تھا۔ چوگان اس ڈنڈے کو کہتے تھے جس سے یہ کھیلا جاتا تھا۔ اور جس کا نیچے کا
سرا ہاکی کی اسٹک کی طرح مڑا ہوا ہوتا تھا۔

چوگوشہ: چوکھنٹی کشتی

چوگھرا: چار خانوں کا سونے چاندی یا تانبے کا بنا ہوا ظرف جس کے ایک خانے میں
گلوریاں دوسرے میں لونگ تیسرے میں الائچی اور چوتھے میں چکنی سپاری
رکھتے تھے

چھاپ: انگوٹھی

چھب تختی: سینے اور جسم کی خوبصورتی، جسامت کا خوش، جسامت خوش وضع ہونا۔ چھب تختی
درست ہوئی سے مراد ہے جسم بھر گیا، سڈول ہوا

چھپر کھٹ: چھپر اور کھاٹ کا مرکب ہے۔ چھت والی چارپائی

چھتر: ایک طرح کی مرصع چھتری جو بادشاہوں کے سر پر لگائی جاتی تھی، چتر

چھچھی: بہت شوخ سرخ رنگ کی

چھڑیاں: جھنڈیاں

چھوچھو: بچے کے پوتڑے دھونے اور کھلانے والی عورت

ح

حاضرات: وہ عمل جس کی مدد سے بری روحوں نیز جنوں کو بلایا جاتا ہے

حاضری: ناشتا، تھوڑا سا کھانا جو اس وقت موجود ہو

حباب: شیشے کے کنول۔ مراد شراب رکھنے کا وہ شیشہ یا پیمانہ جو حباب یعنی بلبلے کی شکل کا ہو

حرامی: ڈاکو

حصار: چار دیواری

خاص بردار: بندوق اٹھا کر ساتھ چلنے والا ملازم

خاصدان: ناشتے دان کی طرح کا ظرف جس میں کھانا یا کوئی اور کھانے کی چیز رکھی جائے

خاصہ: بادشاہوں یا امیروں کا کھانا

خانساماں: مہتمم، ناظر، میر سامان، باورچی

خانہ زاد: غلام، نوکروں یا پرانے زمانے میں لونڈیوں غلاموں کی وہ اولاد جو آقا کے گھر میں
پیدا ہوئی ہو اور پلی بڑھی ہو۔ کنایتاً بہت پرانا ملازم

خاوند: شوہر، مالک

خراج: سالانہ محصول رعایا جو رقم بادشاہ کو دے

خُرد خام کرنا: خوب مارنا پیٹنا، ہڈی پسلی ایک کر دینا

خریطہ: تھیلی، وہ لفافہ جس میں امرا کے نام شقہ بھیجا جائے

خمیں: مٹکے

خواجہ سرا: زنان خانے میں کام کرنے والے مخنث، ہیجڑا

خواص: خاص شاہی ملازم

خواص: محل کا وہ حصہ جو ملازمین یعنی خواصوں اور کنیزوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو

خورجی: وہ بڑا تھیلا جو ٹٹو کی پیٹھ پر ضروری اسباب رکھنے کے واسطے باندھ دیتے ہیں

خوگیر: نمدہ، گدا، زین کے اندر بھرا ہوا کپڑا

د

دادا: بزرگ، معمر شخص، بڑا بھائی

دادِ الٰہی: خدا کی دین

داد و دہش: سخاوت، بخشش، فیاضی

دارالشرع: عدالت، منصفی

دارو درمن: علاج، معالجہ

دِدا: بچوں کی پرورش کرنے والی ملازمہ

درِ دامن : جھالر

در ماہا : ماہانہ تنخواہ

دِسا کریں : دس بمعنی سمت یعنی کسی طرف چلیں، سفر شروع کریں

دست پناہ : چمٹا

دستکی : چھوٹی سی جیبی کتاب جو یاداشت وغیرہ لکھنے کے کام آتی ہے

دست گیر : مددگار، حمایتی، سرپرست

دست گیری : مدد

دغدغہ : خوف، خدشہ

دَل بادَل : بہت ہی گہرا بادل، بہت سی فوج

دل چلاکر : ہمت کر کے

دلدا پیش گیر : چھوٹا سا نمگیرا جو پلنگ یا چھپر کھٹ کے آگے لگایا جاتا تھا

دل ریش : جس کا دل دکھا ہوا ہو

دَلق : گدڑی، کمبل، فقیروں کا لباس

دل گیر : اداس، مغموم، رنجیدہ

دُلمیان : وہ تھیلی جس میں خط یا ایسا ہی کوئی کاغذ رکھ کر بھیجا جاتا تھا

دم پخت : بھاپ میں پکا ہوا کھانا

دمڑی : پیسے کا چوتھا حصہ، چھدام

دو پیازہ : گوشت کا وہ سالن جس میں دوبار پیاز ڈالی جاتی ہے

دو جی سے ہے : حاملہ ہے

دو دِلا : شکی، وہمی، پریشان

دور پار : کلمۂ نفرت خدا نہ کرے

دوسار ہوگیا : نیزہ یا تیر آر پار ہوگیا

دِہرا : مندر

دَھرابَر : پوشیدہ کمرا

دھول چھکڑ : لات گھونسا

دہ یکی : دس فی صدی محصول

دیدارو : خوب صورت۔ وجیہ

دیوار گیری : دیوار پر لگایا گیا کپڑا، دیوار میں ٹانگنے والا چراغ

ڈ

ڈریا کر لے آئیں : باگ ڈور پکڑ کر گھوڑوں کو لے آئیں

ڈنڈوت : سجدہ، آداب، تسلیم

ڈھیلت : وہ ملازم جو ڈھال تلوار لیے ہوئے ساتھ رہے

راندے ہوئے : مردود، نکالے گئے، دھتکارے ہوئے

رَحَم : چاولوں کا کچا حلوہ، جو نیاز کے لیے بنایا جائے

رسول کبار : سب سے برتر رسول مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رمّال : علم رمل کا جاننے والا، جوتشی

رنڈی : عورت

رنڈیا : رانڈ، بیوہ

روز راتب : روزانہ کی مقررہ خوراک

روز شمار : قیامت کا دن جس دن سارے اعمال کا حساب ہوگا

روش : باغ کا چھوٹا سا راستہ

رومالی : وہ رومال جو عورتیں سر پر باندھ لیتی ہیں، اوڑھنی

رَوتا : عورتوں کا کام کاج کرنے والا خادم

روند مار : چھان مارا ہر جگہ جا کر دیکھ لیا

روہت : نرمی تازگی، چہرے کی رونق

ریواڑی کا پھیر: لالچ یا دھوکے کے سبب مصیبت میں گرفتار ہوا

زاد بوم: پیدائش کی جگہ، وطن

زربفت: سونے اور ریشم کے تاروں سے بنا ایک کپڑا

زردوزی: سلمے ستارے کا کام

زرہ بکتر: فولاد کا بنا ہوا کڑیوں دار کرتا جسے جنگ کے وقت پہنا جاتا ہے

زنگی: حبشی زنگبار یا زنجبار کا رہنے والا

زیرانداز: وہ کپڑا جو چلمچی یا حلقے کے نیچے بچھایا جاتا تھا تاکہ پانی فرش پر نہ گرنے پائے

زین پوش: گھوڑے کی زین کے اوپر ڈالنے کا کپڑا

ساقِ عروس: ایک طرح کی مٹھائی

سپیاریاں: چھالیاں

ستوانسا: وہ رسم جو حمل کے ساتویں مہینے میں ادا کی جاتی ہے

ستھوارا: (ستھورا) گیہوں کا آٹا، شکر، سونٹھ ملا کر گھی میں بھون کر بنایا جاتا تھا

سراپردہ: وہ اونچی قنات جو خیمے کے چاروں طرف لگا دیتے ہیں

سراچوں: سراچہ کی جمع، بڑا خیمہ

سرپیچ: ایک قسم کی زیور جو پگڑی پر باندھتے ہیں، جیغہ

سرت: ہوش

سروقد: سیدھا

سکھپال: ایک طرح کی پالکی، جس میں امرا کی خواتین سوار ہوتی تھیں

سلخ: چاند کے مہینے کا آخری دن

سلسبیل: بہشت کی ایک نہر کا نام

سموچا: پورا، کامل تمام، سب سارا

سنگت: ڈیرا، دھرم شالا

سنگ سار کرنا: پتھر مار کر جان لینا، اسلامی شریعت کے مطابق زانی کو کمر تک زمین میں گاڑ

کر پتھر مارے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے

سوزنی: روئی بھرا کپڑا، جس پر سوئی کا باریک کام کیا گیا ہو۔ بیل بوٹے بنائے گئے ہوں

سوں: قسم

سیانے: گنڈا تعویذ کرنے والے، جھاڑ پھونک کرنے والے، بھوت پریت اتارنے والے

سیج بند: وہ دوری جس سے پلنگ کی چادر کو پایوں سے کس کر باندھتے ہیں

سیلی: سیاہ ریشم یا تاگوں کی ڈوری، جو فقیر اور جوگی گلے میں پہنتے ہیں۔ پتلی سی رسی یا ڈوری

شاطر: سپاہیوں کا ایک خاص گروہ جو اپنے مخصوص لباس میں بادشاہوں یا امیروں کی سواری کے آگے آگے دوڑتے ہوئے چلتے تھے۔

شاگرد پیشہ: نوکر چاکر، خدمتگار

شال بافی: سرخ ریشمی کپڑا

شایان ہے: لائق ہے

شب دیگ: ایک طرح کا سالن جس میں گوشت اور شلجم کو رات بھر پکاتے ہیں

شبنم: روزمرہ کے استعمال کا سادہ، باریک، ملائم سفید سوتی کپڑا ململ

شتاہو: بے حیا

شحنہ: کوتوال

شطرنجی: ایک قسم کا دبیز سوتی فرش، دری، بساط

شقہ: وہ رقعہ جو بادشاہ کی طرف سے امرا کو لکھا جائے۔

شکار بند: وہ تسمہ جو گھوڑے کی دم کے قریب شکار لٹکا لینے یا ضروری سامان باندھ لینے کے واسطے لگا ہوا ہوتا ہے

شلک: توپوں یا بندوقوں کی باڑ، توپ یا بندوق کی آواز

شلیتہ: ٹاٹ کا بڑا تھیلا، بورا

شور بور: تربتر، بہت بھیگا ہوا، شرابور

شورے کی صراحیاں: پانی سے بھری صراحی کو شورے ملے ہوئے پانی میں ڈال کر اور ہلا ہلا

کر ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔

شولا : مسالے دار تلی پکی ہوئی کھچڑی جس میں گوشت بھی ڈالتے ہیں۔

شہر پناہ : وہ چوڑی مضبوط دیوار جو پرانے زمانے میں شہر کے چاروں طرف حفاظت کے لیے بنائی جاتی تھی، فصیل

شہ نشین : بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ

شیر برنج : شیر بمعنی دودھ سے گوندھ کر تندور میں پکائی ہوئی اعلیٰ قسم کی روغنی روٹی۔ اس میں چاشنی پیدا کرنے اور خمیر اُٹھانے کے لیے حسبِ ضرورت نمک اور دہی بھی ملایا جاتا ہے۔

شیورات : (شیوراتری) ہندوؤں کے ایک بڑے تہوار کا نام

ص

صاحب قران : وہ شخص جس کے پیدا ہونے کے وقت زہرہ اور مشتری ستارے ایک برج میں جمع ہوں

صبح خیزے : جمع ہے۔ وہ چور جو مسافروں سے پہلے اٹھ کر ان کا سامان چرالیں

صد و بیست سال: ایک سو بیس سال مراد لمبی عمر

ض

ضربِ شلاق : ہاتھوں سے یا لکڑی سے مارنا

ط

طاقِ کسریٰ : ایران کے مشہور بادشاہ نوشیرواں کا بنوایا ہوا محل

طعام بخش : ڈوئی ، سالن نکالنے کا بڑا چمچہ

طلا بانی : وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے نقش و نگار بنائے گئے ہوں۔

طلب : تنخواہ

طے : یمن کا ایک قبیلہ تھا، جو وہاں سے ہجرت کر کے عرب میں آ کر آباد ہو گیا تھا

عجم : ایران

عجمی : لفظی معنی گونگا، اہل عرب ، غیر عربوں کو عجمی کہتے تھے

عصا بردار : وہ خاص ملازم جو سونے یا چاندی کا خول چڑھا ہوا عصا لے کر بادشاہوں یا امیروں کی سواری کے آگے چلتے تھے

عمدہ سردار، اعلیٰ عہدے دار

عمل میں : حکومت میں

عمو : چچا

عود سوز : اگردان ، وہ ظرف جس میں لوبان سلگایا جاتا ہے

عیال و اطفال : بال بچے

غ

غٹ : لوگوں کا ہجوم

غراب : عربی جہاز کی ایک قسم

غرہ : چاند کی پہلی تاریخ

غلام کافری: سیاہ فام افریقی غلام

غور پرداخت : دیکھ بھال ، پرورش

غول بیابانی : جنگلوں میدانوں میں بھٹکتی پھرتی بری روحیں ، بھوت پریت

غیبانی : بدکردار عورت

فانوس خیال : ایک طرح کا کاغذ کا بنا ہوا فانوس، جس میں ہاتھی گھوڑے وغیرہ کاغذ بنا کر، اس طرح رکھ دیتے تھے کہ وہ ہوا سے خود بہ خود گردش کرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے

فبہا : تو بہتر ہے ٹھیک ہے

فراش : فرش بچھانے والا

فرشی سلام : وہ سلام جس کے لیے فرش تک سر جھکایا جائے

فرد : حساب کا کاغذ ۔ وہ کاغذ جس پر سامان کی فہرست لکھی ہوئی ہو

قافلہ باشی : قافلے کی سرداری ، قافلے کا سردار

قالیچہ : چھوٹا قالین ، غالیچہ

قبالہ : مکان ۔ جاگیر وغیرہ کا وہ کاغذ جس سے ملکیت ثابت ہو۔ مکان کا بیع نامہ

قبولی : چنے کی دال ملاکر پکائے ہوئے چاول

قبیلہ : بیوی

قحبہ : بدکار عورت

قراول : بندوق سے شکار کھیلنے والا سپاہی

قربان : وہ تسمہ جس میں ترکش بندھا ہوا پیٹھ پر لٹکتا رہتا تھا۔ اس میں کمان رکھنے کا خانہ بن ہوتا تھا۔

قصاص : بدلا قتل یا ایسے ہی کسی گناہ کا عوض

قضا کار : اتفاقاً

قلماقنیاں : قلماقنی کی جمع ۔ وہ ترک عورتیں جو پانچوں ہتھیاروں (ڈھال ، تلوار تیر، کمان، برچھی، نیزہ) سے مسلح ، شاہی محلوں میں سپاہیوں کی طرح پہرا چوکی دیتی تھیں

قلمرو : حکومت ، سلطنت

قلنج : وہ درد جو پسلی کے نیچے ہوتا ہے یہ بہت تکلیف دہ اور مہلک درد ہوتا ہے

قلیان : حقہ

قلیہ : شوربے دار سالن

قورچی : اسلحہ خانے کا محافظ سپاہی

قہوہ دان : سماوار کی طرح کا ظرف ، جس میں قہوہ تیار کر کے رکھا جائے

کاکا : وہ غلام جو گھر میں رہتے رہتے بوڑھا گیا ہو ، بوڑھا خانہ زاد غلام

کاو، ؛ینا: گھوڑے کو حلقہ باندھ کر چکر دینا کہ اس کے سموں کے نشانوں سے دائرہ سا بن جائے۔

کا ہ ہوا : بیمار ہوا

ب : کبت کہنے والا شاعر

تخدا کرنا: شادی کرنا

کجاوہ : سواریوں کے بیٹھنے کے لیے اونٹ کی کمر کے دونوں طرف لٹکی ہوئی ہودے یا ٹوکرے کی وضع کی نشستیں ، جن مین ایک دو یا زیادہ سواریاں بیٹھ سکیں

کچکول : فقیروں کا کاسہ

کدھو : کبھی ، کبھو کی بدلی ہوئی شکل

کرچھال : چوکڑی

کفنی : فقیروں کا اک خاص طرح کا ڈھیلا ڈھالا لباس ۔ وہ بغیر سلا کپڑا جسے بیچ سے پھاڑ کر فقیر لباس کے طور پر گلے میں پہنچ لیتے ہیں

کلانونت : خاندانی گویا، گانے کا بہت بڑا استاد ماہر موسیقی

کلجھواں : سیاہی مائل ،سونلایا ہوا

کنچنیاں : ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں

کنول : کنول کے پھول سے مشابہ شیشے کا خوب صورت ظرف ، جس میں شمع جلاتے تھے۔

کوکا : دودھ شریک بھائی ، برادر رضاعی

کولا : دونوں بازوں کا حلقہ

کھپرا : چوڑے پھل کا تیر

کھیسا : تھیلی

کیتکی : ایک مشہور خوشبو دار پودے کا نام

گ

گاودیدہ : باقر خانی یا شیر مال

گاؤسوار: بیل پر سوار

گج موتی: بہت بڑا موتی

گذربان: راستے کا محافظ، جو ضروری کاغذات دیکھ کر آگے جانے کی اجازت دے

گردا: گول چھوٹی روٹی

گرسنگی: بھوک

گرگا: خدمت گار کم درجے کا نوکر، مشعلچی، برتن دھونے والا

گمت: ٹولی سنگت

گنجفہ: ایک کھیل کا نام جو تاش کی طرح کھیلا جاتا تھا اس میں ۹۶ پتے اور آٹھ رنگ ہوتے ہیں۔ اور تین کھلاڑی کھیلتے تھے اس کا پتا گول اوسط درجے میں انگریزی روپے کے برابر ہوتا تھا

گوش پیچ: ایک طرح کا آرائشی زیور جو پگڑی میں لگا ہوتا تھا

گھر گھالنا: کسی کا گھر تباہ کردینا

گیدی: بے غیرت، بے حیا

ل

لترا: چغل خور، ادھر کی اُدھر لگانے والا

لچکا: سیروتفریح کی کشتی، بجرا

لخلخہ: کئی خوشبوؤں کا مجموعہ جسے دماغ کی تقویت کے لیے سونگھتے ہیں۔ وہ لگدی جو عنبر، مشک، عودِ قماری، کافور وغیرہ کو ملا کر بنائی جاتی ہے اور دماغ پر رکھتے ہیں یا سنگھاتے ہیں

لنبوٹ: لمبی کشتی

لنگری: لگن، وہ اتھلی تھالی جس میں لنگر کا کھانا بانٹتے ہیں

لہر: گوٹے پا پیچے وغیرہ کی لہر دار ٹنکائی۔ عورتیں عموماً دوپٹے، رضائی پر ٹانکتی ہیں

لے ابھرا: لے گیا، لے بھاگا

م

ماتم سرا: وہ گھر جہاں کسی کا ماتم کیا جائے

ماجائی: بہن

مانس: شخص، آدمی

مباف: خاص طرح کی بنی ہوئی پٹی، یا کپڑے کی دھجی، جسے عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں

مثقال: ساڑھے چار ماشے کا وزن

مجرائی: آداب بجا لانے والا، حاضر ہونے والا

مجرے گاہ: دربار میں وہ جگہ جہاں مجرا کرنے والے جھک کر بادشاہ کی خدمت میں آداب بجالاتے تھے۔

محبوس: قیدی

محبوس خانہ: قید خانہ

محلی: خواجہ سرا

مردک: حقیر، ذلیل آدمی

مرفہ: خوشحال

مشورت: مشورہ

مغزی: ایک قسم کا نہایت سفید حلوا، جس میں پستے، بادام کے مغز ڈال کر قرص بناتے ہیں

ملاگیر: اعلیٰ درجے کا صندل

ملک التجار: تاجروں کا بادشاہ

ملین: اداس

موئی مٹی کی نشانی: مرے ہوئے آدمی کی نشانی

مہدِ زریں: سنہرا پالنا

میتہ: فقیروں کا پیالہ

میرِ بحر: امیر البحر، بحری فوج کا سالارِ اعلیٰ

میر بخشی: سلطنت کا ایک اعلیٰ عہدے دار، فوج کی تنخواہ کی تقسیم بھی اس سے متعلق ہوتی تھی

میر شکار: شکاری پرندے اور جانوروں کی دیکھ بھال کرنے والے ملازموں کا افسر

میرِ عمارت: داروغہ تعمیرات، وہ شخص جس کے سپرد شاہی عمارتوں سے متعلق ذمے داری ہوتی تھی، نئی عمارتیں بنوانا، عمارتوں کی دیکھ بھال

میموں: بندر

ن

ناشدنی: کم بخت، بدنصیب، نالائق

نافِ شہر: شہر کے بیچوں بیچ

ناکتخدا: جس کی شادی نہ ہوئی ہو

نا نند: گھوڑے کا دو سال سے کم عمر بچہ، جس کے دودھ کے دانت نہ ٹوٹے ہوں

نپٹ: بہت

نجس العین: جو کبھی پاک نہ ہو سکے وہ چیز جس کا ہر حصہ ناپاک ہو

ندان: آخر کار

نڈر حرکت: بے دھڑک، بے خوف ہو کر

نرگس دان: وہ گل دان جس میں نرگس کے پھول لگائے جائیں

نسقچی: چوب دار، وہ سپاہی جن کے ذمے شہر کے انتظام کی دیکھ بھال ہو

نک گھسنی کرنا: سجدے کرنا، دعا مانگنا، رونا، گڑگڑانا

نکھ سکھ سے درست: پاؤں سے سر تک ہر طرح سے بے عیب

نمدہ: وہ کپڑا جو اون کو جما کر بناتے ہیں

نمش: دودھ کا مصنوعی جھاگ، سردی کے موسم میں دودھ کو تھوڑی سی مصری کے ساتھ خوب

کاڑھا پکا کر اور رات میں اوس میں رکھ کر، صبح تڑکے اچھال کر اس کو بنایا جاتا ہے۔ صبح کے وقت پھیری والے اس کو بیچتے پھرتے تھے۔ دہلی میں اس کا عوامی نام دولت کی چاٹ تھا

نم گیرا: شامیانہ، سائبان

ننگیا لینا: سب کچھ چھین لینا یعنی کپڑے تک اتار لینا

نواڑا: مور پنکھی کو کہتے ہیں۔ جو سیر و تفریح کے لیے مور کی شکل کی بنائی گئی کشتی ہوتی ہے

نوچندی جمیرات: ہر چاند کی پہلی جمعرات

نور بافی: نہایت نفیس کپڑا

نوروز: ایرانی سال کا پہلا دن جو ۲۱/ یا ۲۲/ مارچ کو واقع ہوتا ہے۔ یہ موسم بہار کا آغاز ہوتا ہے

نول: کرایہ

نہڑا: جھکا

نہوڑایا: جھکایا

نہڑکر: جھک کر

نیڑے: پاس، نزدیک

نیک لگی: کامیاب ہوئی، ٹھیک طور پر کام بنا، حسن و خوبی کے ساتھ کام انجام کو پہنچا

نیمہ آستین: مرزئی سے کسی قدر بڑی، آدھی آستینوں اور چھوٹے یا آدھے دامنوں کی مرزئی جو اچکن کی وضع پر ہوتی تھی

و

وَاِلّا نہ: ورنہ

وام: ادھار

ورخرچی: فضول خرچی۔ بے تحاشہ خرچ کرنا

ورق الخیال: بھنگ ،ورق الخیال کا شربت: گھٹی ہوئی بھنگ ،اسے ٹھنڈائی بھی کہتے ہیں

ہ

ہانکے پکارے: سب کے سامنے، اعلان کے ساتھ ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے

ہرج مرج: مصیبتیں، پریشانیاں

ہریسا: ایک طرح کا حلیم، جو گیہوں کے آٹے، گوشت کی یخنی اور دودھ سے پکایا جاتا ہے

ہزاری بزاری: خاص اور عام لوگ، بڑے چھوٹے، مال دار اور غریب

ہل بلا کر: گھبرا کر، ہڑ بڑا کر

ہمیانی: رقم رکھنے کی وہ پتلی سی تھیلی جسے کمر سے باندھ لیتے تھے

ہواو: ہمت، حوصلہ

ہوائی: ایک قسم کی آتش بازی

ہیکل: روپے یا اشرفیوں کا ہار جسے عورتیں گلے میں پہنتی تھیں

ہبلا مار کر: تیزی کے ساتھ گھوڑا بڑھا کر یا کدا کر

ی

یساول: چوب دار، نقیب، عام پہرے دار، سپاہی

یکہ: اکیلا

☆☆☆